تذکرۃ ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

بفیضِ نظـــر

حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

تالیف

ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی

شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد www.islamic786.org

(مکتبہ انوار المصطفیٰ 23-2-75/6 مغلپورہ۔حیدرآباد-اے پی)

﴿ بہ نگاہ کرم مظہرِ غزالی، یادگارِ رازی، مفتی سوادِ اعظم، تاجدارِ اہلسنت، امام المتکلمین حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی ﴾

نام کتاب	تذکرہ ابوالانبیاء جدّ المصطفٰی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
تصنیف	ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحیٰ انصاری اشرفی
تصحیح ونظر ثانی	خطیب ملت مولانا سید خواجہ معزالدین اشرفی
پروف ریڈنگ	مولانا سید محمد محی الدین شاہ قیسؔ اشرفی
ناشر	شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد (مکتبہ انوار المصطفٰے ۔مغلپورہ حیدرآباد)
قیمت	Rs. 100

فہرست مضامین

فہرست مضامین

حضور شیخ الاسلام رئیس المحققین سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی تصانیف

الاربعین الاشرفی	۱۰۰	بیعت اور صحبتِ صالحین	۳۵/	دین کامل	۲۰/
نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس	۲۰/	محبت رسول شرط ایمان	۲۰/	عظمتِ مصطفیٰ ﷺ	۲۰/
اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب	۴۰/	النبی الامی ﷺ	۲۰/	حقیقتِ نماز	۲۰/
اسلام کا تصورِ الہ اور مودودی صاحب	۴۰/	فضیلت رسول ﷺ	۲۰/	اتباع نبوی ﷺ	۲۰/
دین اور اقامت دین	۵۵/	رحمت عالم ﷺ	۲۰/	تفسیر سورۂ والضحیٰ	۲۰/
آثارِ مبارکہ وَتبرکات نبوی ﷺ	۲۰/	عرفانِ اولیاء	۱۵/	معراجِ عبدیت	۲۰/
محبت اہلبیت رسول ﷺ	۲۰/	غیر اللہ سے مدد !	۲۰/	اسلام اور امن وسلامتی	۲۵/
حقیقت نور محمدی ﷺ	۲۰/	فریضہ دعوت وتبلیغ	۲۰/	حدیث نیّت کی محققانہ تشریح	۳۰/
تعلیم دین وتصدیق جبرئیل امین	۳۰/	رسولِ خلائق	۲۰/	دِلوں کا چین	۲۰/
تفسیر اٰیہ رحمۃ للعالمین	۳۰/	مقصدِ تخلیق عبادت	۲۰/	سفرِ آخرت	۲۰/
اہل سُنّت کی پہچان	۲۰/	اسکول اور دینی تعلیم	۱۵/	عقیدۂ علمِ غیب	۶۰/
مقامِ مصطفیٰ ﷺ	۲۰/	مقامِ انسانیت	۲۰/	چہرۂ مصطفیٰ ﷺ	۲۰/
				ساری کائنات کا محبوب	۲۰/

امیر کشورِ خطابت غازیِ ملت علامہ سید محمد ہاشمی اشرفی جیلانی کی تصانیف

فلسفۂ موت وحیات	۲۰/	شیعہ مذہب	۲۰/	سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۵۰/
فضائل درود وسلام	۲۰/	تاجدارِ رسالت ﷺ	۳۰/	لطائفِ دیوبند	۲۵/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلٰی شَفِیۡعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد

مَنَّ عَلَیۡنَا رَبُّنَا اِذۡ بَعَثَ مُحَمَّدًا

اللہ نے ہم پر احسان فرمایا کہ حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا

اَیَّدَہٗ بِاَیۡدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحۡمَدًا

اپنی تائید سے آپ کی مدد فرمائی حضور احمد مجتبیٰ سے ہماری مدد فرمائی

اَرۡسَلَہٗ مُبَشِّرًا اَرۡسَلَہٗ مُمَجَّدًا

اللہ نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور باکرامت بنا کر بھیجا

صَلُّوۡا عَلَیۡہِ دَآئِمًا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ سَرۡمَدًا

اے مسلمانو تم آپ پر ہمیشہ ہمیشہ درود پڑھتے رہو

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

آیئے کام کچھ کریں آج ملائکہ کے ساتھ

نام ہو اولیاء کے ساتھ، حشر ہو انبیاء کے ساتھ

شغل وہ ہو کہ شغل میں کر دے ہمیں خدا کے ساتھ

پڑھیئے درود جھوم کر سیّد خوش نوا کے ساتھ

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اے مرے مولیٰ کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے

اب کسے سیّد پکارے تم ہمارے ہم تمہارے

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک

(حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہٗ)

شیخ الاسلام اکیڈمی (مکتبہ انوار المصطفٰی) کا ایک مختصر تعارف

سنہ 1977 میں کتابوں کے ذریعے مسلمانوں میں دینی بیداری لانے اور صحیح اسلامی رُوح پھونکنے کے لئے ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحیٰی انصاری اشرفی (بانی اکیڈمی و مکتبہ ۔صدر ادارۃ تحقیقات علمیہ) نے بنگاہِ کرم حضور شیخ الاسلام رئیس المحققین سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی، ایک علمی تحقیقی، تصنیفی و اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی، اسی کا نام شیخ الاسلام اکیڈمی (مکتبہ انوار المصطفٰی) ہے۔

اس عرصے میں اکیڈمی و مکتبہ نے جونمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں، ساتھ ہی ساتھ اس ادارے نے تصنیفی و اشاعتی میدان میں اہل سُنّت کے اندر جو بیداری کا ماحول پیدا کیا ہے وہ بھی نگاہوں کے سامنے ہے کہ دیکھتے دیکھتے آج لڑیچر کی دُنیا میں کتب خانوں کا ایک جال بچھا ہوا نظر آرہا ہے یہ بھی شیخ الاسلام اکیڈمی (مکتبہ انوار المصطفٰی) ہی کا فیضان ہے جب کہ خود اکیڈمی و مکتبہ کے اہتمام سے اب تک (200) سے زیادہ کتابیں چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہیں، نیز اکیڈمی و مکتبہ کی شائع کردہ علمی و تحقیقی کتابیں نہ صرف ہندوستان کے مختلف اشاعتی اداروں سے مسلسل شائع ہورہی ہیں بلکہ پاکستان، برطانیہ اور امریکہ سے بھی کئی اڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔

شیخ الاسلام اکیڈمی (مکتبہ انوار المصطفٰی) کے ذمہ داروں نے اپنا معیار کبھی گرنے نہیں دیا، نہ ہی محض تجارتی مقاصد کے لئے ان کتابوں کو شائع کرنے کی طرف توجہ دی، جو بآسانی مارکیٹ میں مل رہی ہیں۔ کتابت وطباعت اور ٹائٹل کے اعتبار سے بھی اس کا معیار ہمیشہ بلند رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم قارئین کا ایک مخلص حلقہ اکیڈمی و مکتبہ سے جڑا ہوا ہے اور اس کی مطبوعات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہیکہ اہلِ علم (علماء، طلباء، مقررین وواعظین ......) سب کے کاروان کتابوں کے ذریعے ہی آگے بڑھتے ہیں۔ پڑول سے چلنی والی گاڑیوں کے لئے پڑول ضروری ہوتا ہے ورنہ گاڑی رُک جائے گی۔ مریض کے لئے میڈیکل شاپ سے دوا منگوائی نہ جائے تو جسمانی موت واقع ہو جائے گی ...... بلا تشبیہ و بلا تمثیل اگر دینی مکتبوں کی طرف بغرض حصولِ علم رُخ نہ کیا جائے تو رُوحانی و علمی موت واقع ہو جائے گی۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ بانی اکیڈمی و مکتبہ نے اپنی جہد مسلسل اور ذاتی سرمایہ سے مکتبہ کو استحکام بخشا ہے۔ مکتبہ مسلم قوم کے اندر تصنیف وَ تالیف کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔اذہان کی تطہیر، معاشرے کی اصلاح، مسلک اہلسنت کی تبلیغ، پاکیزہ ادب کی ترویج وَ اشاعت ہی اس کا خاص مقصد ہے

شیخ الاسلام اکیڈمی (مکتبہ انوار المصطفٰی) 23-2-75/6 مغلپورہ ۔ حیدرآباد (9848576230)

ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام، تارخ ابن ناحور کے فرزند ہیں، آپ کا نسب یہ ہے :
حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام (عمر ۲۰۰)، بن تارخ (عمر ۲۵۰)، بن ناحور (عمر ۱۳۸) بن ساروغ (عمر ۲۳۰) بن ارغوا (عمر ۲۳۹) بن فالغ (عمر ۴۳۹) بن عابر (عمر ۴۶۴) بن شالخ (عمر ۴۳۳) بن ارفحشذ (عمر ۴۳۸) بن سام (عمر ۶۰۰) بن حضرت نوح علیہ السلام (عمر ۱۷۸۰ سال)۔ (تاریخ طبری لابن جریر طبری)

سیدنا نوح علیہ السلام (عمر ۱۷۸۰ سال) بحکم خداوندی :
﴿وَلَقَدْ نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (عنکبوت/۱۴)
حضرت نوح علیہ السلام بعثت کے بعد اور طوفانِ الٰہی سے پہلے) اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال پیغام رُشد و ہدایت کا پرچار کرتے رہے۔

ولادت باسعادت :

ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پیدائش طوفانِ نوح کے سترہ سو نو (۱۷۰۹) سال بعد اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو (۲۳۰۰) سال پہلے سرزمینِ عراق، شہر بابل کے قریب قصبہ 'کُوئی' میں ہوئی۔ (تفسیر عزیزی)

شہر بابل، بغداد شریف اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ اب اسے بابلین کہتے ہیں اب ویران ہو چکا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وِلادت مقام سوس کی ہے جو سرزمین 'اہواز' کی ایک مشہور آبادی ہے پھر آپ کے والد تارخ آپ کو اپنے ہمراہ 'بابل' لے آئے جہاں نمرود کی حکومت تھی اور وہ وہیں بس گئے۔ واللہ اعلم (تفسیر اشرفی، تفسیر نعیمی، تفسیر الحسنات)

ابوالانبیاء جدّ المصطفی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والدین کے سوائے باقی سب اہلِ قرابت بت پرست تھے۔ آپ کا چچا آزر بت پرستوں کا سردار تھا' اُسی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی تھی اس لئے عرفی باپ کہا گیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام' ہاران اور ناحور تینوں بھائی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے یعنی ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں۔ ہاران بن تارخ کا وصال اُن کے والد (تارخ) کی زندگی میں اسی سرزمین پر ہوگیا تھا جہاں اُن کی ولادت ہوئی اور وہ کلدانیوں کی سرزمین یعنی سرزمین بابل تھی۔

عراق کے شہر بابل کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی۔ (قصص الانبیاء لامام ابن کثیر)

(☆) خیال رہے کہ ہاران' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام بھی ہے جو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ پہلے زمانہ میں گھر کے کئی افراد کا ایک ہی نام ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات باپ بیٹے کا ایک نام اور کبھی بہن بھائی کا ایک نام بھی ہوتا تھا۔ عربوں میں آج بھی خاندان اور گھر کے کئی افراد (دادا' چچا' پوتے' بھتیجے ......) کے نام ایک ہوتے ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء)

<u>والدہ ماجدہ</u> : کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام 'بونا بنت کرنبا بن کُوئی' تھا اور یہ قبیلہ بنی ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھیں۔ قصبہ **کُوئی** سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ 'بونا بنت کرنبا بن **کُوئی**'

کے دادا سے موسوم تھا۔ (اُس زمانے میں لوگوں کے کئی کئی نام ہوا کرتے تھے‘ بعض نام زیادہ مشہور ہو جاتے تھے اس لئے کتابوں اور تذکروں میں مختلف نام بیان کئے جاتے ہیں)

ابراہیم : ابراہیم کے معنٰی ہیں اَبْ رحیم یعنی ’مہربان باپ‘ چونکہ آپ بچوں پر بہت مہربان تھے‘ نیز مہمان نوازی اور رحم وَکرم میں آپ مشہور ہیں اسی لئے آپ کو ابراہیم کہا جاتا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے جو چھوٹے بچے مرجاتے ہیں اُن کی پرورش سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں۔ (تفسیر رُوح البیان)

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم اور بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا کہ مسلمانوں کے مُردہ بچوں کی پرورش عالمِ برزخ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابراہیم اصل میں ابرم تھا جس کے معنی ہیں بزرگ‘ چونکہ آپ بہت سے انبیاء کرام کے والد ہیں اور سارے دِینوں میں آپ کی عزت‘ حتیٰ کہ مشرکین عرب بھی آپ کی عظمت کرتے تھے اس لئے آپ کا نام نامی ابراہیم ہوا۔ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا نام تقریباً (۷۰) بار مختلف آیات میں ذکر کیا گیا ہے جن میں آپ کے مختلف اوصاف وَعادات اقول وَاعمال بیان فرمائے گئے۔ (تفسیر نعیمی)

کنیت : سیدنا ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی کنیت **ابو الضیفان** (مہمانوں کے باپ یعنی بہت بڑے مہمان نواز) ہے۔ روایت ہے کہ ابوالانبیاء جدالمصطفٰی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے‘ ایک دن اُن کو کوئی مہمان نہیں ملا تو انھوں نے اپنا کھانا مؤخر کر دیا۔
(تفسیر الحسنات‘ فقیہ اعظم حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ)

نمرود کون تھا ؟ ابن جریر علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ میں تذکرہ کیا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وِلادت باسعادت نمرود بن کنعان (ظالم وجابر ڈکٹیٹر) کے دَور میں ہوئی۔ نمرود ہی مشہور وَمعروف ضحاک بادشاہ تھا۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ نمرود کا تعلق قبیلہ بنوراسب سے تھا جس کی طرف سیدنا نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر دلیل پیش کی تھی' اس کا نام نمرود بن کنعان تھا' یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا' اُس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب اور حیران ہوا۔

نمرود ابن کنعان بابل کا بادشاہ تھا جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم وستم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا' اس ظالم کے حدود میں مکھی مچھر یا موذی جانور داخل نہیں ہو سکتے تھے سارے جہاں کی بادشاہت اُس کو ملی' اُس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی۔ چار سو سال اپنی بادشاہی کے رُعب ودَبدبہ میں گذارے اور چار سو سال مچھر نے اُسے کاٹا جو ناک کے راستے اُس کے دماغ میں گھس گیا تھا۔ وہ اپنے سَر پر جوتے لگواتا رہا' اُس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کرنے کے لیے بلند قلعہ بنوایا تھا۔ اُس کا دارالخلافہ ملک عراق کے شہر بابل میں تھا۔ (تفسیر کبیر' رُوح المعانی' خازن' رُوح البیان)

تابناک ستارہ :

نمرود کے دَورِ حکومت میں ایک ستارہ طلوع ہوا جس کے سامنے سورج وچاند کی روشنی ماند پڑ گئی' اس ستارے کو دیکھ کر لوگ پریشان ہو گئے اور خود نمرود حواس باختہ ہو گیا۔ نمرود نے کاہن اور نجومیوں کو اکٹھا کر کے اُن سے پوچھا کہ یہ ستارہ کیسا ہے؟ انہوں

نے جواب دیا کہ یہ علامت ہے اس چیز کی کہ تمہاری رعایا میں ایک ایسا بچہ جنم لے گا جس کے ہاتھوں تمہاری بادشاہی کا غرور خاک میں مل جائے گا۔

نمرود نے منصوبہ بندی کا حکم جاری کرتے ہوئے کہا کہ آج سے کوئی مرد اپنی عورت سے مباشرت نہیں کرے گا اور جتنے بچے اس وقت تک پیدا ہو چکے ہیں انہیں تہہ تیغ کر دیا جائے۔ نمرود نے اسی وقت ایک جماعت اس کام پر مامور کر دی کہ وہ لوگوں کو عورت کی نزدیکی سے باز رکھیں۔ لڑکیاں پیدا ہوں تو رہنے دیں اور لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ روایت ہے کہ نمرود کے دارالسلطنت بابل میں نمرود کے حکم سے سال بھر میں ایک لاکھ لڑکے قتل ہوئے۔ ایسی زبردست منصوبہ بندی کے باوجود مشیت الٰہیہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام دُنیا میں تشریف لے آئے۔ اتفاقاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والدین میں قربت ہوگئی اور والدہ ماجدہ حاملہ ہوگئیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت جب قریب آیا تو آپ کی والدہ پہاڑوں کے درمیان ایک غار میں تشریف لے گئیں، وہاں ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

(اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے اس کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا، نہ کوئی بدل سکتا ہے۔

بنا مرضی تری پتہ بھی حرکت کر نہیں سکتا　　دو عالم پر تری ایسی حکومت ہے سدا یا رب (قیس)

دیکھو نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری کو بہت روکنا چاہا، فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت زور لگایا مگر ناکام رہے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہما السلام دُنیا میں تشریف لائے اور اپنا کام کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی کہ نمرود اور فرعون نے جن کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت سے بچے ذبح کرا دیئے وہ دونوں حضرات ان ہی مَردودوں کے گھر میں پلے بڑھے۔ نمرود کے مصاحبِ خاص کے گھر میں حضرت خلیل کی پروری کی اور فرعون کے گھر بلکہ اس کی گود میں حضرت کلیم اللہ کی پرورش فرمائی، یہ ہے اس قدرت والے کی قدرت) والدہ ماجدہ اس غار کے منہ پر پتھر رکھ کر فرزند کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن جا کر دیکھا تو آپ

اپنی اُنگلیاں چوس رہے ہیں جن سے دودھ شہد نکل رہا ہے۔ بہت خوش ہوئیں پھر روزانہ اسی طرح جاتیں اور اپنے بچّہ کی دیکھ بھال کر آتیں۔ آپ ایک ماہ میں اتنا بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔ آپ پندرہ مہینے کے ہوئے تو پندرہ سالہ معلوم ہوتے تھے۔ اسی دوران آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ میرا رب (مربی ۔ و پرورش کرنے والا) کون ہے؟ والدہ نے کہا: مَیں۔ پوچھا: میری طرح تم بھی کھانے پینے کی حاجتمند ہو' انسانی ضروریات رکھتی ہو' تمہارا رب (پالنے ۔ پرورش کرنے والا) کون ہے؟ فرمایا: تمہارے والد تارخ۔ آپ نے پوچھا کہ ابّا جان بھی حاجتمند ہیں' انہیں بھی مربی چاہئے' اُن کا مربی کون ہے؟ کہا: نمرود (تارخ' نمرود کے ہاں سے تنخواہ پاتے تھے)۔ پوچھا: نمرود بھی تو ہم لوگوں کی طرح ہزارہا حاجتیں رکھنے والا انسان ہی ہے' اُس کا رب کون ہے؟ تو والدہ نے کہا: چُپ رہو۔ پھر تارخ سے کہا کہ جس فرزند کا خوف نمرود کو ہے وہ تمہارا یہ فرزند ہے۔ اس نے آج مجھ سے ایسا حکیمانہ سوال کیا ہے کہ میں تو کیا' ہماری ساری قوم جواب نہیں دے سکتی۔ تارخ بہت ہی خوش ہوئے' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کئی سال اس غار میں چھپے ہوئے پرورش پاتے رہے۔ سات سال کی عمر شریف میں شام کے وقت غار سے باہر تشریف لائے۔ (تفسیر نعیمی بحوالہ تفسیر صاوی و رُوح البیان و خزائن)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور کافروں کے مکر وَ فریب سے انہیں محفوظ وَ مامون رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے اَحسن انداز میں اور بہت جلد آپ کی پرورش فرمائی' آپ جوانی کی منازل طے کرتے رہے۔

آزر کون تھا؟

'آزر' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے آپ کے باپ کا نام 'تارخ' ہے۔ صاحبِ تفسیر رُوح المعانی علامہ محمود احمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

'والذی عول علیه الجم الغفیر من اھل السنة ان آزر لم یکن والد ابراھیم علیه السلام وادعوا انه لیس فی آباء النبی ﷺ کافر اصلا لقوله علیه الصلوٰة والسلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھر الی ارحام الطاھرات' اہلِ سُنّت کے کثیر اہلِ علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آزر' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔ اہلِ سُنّت کے (اجماع) جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آباء اجداد میں کوئی کافر نہیں تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے **لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات والمشرکون نجس** کہ میں ابتداء سے آخر تک (ہمیشہ) پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہوں' اور کفار وَ مشرکین پاک نہیں ہوتے بلکہ نجس اور ناپاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ**﴾ (توبہ/۲۸) بے شک مشرک تو ناپاک لوگ ہیں۔

مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں' طاہر' کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آباء وَ اجداد بدکاری سے پاک تھے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا رَد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

'وتخصیص الطھارة بالطھارة من السفاح لا دلیل علیه یعول علیه والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب' طہارت کو زنا سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا دعویٰ' بغیر دلیل کے ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں جو قابلِ اعتماد ہو' لحاظ عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کی خصوصیات کا۔ الفاظ کی عمومیت اس پر دَلالت کررہی ہے کہ مُراد مطلق ہر طرح کی پاکیزگی ہے۔ کفر اور بدکاری' ہر طرح سے پاک پشتوں اور پاک رَحموں میں ہی حضور سید عالم ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

خیال رہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف **الحاوی للفتاویٰ** میں ایک رسالہ '**مسالك الحنفاء فی ایمان والدی مصطفیٰ**' میں **اسرار التنزیل** کے حوالے سے علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی جمہور کے ساتھ ایمان کے متعلق ہی مذکور ہے۔

'**واکثر ھٰؤلاء علی ان آزر إسم لعم ابراھیم علیه السلام**'

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔

قرآن کریم میں دادا، چچا، باپ سب پر لفظ 'اب' (باپ) بولا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَاتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَآءِكَ اِبۡرَاهِيۡمَ وَاِسۡمَاعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ** ﴾ (البقرہ/۱۳۳) کیا تم موجود نہ تھے (کیا نہیں تھے تم گواہ) جب یعقوب پر موت کا وقت حاضر ہوا۔ اُس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا، تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ ہم عبادت کریں گے تمہارے معبود اور تمہارے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں داخل کرنا تو اس لئے ہے کہ آپ اُن کے چچا (تایا) ہیں اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور آپ کا نام حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے ذکر فرمانا دو وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں، دوسرے اس لئے کہ آپ سید عالم ﷺ کے جدّ ہیں۔ (خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ میں یعقوب علیہ السلام کے والد اسحاق علیہ السلام اور چچا (تایا) اسماعیل علیہ السلام اور دادا ابراہیم علیہ السلام سب پر آباء کا اطلاق ہے جو 'اب' کی جمع ہے محمد بن کعب قرطبی نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا :

' **الخال والد والعم والد**' ماموں' باپ ہےاور چچا بھی باپ ہے۔
حدیث شریف میں حضور نبی کریم ﷺ کا قول مبارک موجود ہے جس میں آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ' **ابی**' میرا باپ کہا ہے۔
' **ردوا علی ابی العباس**' میرے باپ عباس کو مجھ پر پیش کرو !
جن محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا حقیقی والد کافر نہیں تھا بلکہ آپ کا چچا آزر کافر تھا انہوں نے بطور دلیل ابن منذر کا قول بھی پیش کیا ہے جو اُنھوں نے اپنی تفسیر میں سند صحیح سے سلیمان بن صرد کا قول پیش کیا ہے کہ جب نمرود اور اُس کی قوم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا اِرادہ کیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں تو ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب ساری قوم کو مخالف پایا تو کہا :
﴿ **حَسبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ** ﴾ (العمران/۱۷۳)
ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سُپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہترین کارساز وَ نگہبان ہے)۔
جب آپ کو لوگوں نے آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا :
﴿ **يَا نَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلَامٌ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ** ﴾ (انبیاء/۶۹)
اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا' جب آپ پر آگ گلزار بن گئی۔
'**فقال عمه من اجلی دفع**' تو آپ کا چچا کہنے لگا کہ یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم سے دَفع ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگ کے ایک چنگارے کو اُس کی طرف بھیجا جو اُس کے قدموں پر گرا اور اُسے جلا کر رکھ دیا۔
اس روایت میں واضح طور پر 'عمه' (چچا) کے الفاظ موجود ہیں جن سے واضح ہورہا ہے کہ 'آزر' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس نے آپ کی بچپن میں پرورش کی تھی۔

'اس مقام پر یہ خیال رہے کہ ایک ہے لفظ '**والـــد**' اور ایک ہے لفظ 'اَبٌ'۔ **والد** صرف اس کو کہا جائے گا جس نے جنا۔ اسی لئے جننے والے کے سوا کسی پر لفظ **والد** کا اطلاق مجازاً بھی نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس 'اَبٌ' یعنی باپ کا لفظ جننے والے کے سوا پر بھی بولا جاتا ہے۔قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو رسول کریم ﷺ کا 'اَبٌ' قرار دیا گیا' یونہی سورۂ بقرہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ ارشاد فرمایا گیا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کے چچا تھے۔ ویسے بھی ہر پرورش کرنے والے' تربیت فرمانے والے کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ والد کے بڑے بھائی کو بابا اور بڑے ابو اور چھوٹے بھائی کو چچا کہنا ہمارے علاقے میں بھی ایک عام سی بات ہے۔ بلکہ 'اَبٌ' کی نسبت کبھی کسی دوسری وجہ سے بھی دی جاتی ہے جیسے ابو ہریرہ' ابوتراب' ابوالوقت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہر مولود کا والد ایک ہی ہوتا ہے' اس کے سوا کسی اور کو اس کا والد نہیں کہا جاتا۔ (تفسیر اشرفی' حضور شیخ الاسلام)

نورِ مصطفیٰ ﷺ کا پاک پشتوں میں منتقل ہونا :

نورِ مصطفیٰ ﷺ' سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ آپ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ جب حدِ بلوغ کو پہنچے تو اُن سے اس نور کی حفاظت کا عہد لیا گیا کہ اس مقدس نور کو نہایت پاکیزہ طریقہ سے ارحامِ طاہرات واصلابِ طیبات تک پہنچائیں۔ چنانچہ یہ عہد نامہ قرن بعد ایک دوسرے تک وصول ہوتا رہا۔

اب وہ نورِ پاک انوش' قینان' مہللائیل یارو سے ہوتا ہوا حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ آپ تین سو پینسٹھ سال کی عمر میں زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ پھر وہ نور متوشلخ لامک سے منتقل ہو کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آیا اسی نور کے صدقے کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ جنابِ متوشلخ کے پاس ۹۶۹ سال' مالک کے

پاس ۷۷۰ سال' حضرت نوح علیہ السلام کے پاس ایک ہزار سال۔ اس کے بعد جناب سام' ارفخشذ' حضرت ہود علیہ السلام' جناب شالخ' عابر' فالغ' ارغوا' ساروغ' ناحور سے ہوتا ہوا جناب تارخ کے پاس تشریف لایا۔ تارخ' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے۔ نہایت عابد زاہد نیک فال تھے۔ کئی کئی مہینے پہاڑوں میں تنہا عبادت کرتے تھے' بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

آزر (جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا) یہ بت تراش تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک حضور ﷺ کے سلسلہ نسب میں کوئی نہ مُشرک ہوا ہے اور نہ زانی۔۔زانی کی نسل سے وَلی نہیں ہوتا' چہ جائیکہ نبی ہو۔ (رُوح البیان)

آزر' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا جس نے پرورش کی۔ جب آپ جوان ہوئے تو اپنے چچا کو کہا ﴿**لَاتَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ**﴾ شیطان کی پیروی نہ کرو۔ آیت کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ ﴿**اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ**﴾ جب اپنے 'اَبْ' آزر کو کہا۔ یہاں لفظ 'اَبْ' سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔انہوں نے اَبْ کا ترجمہ والد کیا ہے حالانکہ 'اَبْ' عام ہے باپ' چچا' دادا سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ تو سب نے باتفاق جواب دیا: ﴿**نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ**﴾ ہم عبادت کریں گے آپ کے خُدا اور آپ کے اَبْ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق علیہم السلام کے خُدا کی۔ اس آیت میں لفظ 'اباء' 'اَبْ' کی جمع ہے۔ یہاں لفظ اَبْ اسحاق علیہ السلام پر بولا گیا ہے وہ آپ کے باپ ہیں' اسماعیل علیہ السلام کو بھی اَبْ کہا گیا ہے حالانکہ وہ آپ کے چچا ہیں' ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا ہے حالانکہ وہ دادا ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اَبْ باپ' چچا' دادا سب کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ باپ کے لئے عربی زبان میں حقیقۃً لفظ 'والد' ہے' والد' باپ کے بغیر کسی

کے لئے نہیں بولا جاتا۔ اسی طرح **اِنّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النّار** کی حدیث میں **ابی** سے مُراد ابوطالب چچا ہیں۔

یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نورِ پاک آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک پاک پشتوں، طیب پیشانیوں میں ہی منتقل ہوتا رہا۔

حضور نبی کریم ﷺ نفیس ترین جماعت سے پیدا ہوئے۔ از سیدنا آدم تا حضرت عبداللہ سارے لوگ نفیس تھے کوئی خسیس نہ تھا۔ اگر آزر، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہوتو حضور ﷺ کے نسب میں شامل ہوگا اور کافر خسیس ہے، خبیث ہے نجس ہے۔ وہ اس سید الطاہرین امام المحبوبین کے طیب وطاہر نسب میں کیسے آ سکتا ہے؟

حضور نبی مکرم ﷺ کے سارے دادے دادیاں نانے نانیاں پاک ہیں اور مشرک نجس ہوتا ہے ﴿**اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ**﴾ پھر آزر کے لئے حضور ﷺ کے نسب میں کیسے جگہ مل سکتی ہے؟ (رُوح المعانی)

انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿**اَلَّذِیْ یَرٰكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ**﴾ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور پھرتا تیرا سجدے کرنے والوں میں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے: **انہ ٗ کان ینقل نورہ ٗ من ساجدٍ الیٰ ساجدٍ** وہ نور منتقل ہوتا رہا ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف۔

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ، حضور نبی کریم ﷺ کا نور، عابدین ساجدین میں منتقل ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے سارے دادے دادیاں مومنین ساجدین ہیں اُن میں سے کسی نے بھی بت کو سجدہ نہ کیا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف

منتقل ہوتا رہااور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دَلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور اب قطعی طور پر یہ کہنا واجب ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر' آپ کا چچا تھا۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا نور جس کے پاس رہا وہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے رہے ہیں۔ اب اگر آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ مانا جائے تو لازم آئے گا نورِ مصطفیٰ ﷺ آزر کے پاس رہا اور وہ بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والا نہیں تھا تو عند التحقیق ثابت ہوا کہ آزر باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔

وہ جو حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دُعائے مغفرت کی اجازت چاہی نہ ملی' زیارت قبر کی اجازت چاہی مل گئی۔ پھر حضور ﷺ نے زیارت فرمائی اور روئے اور سب کو رُلایا۔ اس سے آمنہ طیبہ طاہرہ کا کفر ثابت نہیں ہوتا' اس لئے رونا فراق مادَر میں تھا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتیں ہم کو بایں اقبال ملاحظہ کرتیں' خوش ہوتیں۔ استغفار سے ممانعت اس لئے تھی کہ وہ بے گناہ تھیں۔ استغفار گنہگار کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے بچہ کی نماز جنازہ میں اُس کے لئے دُعائے مغفرت نہیں کہ وہ بے گناہ ہے۔ گناہ ہوتا ہے احکام الٰہی کی مخالفت سے' آمنہ خاتون اصحابِ فترت ہیں۔ کسی نبی کا دِین اور احکام اُن کے زمانہ میں باقی نہ تھے۔ اُن کے لئے عقیدہ توحید کافی ہے۔ اگر کفر کی وجہ سے استغفار سے ممانعت ہوئی تو زیارت قبر کی بھی اجازت نہ ملتی' فرمایا گیا ﴿**وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اَبَدًا**﴾ حضور ﷺ اس سے بھی نفیس ہیں کہ نور الٰہی سے پیدا ہوئے۔

ایمان تین قسم کا ہے' ایمان میثاقی' ایمان فطری **فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا** نیز فرمایا گیا **کُلُّ مَوْلُوْدٍ عَلَى الْفِطْرَةِ** ان دونوں ایمانوں میں صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ ایمان تبلیغی' اس ایمان میں تمام عقائد ضروری ہیں'

مگر یہ ایمان اس کے لئے ضروری ہے جس کو نبی کی تبلیغ پہنچے۔ ہاں حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کیا (دیکھو شامی اور شمول الاسلام اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل) یہ بھی حضور ﷺ کی خصوصیت ہے کہ بعد موت ایمان والدین قبول ہوا۔ غیر پر قیاس کرنا غلط ہے۔ ان دونوں حضرات کو صحابیت کا شرف بخشنے کے لئے تبلیغی ایمان تعلیم فرمائی گئی۔

حضور نبی کریم ﷺ کا نور مقدس حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس مدتوں ظہور فرما تا رہا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس پہنچا' اولاد اسماعیل علیہ السلام میں نابت سب سے بڑے تھے' آپ اس سے مستنیر ہوتے رہے پھر یہ نور مقدس پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا...... عدنان' معد' نزار' مفر' خدارا' الیاس' مدرکہ' خزیمہ' کنانہ' نضر' مالک' فہر غالب' کعب' مرہ' کلاب' قصی' عبدالمناف' ہاشم' عبدالمطلب' سے ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کے پاس ظہور پذیر ہوا۔

بشر کے رُوپ میں ایک نور جلوہ آرا ہوا وہی ہے رہبر کونین رہبری کے لئے (قیسؔ)

ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا ہونے پر شاندار دلیل

محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہ سے مروی ہے بیشک سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اپنے چچا آزر کیلئے دُعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مرگیا' اُس کے مرجانے کے بعد آپ پر واضح ہوگیا کہ وہ حالتِ کفر میں مرگیا ہے' کافر تو اللہ کا دشمن ہے اُس کے لئے تو دُعا کرنے کا کوئی مقصد نہیں......تو آپ نے اُس کے لئے دُعائے مغفرت چھوڑ دی اور اس سے بیزاری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ (التوبہ/۱۱۴) اور ابراہیم کا اپنے (چچا آزر) کی بخشش چاہنا وہ تو

نہ تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اُس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے تعلق توڑ دیا۔

علامہ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: **'لابیه'** سے مراد' آزر' ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اُسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لئے باپ کہا گیا: **ای آزر سماه الله ابآ لکونه عمًا ومربیتاً له"**

آپ کے والد کا نام تارخ تھا نیز حضور نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لئے ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو۔ (تفسیر مظہری)

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں' یہاں باپ سے مقصود اُن کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر اُن کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا۔ (ترجمان القرآن جلد۲)

اس آیت میں ﴿ **اَبیه** ﴾ سے مراد آزر ہے' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک وعدہ کے پیشِ نظر اُس کے لئے دُعائے مغفرت کی' کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ آزر کو کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تیری مغفرت کی دُعا کروں گا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ آزر نے بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔

آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ **ساستغفرلك ربی** ﴾ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا تو میں نے سُنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دُعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا تو مشرکوں کے لئے دُعائے مغفرت کرتا ہے؟ تو اُس نے کہا: کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے

لئے دُعا نہ کی تھی' وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار کرنا اُس کے اسلام لانے کی اُمید پر تھا جس کا آزر نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ نے آزر سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ اُمید ختم ہوگئی تو آپ نے اُس سے تعلق توڑ لیا اور اُس کے لئے دُعائے مغفرت کرنا بھی چھوڑ دیا۔

'آزر' آگ کے چنگارے سے مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کے بعد اُس کے لئے کوئی دُعا نہیں کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ابتدائی طور پر (**کُوئی** میں آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آنے کے بعد (۱۶) سولہ سال کی عمر میں) آپ نمرودی قوم سے ہجرت فرما کر '**اُور**' (جنوبی عراق) تشریف لائے اور اپنی رہائش گاہ '**اُور**' سے الجزیرہ کے شمال میں واقع شہر حران (ماضی میں ملک شام کے حدود میں تھا۔ موجودہ جنوبی ترکی) روانہ ہوئے' حران سے فلسطین کی طرف ہجرت کی' پھر مصر میں داخل ہوئے اور ایک جابر بادشاہ (فرعون اوّل: علوان بن سان) کا واقعہ دَرپیش آیا اور قبطی قوم کے بادشاہ کی شہزادی حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا آپ کو عطا کی گئیں۔ مصر کی جانب ہجرت کرنے والا قافلہ دوبارہ بیت المقدس اور اس کے گردونواح میں آ کر آباد ہوگیا۔ (مقام ایلیا میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں سیدنا اسمٰعیل اور سیدنا اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے) حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی وِلادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو کعبہ کے پاس چھوڑ دو۔ آپ نے جب اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور زوجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو وہاں چھوڑا جہاں آج مکہ مکرمہ آباد ہے تو وہاں آپ نے کچھ دُعائیں فرمائیں جن میں سے ایک دُعا کے الفاظ مبارک یہ ہیں۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ ﴾ (ابراہیم/۴۱)

اے ہمارے رب ! میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا آزر کی موت کے بہت بعد ہے لہذا یہ دُعا آزر کے لئے نہیں بلکہ تارخ کے لئے ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ اس دُعا کی تردید کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ دُعا رَد نہیں ہوئی بلکہ قبول ہوئی' اُن کی بخشش ہوگئی۔ اس دُعا میں والدہ اور والد دونوں کا ذکر ہے۔ آپ کی والدہ کے مومنہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں' تو اگر یہاں کافر آزر کو ہی والد کہا گیا ہے تو یہاں بھی واحد ہی ہوتا۔ ماں کو شامل نہ کیا جاتا۔ یہ دُعا والدین کے لئے ہی ہے نہ کہ چچا کے لئے۔ چچا کو والد نہیں کہا جاتا' ہاں اَب کہہ دیا جاتا ہے۔ سیدنا ابرہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ **ما کان من المشرکین** ﴾ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں پیدا ہوئے تھے۔ ثابت ہوا کہ آپ کے بھی تمام آباء حضرت آدم علیہ السلام تک مومن ہی تھے۔)

اب اس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آپ نے اللہ کے جس دشمن کے لئے دُعا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ آپ کا چچا آزر ہے جسے باپ سے تعبیر کیا گیا' اور اس دُعا کے چھوڑنے کے کتنے عرصے (پچاس سے زیادہ سال کے) بعد بھی آپ اپنے باپ اور ماں کے لئے مغفرت کی دُعا کر رہے ہیں وہ آپ کا حقیقی باپ ہے۔ اگر آزر جو کافر اور اللہ کا دُشمن ہے وہی آپ کا حقیقی باپ ہے تو اُس سے بیزاری کے بعد پھر اُس کے لئے دُعا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ (رُوح المعانی زیر آیت '**واذ قال ابراهیم لابیه**')

حضور نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دَلیل

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دَلالت کرتی ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک حضور نبی کریم ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ (البقرۃ/۲۲۱)

اور بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے ہر مشرک سے، گو وہ تمہیں اچھا لگے۔ (تفسیر اشرفی)

(بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مالدار نہ ہو (کیونکہ وہ زیورِ ایمان سے آراستہ ہے)، ہر مشرک سے گو وہ تمہیں اپنے حُسن وَ جمال اور مال وَ منال کی وجہ سے اچھا لگے) (تفسیر اشرفی، حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی)

اور جب مومن، مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک، بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی، ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خالی نہیں رہی اور حضور نبی کریم ﷺ کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن

مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ حضور نبی مکرم ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا ہے کبھی زمین ابلیس کے لئے خالی نہیں رہی، اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں، مَیں ہوں۔ (صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا، میں (جائز) ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے، میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بطور باپ کے تم سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، جو صاف اور مہذب تھیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں، میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوۃ)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا عقیدہ توحید

مشرکانہ عقائد سے متعفن ماحول میں ایک جابر اور قاہر حکمران (نمرود بن کنعان) کے دَور میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں ایسا ذہن رَسا مرحمت فرمایا جس نے آپ کے گم کردہ راہ اہل وطن کے جھوٹے معبودوں کا طلسم توڑ دیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم دعوت اصنام پرستی کے ساتھ نجوم وکواکب کی الوہیت پر بھی یقین رکھتی تھی۔ ملک کا پورا معاشرہ نجوم وفلکیات کے ماہرین اور کاہنوں کی گرفت میں تھا۔ انہوں نے آفتاب و ماہتاب اور دیگر اجرام سماوی کی قوت نفع وضرر اور کارخانہ ہستی میں اُن کی تسخیری توانائی کا باطل عقیدہ اس طرح راسخ کردیا تھا کہ نظام حیات وکائنات میں اُن کی اثر آفرینی کے یقین نے مادہ پرست قوم کے دِل ودماغ کو مخلوقیت کے دائرے سے خارج کر کے خالقیت کے درجہ پر فائز کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قوم کے جذبہ عبودیت نے ستارہ زہرہ کی تشبیہ اشتراء کے نام سے بنالی تھی جسے وہ حُسن وَمحبت کی دِیوی کہتے تھے۔ چاند کی تمثیل تار کے نام سے تیار کی تھی اور سورج کا بت شموش کے نام سے تراش لیا تھا۔ ان تین اہم بتوں کے علاوہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہر ہر کام کے لئے الگ الگ اَن گنت مجسمے تھے جن کے سامنے عقیدت کی نذریں گزارتے اور اُن کے روبرو سَر اطاعت ونیاز خم کرتے۔

ایسے پُر آشوب دَور میں شعور نبوت' قوم کے اعتقادی وعملی بے راہ روی اور بدترین گمراہی کو مشاہدات کی روشنی میں رَدّ کرتا ہے اور انسانی عقل وفراست پر اوہام کے پڑے ہوے کثیف پَردوں کو اُٹھا کر جستجوئے حق کی راہ آسان کرتا ہے۔ وَہم پَرست کور دماغ' قوم کے سامنے اِس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ اجرام سماوی خالق ومعبود نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ یہ دُنیا کو روشنی وحرارت

اور زینت دیتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر کے قائم کردہ نظام کے تابع ہیں۔ اسی کے مقررہ خطوط پر شب و روز گردش کرتے ہیں۔

جب پہلی دفعہ چمکتا ستارہ نظر آیا تو آپ نے اپنے دِل سے پوچھا کیا یہ میرا خالق ہے؟ (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو آپ اپنے فہم خدا داد سے اس حقیقت کو فوراً پا گئے کہ جو ڈوب جایا کرتا ہے وہ خداوند برحق نہیں ہوا کرتا۔ پھر چودھویں کا چاند نظر آیا جس کی ضوفشانیوں سے سارا عالم منور ہو رہا تھا' تو آپ نے اپنے آپ سے استفسار کیا؟ کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس راز کو پانے میں انہیں ذرا دیر نہ لگی کہ جو غروب ہو جائے' جسے خود قرار نصیب نہ ہو' وہ کائنات کا خالق و مالک نہیں ہو سکتا' پھر آفتاب عالم تاب کی روشن کرنوں نے آپ کے دامن توجہ کو اپنی طرف کھینچا تو اس کے بارے میں اپنے دِل سے سوال کیا کہ یہ تو پہلے دونوں سے بڑا بھی ہے اور روشن تر بھی' کیا یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب چند گھنٹے اپنی ضیاء پاشیوں کی بہار دِکھانے کے بعد وہ بھی افق کے اندھیروں میں گم ہو گیا تو آپ نے پورے یقین سے اُس کی خدائی کا انکار کر دیا۔

کوئی نبی کبھی بھی ایک منٹ کے لئے غلط اور بے راہ نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بچپن بلکہ عالمِ ارواح سے ہی انبیاء کرام کو ہدایت عطا فرماتا ہے لہذا کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ کہنا کہ معاذ اللہ وہ پہلے غلط تھے بعد میں اُن کو ہدایت ملی' کفر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چاند و سورج کو هذا ربی کہنا سوالِ استہزائی تھا نہ کہ عقیدہ۔

توحید' رسالت اور آخرت جیسی بنیادی تعلیمات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقصد بعثت کے بنیادی مشمولات تھے۔ قرآن حکیم نے نہ صرف ان کی تفصیل بیان کی بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی مراحل کے دوران تلاشِ حق کے لئے غور و فکر کو بھی بیان کیا کہ آپ کس طرح ترک آفل سے معبود حقیقی تک پہنچے۔ آپ کی

تلاشِ حق کی یہ ساری جدوجہد اہل بصیرت کے لئے اپنے اندر رہنمائی کا ان گنت سامان رکھتی ہے۔ (مذکورہ مشاہدات کے بعد کہا)

﴿قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ﴾ (انعام/۷۸)

اے قوم بیشک میں بیزار ہوں ان سے جنکو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (تفسیر اشرفی)

اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے' کبھی طلوع ہوتے ہیں' کبھی غروب ہوتے ہیں' جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں' یہ نفع ونقصان پر کس طرح قادر ہوسکتے ہیں؟ اور اعلان کردیا :

﴿اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا﴾ (الانعام/۷۹)

بے شک میں متوجہ کر چکا خالصاً لوجہ اللہ (یکسو ہوکر اپنے رُخ کو) قلبی جھکاؤ کے ساتھ اس کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو۔ حال یہ ہے کہ میں سب باطل دِینوں کی طرف سے مائل ہوں' دِینِ توحید کی طرف۔ (تفسیر اشرفی)

رُخ یا چہرے کا ذِکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے' مُراد اس سے شخص ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود' اللہ عزوجل ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔

(☆) سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر باطل دِین سے الگ اور خالص مسلمان تھے' شرک سے بیزار اور مشرکین سے اپنا منہ موڑ چکے تھے۔ اب اگر آپ اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دُعا فرما رہے ہوں تو یقیناً ہمیں ماننا واجب ہوجائے گا کہ وہ مسلمان ہوں گے۔ یہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آزر آپ کا چچا تھا اور تارخ ہی آپ کے والد تھے۔ ﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ﴾ (ابراہیم/۴۱) اے ہمارے رب ! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا آزر کی موت کے بہت بعد ہے لہذا یہ دُعا آزر کے لئے نہیں بلکہ تارخ کے لئے ہے۔ اس دُعا کی تردید کا ذِکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ دُعا رَد نہیں ہوئی بلکہ قبول ہوئی' اُن کی بخشش ہوگئی)

میرا خدا تو وہ ہے جو ان تمام انوار کے سرچشموں کو پیدا کرنے والا اوران کو ردائے نور پہنانے والا ہے۔

قوم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ ابرام فلکی یعنی چمکنے والے ستارے نہ تو معبود بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اللہ عزوجل کے ساتھ شریک بننے کی' بلکہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات' جب کہ یہ مخلوق' محتاجِ پرورش' مصنوع' مدبر اور مسخر ہیں' کبھی چمکنا شروع کر دیتے ہیں اور کبھی نگاہوں سے اُوجھل ہوجاتے ہیں بلکہ اس جہاں سے پنہاں ہوجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی چیز بھی پنہاں ومخفی نہیں ہوتی' جہاں والوں کی نظروں سے مخفی چیز بھی ذاتِ الٰہی سے پوشیدہ ومستور نہیں ہوتی بلکہ وہ ذات دائم' باقی اورلازوال ہے' نہ تو اُس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی اُس کے سوا کوئی پالنہار

ابوالانبیاء جدّ المصطفی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام' انبیاء کرام علیہم السلام میں نہایت جلالت شان کے حامل پیغمبر ہیں آپ کو نہ صرف جدّ الانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ آپ کے اکثر شعائر اور عبادات کو رب ذوالجلال نے اُمت محمدی کے لئے بھی لازمی قرار دیا۔آپ کے مقصد بعثت کی جامعیت و ہمہ گیریت کا حامل ہونے کی طرح آپ کی شخصیت بھی جامع اوصاف سے متصف ہے کہ آپ نے نہ صرف عقائد' عبادات اور احوال حیات کے باب میں اصلاح کی مساعی فرمائی بلکہ اپنے دور کی اقوام وملل کے دُنیاوی احوال کی درستگی اور اُن کی دُنیوی واُخروی فلاح بھی آپ کا مطمع نظر رہا۔ جب آپ کو قوم لوط پر عذاب کے نزول کا علم ہوا تو آپ عذاب کے لئے آنے والے فرشتوں سے گفتگو کرنے لگے کہ کسی طرح قوم لوط سے عذاب ٹل

جائے اورانہیں اصلاح احوال کا ایک اورموقع مل جائے۔ آپ کے اس وصف کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے۔

﴿**اِنَّ اِبۡـرَاهِيۡـمَ لَـحَـلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡـبٌ**﴾ (ہود/۷۵) بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے متحمل مزاج آہ وزاری کرنے والے، بہت گڑگڑا کر دُعا کرنے والے، ہرحال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (**بیشک ابراہیم بڑے پُروقار، رقیق القلب (نرم دل) اور (ہروقت خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔**

حلیم کہتے ہیں بُردبارکو جو بَدی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔

اواہ کہتے ہیں جو دوسرے لوگوں کی غمخواری میں آہ بلب رہے۔

منیب کہتے ہیں جو ہروقت دِل وجان سے اپنے رب کی طرف راغب رہے۔
(تفسیر مظہری)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس طرح تھے کہ انہوں نے جب کوئی بات کی تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کی۔ جب کوئی عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کیا اور جب نیّت کی تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کی۔ (شعب الایمان)

ابوالانبیاء جدّ المصطفی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے گھر کی چہار دِیواری سے نکل کر پوری قوم کو ضلالت وگمراہی سے نکال کر دینِ حنیف کے صالح افکار وَعقائد کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی ہے۔

﴿**وَاِبۡـرَاهِيۡـمَ اِذۡ قَـالَ لِـقَـوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَـعۡـلَـمُـوۡنَ ۚ اِنَّـمَـا تَـعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَـخۡـلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَـعۡبُـدُوۡنَ مِـنۡ دُوۡنِ الـلّٰـهِ لَايَـمۡـلِـكُـوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ**﴾ (العنکبوت/۱۶۔۱۷)

اورابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو، اِس میں تمہارا بھلا ہے اگر تم حقیقت جانتے ہو، تم اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گڑھتے ہو۔ بیشک وہ جنھیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں، تو اللہ تعالیٰ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اُس کی بندگی کرو اور اُس کا احسان مانو، تمہیں اُس کی طرف پھرنا ہے۔

یہاں بُت پرست قوموں کی ایک مخصوص ذہنیت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے پتھروں اور مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے ان بتوں کو جو خدا بنا رکھا تھا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ بت انھیں راہِ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے تھے، انھیں بُرائیوں سے روکتے تھے یا اُن کے معاشرہ کو فسق وَفجور سے پاک کرنے کے اصول بتاتے تھے یا اُن کی رُوحانی قوتیں ان کی توجہ سے نشوونما پاتی تھی۔ ان میں سے کوئی چیز بھی انھیں ان بتوں سے حاصل نہیں ہوتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ان چیزوں کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت بھی نہ تھی اور نہ ان کی طلب کا ولولہ ان کے دِلوں میں کبھی پیدا ہوا تھا۔ ان کے سامنے دولت کا حصول ہی مقصدِ حیات بن کر رہ گیا تھا۔ وہ بتوں کے سامنے اس لئے آ کر ماتھا ٹیکتے، اُن کی پوجا کرتے، اُن کے بھجن گاتے کہ ان کا کاروبار ترقی کرے۔ ان کی دولت میں اضافہ ہو۔ اس لئے ان کی ذہنی سطح کے مطابق انھیں سمجھایا جا رہا ہے کہ جس رزق کے لئے تم ان کے چرنوں میں آ کر سروں کو جھکاتے ہو ان کے پاس تو اس کا ایک دانہ تک نہیں۔ یہ بیچارے اندھے، بہرے، بے جان مجسمے تمھیں کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اگر صرف دولت کی ہی طلب ہے تو خداوند ذوالجلال کی بارگاہِ عظمت میں حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ جس کے پاس رزق کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور جو بڑا سخی اور کریم ہے۔ جس کی شانِ کریمی یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ کوئی خالی ہاتھ اس کے سامنے اُٹھائے اور وہ انہیں یونہی خالی واپس کر دے۔ جو کچھ

تمہارے پاس فی الحال موجود ہے وہ بھی ربِّ کریم کی عطا ہے اور مزید کچھ لینا ہے تو اسی سے مانگو وہی دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور مقام عبدیت کی رفعتوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اسی میں انسانی عظمت کا راز مضمر ہے یہی کمال انسانیت ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اسے حاصل ہو جائے۔

اے خود فراموشو ! کہاں مارے مارے پھر رہے ہو؟ اُس نے بن مانگے جن گراں بہا نعمتوں، زندگی، صحت وغیرہ سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے اُس کا شکریہ ادا کرو۔ وہ ان نعمتوں سے بھی اعلیٰ نعمتوں کے خزانے تمہارے لئے کھول دے گا۔

اگر عمر بھر اپنے معبود برحق سے منہ موڑے رہے اور دُنیا کی فانی لذتوں کے حصول میں ہی مگن رہے تو یاد رکھو تمہیں ایک دن اُس کے حضور میں پیش کیا جائے گا اس دن تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے وہی سچ تھا۔

زمانہ جاہلیت کے مشرکین اپنے بتوں کو الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے۔ اگر آج بھی کوئی کسی کو الٰہ اور معبود سمجھے خواہ وہ بُت ہو، درخت ہو، دریا ہو، انسان ہو یا اجرام سماوی میں سے کوئی چیز وہ مشرک ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج۔ آج ہر اس مسلمان کو جس کے دِل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ کی محبت ہو اور اولیاء کرام سے عقیدت ہو، اُس کو مشرک کہنا ایک فیشن بن کر رہ گیا ہے قرآنی آیات میں غور کرنے سے ہمیں کفار کے عقائد پر پوری طرح واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ قیامت کے منکر تھے وہ اپنے بتوں کو الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے وہ نبی کریم ﷺ کی جناب پاک میں گستاخی کرتے تھے اور حضور ﷺ کو شاعر اور مجنوں کہتے تھے۔ جو لوگ خواہ مخواہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں اور اُن کے متعلق یہ تہمت لگاتے ہیں کہ اُن کے بھی وہی عقائد ہیں جو مشرکین مکہ اور کفار عرب

کے تھے وہ قرآنی آیات میں بار بار غور کریں۔ خدا کرے انھیں اپنی اس زیادتی کا احساس ہو جائے اور مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لئے جو وقت' سرمایہ اور علمی قابلیت ضائع کر رہے ہیں اُسے وہ مشرکوں' ملحدوں اور دَہریوں کو مشرف با اسلام کرنے میں خرچ کریں۔

نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) کے یہاں توحید کے معنی ہیں انبیاء کی توہین۔ جیسے کہ روافض کے یہاں حُبّ علی کے معنی ہیں بغض صحابہ کرام۔ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے۔ اُس نے سیدنا آدم علیہ السلام کی عظمت سے انکار کیا' اکڑ گیا اور اُکھڑ گیا۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا' اُس کے محبوبوں کی عزت وعظمت کرنا۔ جس کی تعلیم ہے **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پہلے جزء میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے دوسرے میں عظمتِ مصطفیٰ کا اظہار۔

نام نہاد اہلحدیث کی ذہنی وفکری خباثت اور بدعقیدگی اتنی پست ہے کہ وہ سمجھے بے سمجھے وہ تمام آیات قرآنی جو مشرکینِ مکہ اور کفارِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں' مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور بتوں سے متعلق آیات کو انبیاء واولیاء کے حق میں عائد کر دیتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان یاد رہے کہ ہمیں یہ خوف نہیں کہ تم ہمارے بعد شرک میں مبتلا ہو گے۔ (بخاری شریف)

اِنَّ اللّٰہ لایجمع اُمتی علی ضلالہ وید اللّٰہ الجماعہ ومن شذّ شذ فی النار
(ترمذی' مشکوٰۃ) 'اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا۔ اکثریت پر اللہ کا دست کرم ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا'

اِنَّ اُمتی لاتجتمع علی الضلالۃ (ابن ماجہ' ترمذی)
میری اُمت ضلالت پر اتفاق نہیں کر سکتی ہے۔ (ابن ماجہ' ترمذی)
لنْ یجمع اُمتی علی الضلالۃ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

قرآن کا مشرکین کو چیلنج

قرآن حکیم نے مشرکین کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ (لقمان/١١)

یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی بھی کوئی تخلیق ہو تو مجھے دِکھاؤ۔

قرآن کا یہ چیلنج اتنا قاہر اور مُسکت ہے کہ اس کے آگے سارے جھوٹے خداؤں کی قلعی کھُل جاتی ہے۔ دُنیا میں جھوٹی خدائی کے ایک سے ایک دعویدار پیدا ہوئے لیکن یہ دعویٰ کرنے کی ہمت کسی میں نہ ہوئی کہ زمین ہم نے بنائی' آسمان ہم نے پیدا کیا' چاند اور سورج کے خالق ہم ہیں۔ یہ سارا کارخانہ ہستی ہم چلا رہے ہیں۔ خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں سے یہ جھوٹ اس لئے نہیں بولا گیا کہ یہاں کچھ کر کے دکھانے کا سوال تھا۔

نمرود کے سامنے ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی یہی بات رکھی تھی کہ میرا خدا پورب (مشرق) سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو اگر اپنی خدائی کے دعویٰ میں سچا ہے تو اُسے مغرب (پچھّم) سے نکال دے۔ قرآن فرماتا ہے کہ ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ یہ بات سُن کر کافر کے ہوش اُڑ گئے اور وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس دلیل کا کوئی جواب اس لئے اُس سے نہیں بن پڑ سکا کہ منہ سے خدائی کا دعویٰ کر دینا تو آسان ہے لیکن خدائی کا کام انجام دینا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ (نمل/٦٠) (عبادت کے لائق یہ بت ہیں) یا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

پیدا کیا۔ اور اس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اُتارا۔ پھر اس سے ہم نے خوشنما باغ اُگائے۔ تمہاری بساط نہ تھی کہ تم باغ کے پیڑ اُگاتے۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی خدا ہے؟ (ہرگز نہیں)

یہاں سے بُت پرستوں اور مشرکوں سے پوچھا جارہا ہے کہ جن خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو' آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہے۔ ہر قسم کے انعامات واحسانات کا سرچشمہ فقط اسی کی ذات والا صفات ہے تو پھر کسی اور کو خدا کیوں بنایا جائے۔ چنانچہ کائنات کی مختلف چیزوں کو مشرکین کے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کیا جارہا ہے اور اُن سے پوچھا جارہا ہے کہ کیا ان کی تخلیق' ان کی تزئین اور ان کی نشوونما میں کسی اور کا بھی کوئی حصہ ہے تاکہ اُسے خدا بنایا جائے اور اُسے پوجا جائے۔ پہلا سوال اُن سے یہ کیا گیا کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا فرمائے۔ پھر یہ بتاؤ آسمان سے پانی کون برساتا ہے؟ تمہارے دائیں بائیں یہ خوش منظر باغات جولہلہا رہے ہیں' کس نے اُگائے ہیں؟ تم میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ تم ازخود ایک پودا بھی اُگا سکو۔

اے بتوں کو پوجنے والو۔ بتاؤ کیا آسمان' زمین کی تخلیق یا ان باغات کی آفرینش میں کوئی اور خدا بھی شریک ہے۔ اگر تم بھی مانتے ہو کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کیوں نہیں کرتے؟

یہ کافر بھی عجیب وغریب مخلوق ہیں۔ اتنے واضح دلائل کے باوجود اللہ تعالیٰ سے رُوگرداں ہیں یا ان بتوں کو اُس کا ہمسر سمجھتے ہیں۔ (روح المعانی)

﴿اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ (نمل/٦١)

(عبادت کے لائق یہ بُت ہیں) یا وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رہائش کے

قابل بنایا۔ اوراس کے درمیان نہریں نکالیں۔ اور (اس کا توازن برقرار رکھنے کے لئے) اس میں (پہاڑوں کے) لنگر کھڑے کئے۔ اور دوسمندروں کے درمیان (نظر نہ آنے والی) ایک دِیوار حائل کی (کہ ایک کا رنگ دوسرے کے ساتھ نہ مل سکے) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ (ہرگز نہیں)

قرار کا معنٰی ہے مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہ جہاں تم آباد ہو اور اپنی زندگی خوشی وآرام سے بسر کررہے ہو۔ قرار کے ایک لفظ میں آپ جتنا غور کریں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کی شان ربوبیت کے ان گنت کرشمے آپ کو یہاں سمٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کی بقا اورنشو ونما کے لئے زمین میں کن خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے' کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو اگر موجود نہ ہوں تو انسانی زندگی ان رعنائیوں اورمسرتوں سے یکسر خالی ہوٗ جس سے اب اس کا دامن معمور ہے کون کون سی ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا سراغ نہ لگایا جا سکے تو ایجاد واختراع کی بے پناہ قوتیں جو اس کی فطرت میں مضمر ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیکار پڑی رہیں۔ ان تمام وسائل اوراسباب کی بہم رسانی کے بعد ہی انسانی زندگی کو بقا اورنشو ونما نصیب ہوسکتی ہے۔ غرضکہ قرار کے لفظ میں آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے معارف ومعانی کا ایک لا متناہی سلسلہ آپ کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔

اس کو تمہاری قرارگاہ بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہرطرف پانی کی بہم رسانی کے لئے ندیاں رواں کردی ہیں' کچھ ظاہری سطح پر دریاؤں' چشموں کی شکل میں تمہیں نظر آتی ہیں اور کچھ زیرزمین ہیں جن سے تم کوئیں کھود کر ٹیوب ویل لگا کر اور دوسرے مختلف طریقوں سے پانی نکالتے ہو۔ ہموار میدان ہوں یا اونچے پہاڑ ہر جگہ ہم نے تمہارے لئے پانی کا ذخیرہ فراہم کردیا ہے۔ ذرا غور کرو جہاں پانی نایاب ہے یااس کی سطح کو ہم نے اتنا گہرا کردیا ہے جہاں تک اس مشینی دور میں بھی

تمہاری رسائی نہیں ہوئی وہاں تم کوئی بستی آباد کر کے کوئی باغ لگا کر یا کوئی فصل کاشت کر کے دکھاؤ تو کوئی بات بھی ہو۔

کرۂ زمین محیط ہوا میں معلق ہے۔ اگر ہم اس کو پہاڑوں کے لنگروں سے ایک حالت پر قرار نہ بخشتے تو یہاں آبادی کا امکان تک نہ ہوتا۔ ہر وقت اسی قسم کے خوفناک جھٹکے آتے رہتے، جن کا مشاہدہ تم گاہے گاہے زلزلہ کی شکل میں کرتے ہو، جن کی وجہ سے آن واحد میں تمہاری فلک بوس عمارتیں اور گنجان آبادیاں پیوند خاک ہوجاتی ہیں۔ دریاؤں کے رُخ بدل جاتے ہیں، زمین کے شکم سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں، ہم نے اپنی قدرت وحکمت سے پہاڑوں کے کیل گاڑ کر اس کا توازن ایسا برقرار رکھا ہے کہ وہ اپنی طبعی حرکت سے متحرک ہونے کے باوجود تمہارے لئے کسی اضطراب کا باعث نہیں بنتی۔

پھر میٹھے اور کھارے پانی کو باہم ملنے سے ہم نے روکا ہوا ہے اور بسا اوقات یہ رکاوٹیں اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ تم ان کا انکشاف بھی نہیں کر سکتے لیکن اتنی لطافت کے باوجود وہ اتنی پختہ اور مضبوط ہوتی ہیں کہ کیا مجال کہ دونوں پانی آپس میں خلط ملط ہوسکیں۔

اب بتاؤ یہ سب کچھ کس کی قدرت، حکمت اور علم کی جلوہ نمائی ہے۔ کیا کوئی اور خدا ہے جس کو تم شریک کار بتا سکو، جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کسی کو الٰہ اور معبود کیوں بناتے ہو؟ کیا اس سے بڑی حماقت کوئی اور بھی ہوسکتی ہے؟

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ (نمل/۶۲) (عبادت کے لائق یہ بت ہیں) یا وہ ہے جو بیقرار ولاچار کی فریاد سُنتا ہے اور اس کی تکلیف دُور کرتا ہے۔ اور تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ (ہرگز نہیں)

مضطر اس مصیبت زدہ کو کہتے ہیں جسے مصائب اور شدائد نے اتنا گھبرا دیا ہو کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جائے (قرطبی)

سہل بن عبداللہ سے اس کا ایک یہ مفہوم بھی مذکور ہے کہ وہ گنہگار جس کی ساری عمر گناہوں میں گزری اس کا نامہ اعمال نیکیوں اور طاعتوں سے یکسر خالی ہو اور جب وہ دُعا کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھائے تو اُسے کوئی نیکی نظر نہ آئے جس کے وسیلہ سے وہ دُعا کر سکے، اس کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت پر ہو۔ (قرطبی)

کفار سے اب ایک اور بات پوچھی جا رہی ہے جس کا تعلق کسی بیرونی چیز کے ساتھ نہیں، جس کو وہ ٹھیک طور پر سمجھ نہ سکتے ہوں بلکہ اس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے اور جس کو وہ خوب سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی ذی جاہ و ذی مال ہو، اس پر زندگی میں کوئی نہ کوئی افتاد ایسی پڑتی ہے جب اس کی ذاتی قابلیتیں، ذاتی وسائل اس کے دوست احباب سب بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس وقت اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھتی ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ اب اس کی چارہ سازی کے بغیر نجات ناممکن ہے کیونکہ اس قسم کے حالات سے ہر شاہ و گدا، ہر امیر و فقیر، ہر عالم و جاہل کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ اس وقت تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ تمہارے بت یہ معبودانِ باطل تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہے جو طوفانوں میں گھری ہوئی تمہاری کشتی کو سلامتی سے کنارے لگا دے۔ تو پھر تم کیوں نصیحت قبول نہیں کرتے اور کیوں اس کی توحید پر پختہ ایمان نہیں لاتے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے غلاموں کو حالت اضطرار میں جس طرح اپنے مولا کریم کے سامنے دُعا کرنے کا سبق دیا ہے وہ تحریر ہے تا کہ سب غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء اس سے استفادہ کر سکیں۔

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَانِيْ كُلَّه لَآاِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (قرطبی) اے اللہ ! مَیں صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔ میرے کام دُرست فرما دے۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔

﴿**اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِه ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ**﴾ (نمل/۶۳) (عبادت کے قابل یہ بت ہیں) یا وہ جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے۔ اور اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے (بارش) کی خوشخبری دیتی ہوئی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (ہرگز نہیں)

ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جب رات کی تاریکیوں میں تم سفر کر رہے ہوتے ہو اس وقت منزلِ مقصود کا پتہ تمہیں کون دیتا ہے۔ اسی کے روشن کئے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر تم اپنا راستہ دریافت کرتے ہو‘ اگر دن کے وقت جب کہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلتی ہوئی ہوتی ہے یا رات کے وقت جب ستارے چمک رہے ہوتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ تمہیں بھٹکا دے تو کوئی اور خدا ہے جو اس وقت تمہاری دستگیری کے لئے آگے بڑھے اور تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دے۔ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ایک اور مہربانی پر غور کرو‘ جب بارش ہوتی ہے تو اچانک ہی شروع نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے شروع ہوتے ہیں جس سے نہ صرف تمہاری بُجھی ہوئی طبیعت اور افسردہ مزاج شگفتہ ہو جاتا ہے بلکہ بارش سے پہلے جو احتیاطی تدابیر تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے لئے تمہیں کافی موقع مل جاتا ہے تو تم ایسے رحیم اور کریم کو چھوڑ کر کیوں دوسری چیزوں کو اپنا خدا بناتے ہو۔ کچھ تو سوچو‘ عقل سے کچھ تو کام لو۔

﴿اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ (نمل/٦٤) (عبادت کے قابل یہ بت ہیں) یا وہ ہے جو خلق کی ابتداء کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ بنائیگا۔ اور جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے (ہرگز نہیں)

اللہ تعالیٰ کو وہ خالق تو مانتے تھے لیکن اعادہ حیات (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے) اور وقوع قیامت کے وہ قائل نہ تھے انھیں سمجھایا جارہا ہے کہ جب وہ پیدا کرسکتا ہے جو بہت پیچیدہ اور مشکل کام ہے تو وہ اعادہ کیوں نہیں کرسکتا جو پہلے کام سے بدرجہا آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام افعال اور صفات کمال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں‘ تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ یہ روشن حقیقتیں جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں اگر تمہارے پاس ان کے خلاف یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو، تمہیں عام اجازت ہے۔ ﴿قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴾ (البقرۃ/١١١) اے مشرکو۔ پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔ (اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی اس خواہش پر سند لاؤ) ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ ﴾ (انعام/٤٦) تم فرماؤ کہ ذرا بتاؤ تو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں واپس لاکر دے؟ ذرا دیکھو کہ ہم کس کس رنگ سے (توحید) کے دلائل بیان کرتے ہیں‘ پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں (رُوگردانی کئے ہوئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے عقیدہ کی بے سروپائی کو ایک اور طریقہ سے واضح فرمارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ان بے وقوفوں سے دریافت فرمائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں اندھا اور بہرہ کر دے اور تمہارے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے اور سمجھنے اور سوچنے کی قوت سلب کر لے تو بھلا بتاؤ تمہارے یہ خدا جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو' اُن میں سے کسی میں ہمت ہے کہ وہ تمہیں یہ چیزیں عطا کر دے؟ اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر معبود حقیقی کو چھوڑ کر ان باطل اور عاجز چیزوں کی عبادت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کتنی واضح اور مضبوط دلیل ہے جس سے ہر ادنی اور اعلیٰ عامی اور عارف یکساں طور پر ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کا اسلوب استدلال اُکتا دینے والا نہیں بلکہ اس میں وہ رنگینی اور تنوع ہے کہ طبیعت ہر بار ایک نیا لطف محسوس کرتی ہے اور ایک نئی لذت سے سرشار ہوتی ہے۔ کبھی عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں' کبھی تاریخی شواہد مذکور ہوتے ہیں' کبھی اپنی رحمت کا مژدہ سُنایا جاتا ہے اور کبھی اپنی ناراضگی اور غضب کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔

﴿**قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ**﴾ (قصص/۷۱) تم فرماؤ! کہ ذرا بتاؤ تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ رات ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں دن کا اجالا لا کر دے؟ کیا (اس کے بعد بھی) تم گوش ہوش سے بات نہیں سنو گے؟

انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ غور کرو اور سوچو یہ گونا گوں نعمتیں جن سے تم بہرہ ور ہو رہے ہیں تمہیں کس نے عطا کی ہیں۔ کیا کوئی اور خدا ہے جو ان نعمتوں کے بہم پہنچانے میں حصہ دار ہو۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کیوں کسی کو اس کا شریک سمجھتے ہو۔

﴿**قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ**﴾ (قصص/۷۲)

تم فرماؤ کہ ذرا بتاؤ تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ دن ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمھیں رات لا کر دے کہ تم اس میں آرام کرو۔ کیا (اتنی موٹی بات) تمہیں نہیں سوجھتی۔

﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّاتَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾ (واقعہ/۶۳۔۶۵) بھلا بتاؤ تو! تم جو زمین میں دانے بوتے ہو تو کیا اس کی کھیتی تم تیار کرتے ہو یا ہم تیار کرنے والے ہیں۔ ہم اگر چاہئیں تو اسے چورا چورا کر دیں۔ پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

توحید باری اور وقوع قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمہیں تفصیلی علم ہے تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈالو' اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں کیا اس میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے؟ پھر ان کے لئے جتنی حرارت' ٹھنڈک' روشنی' ہوا' رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے ان کو مناسب مقدار میں اور بروقت کون مہیا کرتا ہے؟ کیا تمہارے بتوں' دیوی دیوتاؤں میں یہ قدرت ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں' تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو؟ نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے اس کو پھر ایک تن آور پودا بنا دیتی ہے۔ کیا اس کے لئے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرما دے؟

اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں' نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لئے چارہ کا کام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کے لئے کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اعلیٰ بیج مہنگے داموں خریدا تھا' کھاد فراہم کی تھی' آب پاشی کے لئے بڑے مصارف برداشت کئے تھے' تمہیں یہ توقع تھی

کہ بڑی آمدنی ہوگی' لیکن جوخرچہ کیا تھا وہ خرچہ بھی پلّے نہ پڑا۔ اس وقت تم حسرت ویاس سے کف افسوس ملنے لگو گے اور کہو گے ہائے افسوس' ہماری لاگت بھی ضائع ہوگئی۔ افسوس۔ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔ہم بگاڑنے والے وہ بنانے والا' اس سے پتہ لگا کہ رب کو حارث نہیں کہہ سکتے' زارع کہہ سکتے ہیں' جیسے اُسے طبیب نہیں کہہ سکتے' حکیم وشافی کہہ سکتے ہیں' کیونکہ حرث بمعنی محنت ہے۔ زرع بمعنی قدرت۔ رب تعالیٰ محنت سے پاک ہے ایسے ہی طبیب وہ جو طبابت کا پیشہ کرے۔ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

﴿اَفَـرَءَيْتُـمُ الـنَّـارَ الَّتِـىْ تُـوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُـمْ اَنْشَـأْتُمْ شَجَـرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴾ (واقعہ/۷۲) اچھا بتاؤتو! تم جوآگ روشن کرتے ہوتو کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا ہے یا ہم ہیں اس کے پیدا کرنے والے۔

انسانی تمدن کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں آگ کو جتنا دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے گرمی حاصل کی جاتی ہے' اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔اس سے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں' صنعت وحرفت میں اس سے کام لیا جاتا ہے' غرض کہ اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو زندگی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ اپنی اس گراں قدر نعمت کی طرف مبذول کرا رہا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَـذَالِكَ نُـرِىٓ اِبْـرَاهِيْـمَ مَـلَـكُـوْتَ السَّـمٰـوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَـكُـوْنَ مِـنَ الْـمُـؤْقِنِيْنَ﴾ (الانعام/۷۶) اوراسی طرح ہم ابراہیم کو دِکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اورزمین کی اوراس کے لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہوجائے۔

ملکوت کا معنی عظیم بادشاہی اور سلطنت قاہرہ یعنی آپ کو زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کرادیا گیا یہاں تک کہ چاند، سورج، پہاڑ، درخت، اور دریا تمام چیزوں کے حقائق کو آپ نے دیکھا اور تمام رُوئے زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا۔

'فانه علیه السلام فرجت له السموات السبع فنظر الیٰ ما فیهن حتی انتهی بصره الی العرش وفرجت له الارضون السبع فنظر الیٰ ما فیهن'

یعنی آپ (ابراہیم علیہ السلام) کو تمام نشانیاں اور تمام عجائبات دکھا دئے گئے، بے شک آپ پر سات آسمان منکشف کر دئے گئے تو آپ نے آسمانوں کی جمیع اشیاء کو دیکھا یہاں تک کہ آپ کی نظر عرشِ الٰہی تک پہنچی، اسی طرح آپ پر سات زمینیں منکشف کر دی گئیں تو آپ نے زمینوں کی ہر چیز کو دیکھا۔

عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدیر)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے' اللہ تعالیٰ نے اُن کا رزق اُن کی اُنگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی اُنگلی کو چوستے تو اُن کو رزق مل جاتا' جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو آسمانوں کی حکومت دِکھائی' اُن کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دِکھائی اور اُن کو زمین کی حکومت دکھائی تو اُن کو پہاڑ' سمندر' دریا' درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دِکھائی' اور اُن کے لئے تمام اُمور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔
(تفسیر تبیان القرآن' شارح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دِکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے

جس چیز کی ہدایت دی ہے اس کی حقیقت کو جان لیں، اورانہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اوراپنی قوم کی گمراہی اور جہالت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کوعلمِ غیب بخشا کہ آسمانوں زمینوں کے ملکوت آنکھوں سے دِکھا دیئے۔ ہمارے حضورﷺ کو ہر چیز دِکھائی بھی گئی اور آسمانوں زمینوں جنت دوزخ عرش وکرسی وغیرہ کی سیر بھی کرائی گئی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ پہنچی، وہاں حضورانورﷺ خود پہنچے یعنی آسمانوں میں بلکہ وہاں سے وراء جہاں حضور پہنچے وہاں نہ 'وہاں' تھا نہ 'کہاں'۔

حق تعالیٰ نے بلایا مصطفیٰ کوعرش پر خاص حق کی یہ عطا ہے احمدِ مختار پر (قیسؔ)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بصارت بھی بے مثال تھی اور بصیرت بھی بے مثال۔ آپ نے بصیرت سے کفروایمان، ہدایت وگمراہی دیکھ لی اور بصارت سے آسمانوں وزمین ملاحظہ فرمائے۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی رسول اللہﷺ نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین وآسمان کی بادشاہیوں کا مشاہدہ کرلیا تو آپ نے ایک شخص کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی جو کہیں دُور دَراز چھپ کر معصیت میں مبتلا تھا لیکن آپ نے اُس کا مشاہدہ کرلیا تو آپ نے اُس کے خلاف دُعا فرمائی۔ رب تعالیٰ نے اُسے ہلاک کردیا۔ پھر آپ کو منع فرمادیا کہ اے ابراہیم! آپ مستجاب الدعوات ہیں، میرے بندوں کی ہلاکت کی دُعا نہ کریں، کیوں کہ میرے بندے تین قسم کے ہیں یا تو گنہگار رہوں گے لیکن توبہ قبول کروں گا یا وہ خود تو گنہگار رہیں گے لیکن اُن کی اولاد میں ایسے نیک لوگ ہوں گے جو زمین کو تسبیحات سے بھر دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء تسبیح وتہلیل اتنی زیادہ کریں گے کہ اُن کے فیضان سے اورلوگ بھی اللہ کے ذِکر میں مشغول ہو جائیں گے یا وہ لوگ گناہوں کے حال

میں مر جائیں گے اور میرے قبضہ قدرت میں ہوں گے اس کے بعد میری مرضی کی بات ہے کہ میں اُن کو معاف کر دوں یا سزا دوں۔ (رُوح المعانی)

سبحان اللہ ! جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کے علم کا کیا عالم ہوگا جب کہ جمیع انبیائے کرام کا مجموعی علم نبی کریم ﷺ کے علم کے مقابل ایک قطرہ کی مثال ہے اور آپ کا علم سمندر کی مثال۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام صدیقاً نبیاً تھے :

﴿وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۙ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ (مریم/۴۱)

اور ذکر کیجئے آپ اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ بیشک وہ بڑے راست باز (سچّے) نبی تھے۔ قرآن مجید میں جہاں **وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ** ارشاد ہوا' وہاں معنیٰ ہوتا ہے چرچہ کرو' لوگوں کو بتاؤ۔

اے چشمۂ علم وحکمت کی زبان والے محبوب ! اپنی کتاب قرآن وحدیث میں ہمارے ملکوت وملک کے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کا ساری مخلوقِ انسانیت کے سامنے چرچہ فرمایئے اُن کی شان وکمال صفات وحالات' تعلیم وتربیت' شریعت ومِلّت کا سب کے سامنے تذکرہ کیجئے تاکہ یہود ونصاریٰ کی اُن عیاریوں مکّاریوں کا پردہ چاک ہوجائے جو انہوں نے توریت وانجیل کی آیتوں میں تغیّر وتبدّل کر کے ابراہیم علیہ السلام کی سچی توحید' پکی عقیدت اور مضبوط کردار' مربوط اعمال' بہترین خصائل' چمک دار فضائل پر کذب وافترا کے پردے ڈال رکھے ہیں خاص کر ان سردارانِ مکہ اور عرب دُنیا کے سامنے جن پر اخلاقاً' انساباً' نسلاً' قرابتاً' دیناً' مِلّتاً' فکراً ہر طرح ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اور پیروی فرماں برداری واجب ولازم ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہی ابوالعرب اور تمام عربوں کے جدِ اعلیٰ ہیں۔

یہاں سے روئے سخن کفارِ مکہ کی طرف ہے جنھیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ مِلّتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔انھیں بتایا جارہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو ان بتوں کے پرستار نہ تھے جن کی پوجا کو تم نے اپنا دین بنا رکھا ہے اور تمھیں اگر اس حماقت سے باز آنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم اُلٹا آمادۂ شر وفساد ہوجاتے ہو اور جب ابراہیم علیہ السلام کا دین اور' تمہارا دین اور۔ پھر تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی کہ تم مِلّتِ ابراہیمی کے پیروکار ہو۔ نیز تمہیں جب بتوں کی پرستش سے روکا جاتا ہے تو تم یہ کہتے ہو **انا وجدنا آباء نا علی ملة وانا علی آثارھم مقتدون** (کہ ہمارے آباء واجداد ایک مِلّت پر تھے اور ہم انھیں کے پیچھے چلنے والے ہیں)

اگر تمہیں اپنے آباء واجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر اپنے عظیم وجلیل باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی تقلید کرو جس کی اولاد میں سے ہونا تمہارے لئے وجہ صد افتخار ہے۔ایسے عظیم وجلیل باپ کی تقلید کو چھوڑ کر دوسرے آباء واجداد کی پیروی تمہارے لئے کیونکر دُرست ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر تم عقلِ سلیم پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھتے ہو تب بھی دینِ ابراہیم کو اختیار کرو اور اگر محض تقلید آباء پر تمہارے عقیدہ کا انحصار ہے تو پھر بھی دینِ ابراہیم کو اپناؤ۔کیونکہ شہرت' ناموری اور رفعتِ شان میں تمہارا کوئی دوسرا باپ اُن کا ہمسر نہیں۔

(☆) تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ مانتے ہو اور تم اپنے باپ دادا کے دِین کو برحق مانتے ہو تو تمہارے سامنے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ' تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی مِلّت اور اُن کا دِین پیش کر رہے ہیں سو' اس کو مانو اور قبول کرو۔

(☆) عرب کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے تھے ہم اُن کے طریقہ کو نہیں چھوڑ سکتے' اس کا رد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ

دادا بھی بت پرستی کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنے عرفی باپ دادا کے طریقہ کو نہیں اپنایا بلکہ توحید کو مانا' پس تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلو اور اگر باپ دادا کی اتباع کرنی ہے تو جو سب سے معظم اور مکرم باپ ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں اُن کی اتباع کرو۔

(☆) اکثر کفار اپنے باپ دادا کی تقلید کا دعویٰ کرتے تھے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تقلید نہیں تھا بلکہ دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اپنانا تھا' سو تم بھی دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اختیار کرو۔

ابراہیم علیہ السلام نے بُت پَرستوں کا رَد فرمایا :

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَاماً آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (انعام/۷۴)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ (یعنی چچا) آزر سے کہا' کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خطاب تو آزر (چچا) سے کیا مگر سُنایا ساری قوم کو۔ آزر بت ساز بھی تھا اور بت فروش بھی۔ بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ آزر تمام مشرکوں کا سردار تھا اُس کے دُرست ہو جانے سے دوسروں کے دُرست ہو جانے کی اُمید تھی۔ تبلیغ پہلے اپنے گھر سے شروع کی جائے پھر دوسروں کو۔ اس وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آزر (چچا) سے خطاب کیا۔ ہم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کا ایندھن بننے بنانے سے بچیں اور بچائیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

(التحریم/۶) اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے

جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جن پر تندخو طاقتور فرشتے (مقرر) ہیں وہ اللہ کا کوئی حکم نہیں ٹالتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہو۔

معلوم ہوا کہ تعلیم' ہدایت' تربیت وتبلیغ کا سلسلہ مومن کو پہلے خود اپنے اور اپنے گھر والوں سے شروع کرنا چاہئیے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ دوسرے گھروں اور شہروں میں رَوشنی کے لئے ہم نکل رہے ہیں اور خود ہمارے گھر میں اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ قرآن عظیم نے کھل کر خود کی اور گھر والوں کی ہدایت وتربیت کی بات کی ہے۔ پہلے اپنے گھر کو دُرست کیا جائے اور جہنم کی آگ سے بچایا جائے تو یہ سب سے بڑی دین وَمِلّت کی خدمت ہوگی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُن بُرائیوں کی برملا تردید کی جو قوم میں سرایت کرگئی تھیں اور شاہی قانون بن چکی تھیں۔ ایسی بُرائیوں کی تردید کرنا انتہائی دانشمندی اور بڑی ہمت وجرأت کا کام ہے۔ آپ نے پہلے اپنے قرابت دار اور قوم کے سردار آزر کو تبلیغ کی۔ آپ کی یہ دِلیری اور دَانشمندی تاقیامت مبلغین کے لئے مثال ہے۔

دِینی تبلیغ میں کسی اپنے پَرائے' چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں۔ صاف بات کہہ دینی چاہئیے' دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کو صاف صاف کہہ دیا کہ تو اور تیری قوم گمراہ ہے۔ یہ ہی ہے اسلامی اخلاق۔ دِین میں پلپلا پن خطرناک ہے۔ دِین کا چھپانا' تقیہ کرنا' سُنّتِ انبیاء کے خلاف ہے دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جیسے جابر بادشاہ (ڈکٹیٹر) کے ملک میں رہتے ہوئے اپنے چچا کے پاس بستے ہوئے اپنا ایمان اور آزر کا کفر صاف صاف بیان فرمادیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید جیسے جابر حاکم کی پرواہ کئے بغیر حق کا اعلان فرمادیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کو تبلیغ فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے مگر والدہ کو تبلیغ نہ

فرمائی۔ والد تو فوت ہو چکے تھے لیکن والدہ موجود تھیں۔ اگر والدہ' کافرہ اور دینِ نمرود پر ہو کر بت پرست یا نمرود پرست ہوتیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اولاً اُن کو تبلیغ فرماتے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ **ابیہ** فرمایا گیا۔ اور جب والدہ مومنہ تھیں تو آپ کے والد یقیناً مومن تھے کیونکہ مومنہ سے کافر کا نکاح کسی شریعت میں جائز نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کفار بھی اپنی بیٹی کا نکاح غیر کافر سے نہیں کرتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا' اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا' تاکہ اس سے مشرکین عرب کے خلاف استدلال کیا جائے' کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے اُن کی فضیلت اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے اور سب اُن کی مِلّت کی طرف انتساب کے دعویٰ دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی مِلّت کی اتباع کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے' اس لئے اُن کی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔

تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحبِ عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بُت بنا کر اُن کی پرستش کرتے ہو۔ معبود تو وہ ہوسکتا ہے جس میں یہ سولہ صفاتِ قویہ ہوں (۱) خالقیت (۲) رزاقیت (۳) زندہ کرسکنا (۴) مردہ کرسکنا (۵) مقتدر ہونا (۶) معاقب یعنی نافرمان کو عذاب دے سکنا (۷) مثیب ہونا (۸) استغناء (۹) اغنا۔ یعنی غنی کر بھی سکے (۱۰) صمدیت (۱۱) مالکیت ازلیہ (۱۲) **عالمیت** ۔ تمام عالمین کے ذرّے ذرّے کو جاننا پہچاننا (۱۳) تمام اسباب کا مالک ہونا (۱۴) مہیا ہونا (۱۵) نیست سے ہست معدوم کو موجود کرسکنا (۱۶) غالب ہونا۔

اگر آزر، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے اور اس قدر اہانت آمیز کلام نہ فرماتے، لہذا ثابت ہوا کہ آزر آپ کا باپ نہیں، چچا تھا کیونکہ ماں باپ اگرچہ کافر ہوں مگر اُن سے گفتگو نرم اور تبلیغ نرمی سے کرنی چاہیئے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان تیمی نے ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْـرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ آزَرَ ﴾ پڑھا اور کہا، مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ کلمات سخت ہیں اور یہ شدید ترین کلمات ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کو کہے۔ (تفسیر ابن کثیر)
اس آیت کریمہ سے عرب کے مشرکین پر حجت قائم ہوگئی کیونکہ اُن میں سے کئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معظم جانتے تھے اور اُن کی فضیلت کے معترف تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور بت پرستی کو بہت بڑا عیب اور گمراہی سمجھتے تھے اگر تم اُن کی عظمت کو مانتے ہو تو بت پرستی چھوڑ دو۔

<u>بتوں کی عبادت کے بطلان کی وجوہ</u> :

﴿إِذْ قَـالَ لِأَبِيْهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنكَ شَيْئاً ° يَـآ أَبَـتِ إِنِّيْ قَدْ جَاءنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ أَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً ° يَـآ أَبَـتِ لَا تَـعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً ° يَآ أَبَتِ إِنِّيْ أَخَـافُ أَن يَـمَسَّكَ عَـذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً ° قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْـتَ عَـنْ اٰلِهَتِـىْ يٰـاِبْـرٰهِيْـمُ ° لـئـن لَّـمْ تَـنْتَـهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا﴾
(مریم/۴۲۔۴۶)

ابراہیم (علیہ السلام) نے جب اپنے عرفی باپ (چچا آزر) سے کہا: اے میرے باپ! کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سُنے نہ دیکھے اور کچھ تیرے کام نہ آئے۔ میرے باپ بے شک میرے پاس وہ حکم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ تو میری تابعداری کر، میں

تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ ! شیطان کا بندہ نہ بن' بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ ! میں ڈرتا ہوں (مجھے خطرہ ہے' مجھے علم ہے) کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو' تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ (ناعاقبت اندیش چچا آزر) نے کہا' کیا رُوگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا اور (اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے) دُور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔

ان تمام آیات میں (عرفی) باپ سے مراد آپ کا چچا 'آزر' ہی ہے۔

(☆) عبادت سب سے زیادہ تعظیم کو کہتے ہیں اور سب سے زیادہ تعظیم کا وہی مستحق ہوگا جس نے سب سے زیادہ انعام کئے ہوں اور سب سے زیادہ انعام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بتوں کا انسانوں پر کوئی انعام نہیں ہے تو بت کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں۔

(☆) جب بت سُنتے اور دیکھتے نہیں تو وہ عبادت گزار کو غیر عبادت گزار سے متمیز نہیں کر سکتے۔ پس اُن کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(☆) عبادت کا مغز دُعا کرنا ہے اور جب بت دُعا کو سُن ہی نہیں سکتے تو اُن کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جب وہ دیکھ نہیں سکتے تو اُن کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی منفعت نہیں ہے۔

(☆) سُننے والا' دیکھنے والا' نفع اور نقصان پہنچانے والا اس سے افضل ہے جو ان کاموں پر قادر نہ ہو۔ انسان میں سُننے' دیکھنے' نفع اور نقصان پہنچانے کی صفات ہیں اور بتوں میں یہ صفات نہیں ہیں لہذا انسان' بتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے' پھر افضل اور اعلیٰ کا گھٹیا اور ادنیٰ کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

(☆) جب بت خود اپنے آپ کو ٹوٹ پھوٹ اور نقصان سے نہیں بچا سکتے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو نقصان اور ضرر سے کیسے بچا سکیں گے !

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چچا (آزر) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جن بتوں کی تو پوجا کر رہا ہے وہ تیری عبادت کو نہیں دیکھ سکتے، تیری ثناء کو نہیں سن سکتے اور بھی کسی چیز کو دیکھنا اور کسی قسم کا کلام سُننا اُن کو حاصل نہیں تو وہ عبادت کے لائق کبھی نہیں ہو سکتے بلکہ اُن کی عبادت کرنا دَرحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور بتوں کی عبادت کرنا اُسی کے دھوکے اور فریب کا نتیجہ ہے۔ اس لئے تم شیطان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے وہ خود تو مَردود ہو چکا ہے دوسروں کو بھی بھٹکانے میں ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی میرے دامِ فریب میں پھنس کر ربّ تعالیٰ سے دُور ہو جائے اور اُس کے عذاب کا مستحق بن سکے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آزر کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور کس عمدگی سے بتوں کی عبادت کی قباحت واضح فرما رہے ہیں کہ غیرِ خدا کی عبادت خواہ وہ غیر، زندہ بھی ہو اور سُننے دیکھنے والا بھی ہو تب بھی جائز نہیں لیکن ایسی بے جان مورتیوں کی عبادت جو جامد محض ہیں، دیکھنے سُننے کی صفت سے بھی محروم ہیں۔ کسی قسم کے نفع ونقصان کی قدرت بھی نہیں رکھتیں، اُن کے سامنے انسان جو اشرف المخلوقات ہے جو سمیع وبصیر ہے وہ سجدہ ریز ہو کر پیشانی رگڑ رہا ہو، یہ کتنی نامعقول اور قبیح حرکت ہے۔

اگر چہ وہ شیطان کی نہیں بلکہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن ان بتوں کی پرستش انھوں نے شیطان کے اُکسانے اور وسوسہ ڈالنے سے شروع کی تھی اسی لئے گویا اُن کا اصلی معبود شیطان تھا۔ یہاں بتا دیا گیا کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی اور

کفر پر اڑے رہے تو اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم کو اپنی گرفت میں لے لے گا تو پھر کوئی چھڑانے والا نہ ملے گا۔

شرک کے باعث تم خدا کی دوستی اور اس کی اعانت سے محروم ہو جائیں گے۔ ایک شیطان سے تمہاری دوستی اور تعلق باقی رہ جائے گا۔ اس سے بے وفا دوست تو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اُس کی دُوستی سب سے زیادہ نا قابلِ اعتبار ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دوستی توڑ کر شیطان سے یارانہ گانٹھنا کسی عقلمند کو زیب نہیں دیتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے عرفی باپ (چچا آزر) کو توحید کی دعوت دی اور بتوں کی عبادت کے فساد اور بطلان پر دلائل قائم کئے اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ اُن کو سمجھایا، تو اُن کے عرفی باپ آزر نے اُن کی ہر بات کا جواب انتہائی سختی اور ناگواری کے ساتھ دیا اور اُن کے دلائل کے مقابلہ میں صرف اپنے آباء واجداد کی تقلید پر اعتماد کیا۔

آزر نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو رجم کر دوں گا۔ اس آیت میں رجم کے حسب ذیل معنیٰ بیان کئے گئے ہیں:

(۱) اس سے رجم باللسان مراد ہے، یعنی گالیاں دینا اور مذمت کرنا۔

(۲) اس سے مراد ہے ہاتھوں سے مارنا، یعنی میں لوگوں سے تمہاری شکایت کروں گا تو وہ تمہیں مار مار کر ادھموا کر دیں گے یا اس سے مراد ہے میں پتھر مار مار کر تمہیں سنگسار کر دوں گا۔

(۳) لغتِ قریش میں اس کا معنیٰ ہے میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔ ابومسلم نے کہا کسی شخص کو بھگانے اور دُور کرنے کے لئے بھی اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔

﴿ **وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا** ﴾ کا معنیٰ ہے تم مجھ سے بات کرنا چھوڑ دو۔ اور اس کا دوسرا معنیٰ ہے تم مجھے چھوڑ دو یعنی اس شہر اور اس ملک سے نکل جاؤ۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ہر لفظ محبت واحترام کی خوشبو سے مہک رہا ہے لیکن آزر کا جواب درشتی اور بے مہری کا آئینہ دار ہے۔ آزر نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو **یبنی** (اے میرے بیٹے) نہیں کہا بلکہ نام لیا۔ وہ بھی ابتدائے کلام میں نہیں بلکہ آخر میں۔ علاوہ ازیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدلل دعوت کے جواب میں کوئی معقول بات پیش نہیں کی جارہی ہے بلکہ دَھمکیاں دی جارہی ہیں اور آنکھوں سے دُور ہوجانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ آزر کی سخت گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اَندازِ ناصحانہ :

اللہ جل شانہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے خبر دی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو صنم پرستی سے روکا اور قوم کے سامنے بتوں کی تحقیر و توہین اور اُن کی تنقیص بیان کی، انہیں جھنجوڑتے ہوئے کہا:

﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ (الانبیاء/۵۲)

یہ کیا مورتیاں (تراشے ہوئے مجسمے) ہیں جن کی پوجا پاٹ (پرستش) پر تم جمے بیٹھے ہو؟ (یعنی ان کے سامنے جھکے پڑے اور سراپا عجز وانکسار بنے ہوئے ہو)۔

بتوں کی تحقیر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا۔ وہ صورت جو ہاتھوں سے بنائی جائے اُسے تمثال کہتے ہیں، بعض کے نزدیک وہ تماثیل مختلف ستاروں کی تھیں جن کی شکلیں انھوں نے اپنے خیال کے مطابق بنائی تھیں، بعض کے نزدیک یہ پہلے لوگوں کے مجسمے تھے جن کے متعلق اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ شانِ الوہیت کے مالک ہیں۔

قوم نے کہا: ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴾ (الانبیاء/۵۳)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا۔

اُن کے پاس باپ دادا کے اس عمل شنیع کے علاوہ کوئی اور دلیل نہ تھی۔اسی دلیل کی بنیاد پر ہی وہ شرک جیسا قبیح عمل کرتے تھے۔

اقوال وَشخصیات کی حقانیت' دلائل وَبراہین سے ہوتی ہے نہ کہ کثرتِ اقوال وافراد سے۔ قومِ نمرود کے پاس افراد کی کثرت تھی' باتیں بھی بہت تھیں مگر اپنے دِین مذہب مسلک عقیدہ پر کوئی دلیل نہ تھی اس لئے سوائے ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴾ کہ ہم نے اپنے باپ دادا کواُن کی پوجا کرتے پایا)۔ کے کچھ نہ کہہ سکے اور باوجود پوری قوم' پورے گروہ کے' ایک اکیلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے گونگے لاجواب ہوگئے اور دَر پردہ سمجھ گئے کہ ہم باطل ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانبیاء/۵۴)

بے شک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جرأت مندانہ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ ہمیشہ حق میں دِلیری اور زور ہوتا ہے' باطل میں بزدلی اور شور ہوتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے: ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۚ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۚ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت/۸۷)

جب (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے عرفی باپ (چچا آزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کیا پوجتے ہو۔(کس واہیات چیز کی عبادت کیا کرتے ہو)۔ کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور خدا چاہتے ہو(کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو)؟ تو تمہارا کیا گمان وَخیال ہے رب العالمین پر؟

تمہیں شرم نہیں آتی' تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ یہ سارا کاروبار جھوٹ اور باطل پر مبنی ہے۔ محض جھوٹ سے چند بت تراشے اور پھر خود بخود انہیں معبود بنالیا۔

نہ خدا کا یہ ارشاد۔ نہ خدا کے بندوں نے ایسا کہا' نہ عقلِ سلیم اس کو گوارا کرتی ہے۔ ان خود تراشیدہ اصنام کو تم نے خدا بنالیا ہے اور انہیں اُمورِ کائنات میں رب العالمین کا شریک خیال کرتے ہو۔تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنی بڑی بغاوت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ باز پُرس نہیں کرے گا۔ اس کے غضب سے ڈرو۔اس بغاوت سے باز آ جاؤ۔کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرلو۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم غیروں کو پوجتے ہو' جب تم رب العالمین سے ملاقات کرو گے تو خیال کرو کہ پھر وہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔

'جب تم اس کے سوا اور دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحقِ عبادت ہے۔قوم نے کہا کہ کل کو ہماری عید ہے جنگل میں میلہ لگے گا ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرک کے طور پر اُن کو کھائیں گے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں اور مجمع اور میلہ کی رونق دیکھیں' وہاں سے واپس ہو کر بتوں کی زینت اور سجاوٹ اور اُن کا بناؤ سنگھار دیکھیں۔ یہ تماشہ دیکھنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ آپ بت پرستی پر ہمیں ملامت نہ کریں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے منطقی انداز میں بات کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَاماً فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ﴾ (شعراء/۶۹-۸۱)

اور اُن پر ابراہیم (علیہ السلام) کی خبر پڑھو جب انہوں نے اپنے باپ (چچا آزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کیا پوجتے ہو؟ بولے' بتوں کو پوجتے ہیں۔ پھر اُن کی پوجا میں منہمک رہتے ہیں۔ پھر فرمایا' کیا وہ تمہاری سُنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا بُرا کرتے ہیں؟ بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دَادا کو ایسا ہی کرتے پایا۔ فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا؟ بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے اور وہی مجھے وفات دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا۔

بارگاہِ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بھلائی کو اُس کی طرف نسبت کی جائے اور بُرائی کو بندہ اپنی طرف نسبت کرے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں یہ ادب سکھایا ہے ﴿**وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ**﴾ جب میں بیمار ہوتا ہوں پس وہ شفا دیتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیا جارہا ہے کیوں کہ آپ قریش کے جدّ اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو اُن کی نسل ہونے پر بڑا ناز تھا اس لئے اُن کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرمائے جارہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جدّ اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ربِّ اکبر پر بھی ایمان لائیں جس طرح آپ کا دامن کفر وَ شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دُور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: '**لابیه**' سے مراد 'آزر' ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اُسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لئے باپ کہا گیا: **ای آزر سماه الله ابآ لکونه عمًا ومربیتاً له**"

آپ کے والد کا نام تارخ تھا نیز حضور نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لئے ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کے آباواجداد میں کوئی کافر گزرا ہو۔ (تفسیر مظہری)

قوم جن بتوں کو پوجتی تھی' اُن کے معبودان باطلہ ہونے پر آپ کا یہ کلام دلیل قطعی کی حیثیت رکھتا ہے۔آپ نے اُن سے بیزاری کا اظہار فرمایا' اُن کی تنقیص کی۔ اگران میں نقصان دینے یا اثر اندازی کی قوت ہوتی تو وہ ضرور سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اپنا داؤپیچ چلا لیتے۔

قوم نے جواباً کہا: ﴿اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ﴾ (الانبیاء/ ۵۵)
کیاتم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو۔

آپ کی ساری قوم عرصہ دراز سے انہی بتوں کو اپنا معبود' اپنا کارساز اور اپنا حاجت روا سمجھتی آئی تھی۔اس عقیدہ کی صداقت کے متعلق ان کے دِلوں میں ادنیٰ سا شک اور معمولی سا ترڈدبھی کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔جب انھوں نے آپ کی زبان سے یہ بات سُنی کہ تم کھلی گمراہی میں ہوتو وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے' ابراہیم ! یہ تم نے کیا بات کہی ہے؟ کیاتم اس کو حق سمجھ کر کہہ رہے ہو یا یوں ہی ہنسی مذاق سے تمہارے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا ہے یعنی یہ جو تم ہمیں ارشاد فرماتے ہو اور ہمارے بتوں کی تحقیر و تنقیص بیان کرتے ہو اور اُن کی پوجا کے سبب ہمارے آباواجداد کی طعن و تشنیع کرتے ہو' کیا یہ برحق ہے یا محض لہوولعب؟

دُنیا پرستوں اور گمراہوں کا شروع سے یہ طریقہ اور وطیرہ رہا ہے کہ اہل حق کی باتوں کو ہمیشہ مذاق سمجھتے رہے اوراسی بہانے سے انکارِحق کا راستہ بنانے کی ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہے کہ حق کو لعب ولہو (کھیل کود) اور حق والوں کو **لٰعِبِیۡن** (کھلاڑی) بناتے رہے۔

انبیاء کرام ساری مخلوقِ کائنات میں سب سے زیادہ بہادر اور دِلیر ہوتے ہیں اور دِلیری ہی شانِ تبلیغ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کی بُرائی میں مذاقاً نہیں کررہا ہوں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت بیان کررہا ہوں :

﴿قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ (الانبیاء/۵۵)

آپ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

میں جو بھی تمہیں فرمارہا ہوں یہ بالکل برحق ہے تمہارا معبود وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تمہارا بھی پالنہار ہے اور کائنات عالم کی ہر چیز کا بھی رب ہے۔ آسمان وزمین کو اُس نے بغیر کسی سابقہ مثال ونمونہ کے پیدا فرمایا ہے وہی وحدہ' لاشریک مستحق عبادت اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے کا کتنا پیارا انداز ہے۔ اُن مشرکین سے ہی اُن کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جارہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کرسکے کیونکہ اُن کے بت سُننے نفع پہنچانے سے قاصر تھے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے اس لئے ہم تو اُن کے طریقے سے ہٹنے کے لئے کسی وقت بھی تیار نہیں۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام محبت بھرے طریقے سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو' بے جا ضد اچھی نہیں' اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں' تم دُنیاوی معاملات میں جب عقل وفہم کو استعمال کرتے رہتے ہوتو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گم کردو ! یہ تو اچھی بات نہیں۔

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو' میں انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں' میری بندگی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں ربّ العالمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف، کتنا معنی خیز ہے؟ آیت میں مکرّر غور فرمائیے۔آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بُت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا: یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا اندازِ نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے۔اسی طرح اشارۃ کلام کرنا ظاہر کلام کرنے سے بدرجہا مؤثر ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا

عید کی بہار یا روزِ غم:

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کیا پوجتے ہو؟ (کس واہیات چیز کی عبادت کیا کرتے ہو)۔ کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور خدا چاہتے ہو (کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو)؟ تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر؟ یعنی جب تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا۔باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بے انتہا سمجھاتے کہ ان بے بس اور بے اختیار بتوں کو چھوڑ و اور اُس کی عبادت کرو جو معبود حقیقی ہے لیکن آپ کی باتیں اُن کی سمجھ سے بالاتر تھیں وہ انہیں سمجھ نہ سکتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ آپ نے اُن کے بتوں کی بے بسی کو آشکارا کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے اُن سب کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں ایک ایسا انداز اپنایا جس سے اپنے مقصد یعنی توہین معبودانِ باطلہ اور تائید دین الٰہیہ پر پہنچ سکیں اور وہ معبودانِ باطلہ جن کی پرستش پر قوم کمر بستہ تھی انہیں اس طرح کیفرِ کردار تک پہنچا دیں جس طرح کے وہ مستحق ہیں اُن کو توڑ پھوڑ دیا جائے اور انتہا درجے کی تذلیل وتوہین کی جائے۔

بتوں کو توڑنے کا منصوبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے تیار کیا کہ مشرکین پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ شیطانی وسوسوں اور نفسانی واہموں کے نتیجہ میں تراشے گئے مجسمے جن کی پرستش صدیوں سے ہوتی چلی آ رہی ہے ان میں اپنے پرستاروں کو نفع ومضرت رسانی کی قدرت تو درکنار، خود اپنے وجود کی حفاظت کی صلاحیت بھی موجود نہیں۔ یہ پتھر اور دھات کے بے جان بت نہ تو اپنی ذات کو بچا سکتے ہیں نہ اپنے دُشمن کو اس کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں۔ وہ اسی طرح نرے پتھر اور بے جان لکڑی ہیں جس طرح شجر وحجر کے یہ دیوی دیوتا عہد ظلمت کی یادگار اور شیطان کے فریب خوردہ مذہبی رہنماؤں کے باطل تخیلات کی ناکارہ پیداوار ہیں۔

اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔ جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہولعب میں مشغول رہتے تھے واپسی کے وقت بت خانے میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بتوں کی مذمت بیان کی تو انہوں نے کہا، کل ہماری عید ہے۔ جنگل میں میلہ لگے گا۔ ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرک کے طور پر کھائیں گے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، دیکھیں کہ ہمارے دِین اور طریقے میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف اُٹھاتے ہیں۔ جب وہ میلے کا دِن آیا تو آپ کو چلنے کے لئے کہا گیا تو آپ کے جواب کو قرآن مجید میں بایں الفاظ فرمایا گیا:

﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ۙ فَقَالَ إِنِّىْ سَقِيْمٌ﴾ (الصّٰفّٰت/۸۸۔۸۹)
اُس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔

آپ نے ستاروں کو ایسے دیکھا جیسے ستاروں کا حساب لگانے والے دیکھتے ہیں۔ قوم چونکہ ستاروں کے حساب کی بہت معتقد تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ نے ستاروں سے حساب لگا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ بیمار ہونے والے ہیں۔ اس طرح قوم آپ کو چھوڑ کر میلہ پر چلی گئی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واضح طور پر فرما دیا تھا :

﴿وَتَاللَّهِ لَاكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِيْنَ﴾ (انبیاء/۵۷)
اور مجھے اللہ کی قسم ہے ! میں تمہارے بتوں کا بُرا چاہوں گا (بندوبست کروں گا' خفیہ تدبیر کروں گا) اس کے بعد جب تم پیٹھ پھیرے جاؤ گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دَبی زبان سے فرمایا: ابھی میں تمہارے ان خداؤں کی مرمّت (خفیہ تدبیر) کرتا ہوں تا کہ ان کی حقیقت تم پر آشکار ہو جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوم کے بعض لوگوں نے یہ کلام سُن لیا تھا۔

جب قوم میلہ پر چلی گئی تو آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ اب اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا سنہرا وقت آ گیا ہے۔

بڑے صنم کدہ کو بڑی شان وشوکت سے سجایا گیا تھا۔ چھوٹے بڑے بتوں کے سامنے لذیذ اور تازہ مٹھائیوں کے تھال بھر کر رکھ دیئے گئے تھے ساری قوم دادعیش دینے کے لئے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جمع ہوگئی بت کدہ اپنے پجاریوں اور پروہتوں سے خالی ہو گیا تو حید الٰہی کا سب سے بڑا علمبردار' ہر قسم کے خوف

وہ اس سے اپنے دل کو پاک کر کے اپنے خالق کی تائید و نصرت پر بھروسہ کئے ہوئے بتوں کی خدائی کا جنازہ نکالنے اور ان پر ضرب کاری لگانے کے لئے بت کدہ میں داخل ہوا' ایک وزنی اور تیز کلہاڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قوم اُن کے پاس طرح طرح کے کھانے رکھ گئی ہے کہ واپس آ کر کھائیں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے۔ ان جھوٹے خداؤں پر آپ حقارت بھری نظر ڈالتے ہیں۔ آپ نے بتوں کے قریب جا کر کہا ﴿ اَلَا تَأۡكُلُوۡنَ ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۳) تم کھاتے کیوں نہیں؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد پر جب بتوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر آپ نے کہا: ﴿مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ﴾ تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں ہو؟

وہ بے جان پتھر کی مورتیاں تھیں' اُن کی طرف سے کیا جواب آنا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بُت کھانے کے قابل نہیں' بولنے کی ان میں طاقت نہیں' اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے بے جان بُت ہیں تو آپ نے اُن کو مارنا شروع کر دیا۔ کسی کا کان' کسی کی ناک' کسی کا بازو' کسی کی ٹانگ کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ ﴿فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًا بِالۡيَمِيۡنِ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۳) پھر اُن پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔

لوگوں کی نظریں بچا کر انہیں داہنے سے مارنے لگے' کیونکہ دایاں ہاتھ زیادہ طاقت والا' سختی سے پکڑنے والا' زیادہ تیز اور زیادہ قہر والا ہوتا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں جو کلہاڑا تھا اس کے ساتھ بتوں کو توڑ دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف نمرود کے سامنے دعوتِ حق رکھی بلکہ اس دور کے شرک' بُت پرستی اور احکامات الٰہی سے بغاوت پر مبنی نظام زندگی سے بھی ٹکر لی آپ نے اپنی قوم کو بتوں کی پرستش چھوڑنے اور ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کی اور عملاً بھی ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تا کہ ان پر ان کی حقیقت اور بے بسی منکشف

ہو سکے۔اس کے نتیجہ میں آپ کی قوم نے آپ کو نذرآتش کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی حفاظت کی خاطر آگ کے مزاج کو بدل ڈالا اور اسے آپ کے لئے باعث زحمت کے بجائے باعثِ رحمت بنا دیا۔

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذاً إِلَّا كَبِيراً لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ﴾ (انبیاء/۵۸)

پس آپ نے اُن (بتوں) کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چورا کر دیا۔سوائے ایک (بت) کے جو اُن سب سے بڑا (بت) تھا کہ شاید وہ اُس سے رجوع ہوں اور کچھ پوچھیں۔

آخر میں اُن کے سامنے رکھی ہوئی مٹھائیوں کے تھال اُٹھا کر بڑے بُت کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور کلہاڑا اُس کے کندھے پر سجا دیتے ہیں۔

منقول ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا بڑے بُت کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ بڑے بت نے غیرت کا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کو کیوں پوجا جاتا تھا۔

اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس تشریف لاتے ہیں اور کفر کی طاغوتی قوتوں کے ردعمل کا سامنا کرنے کے لئے قوم کی واپسی کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ شام کو جب بُت کدے کے خدمت گار اور پروہت واپس آتے ہیں اور اندر داخل ہوتے ہیں تو اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر اُن پر سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چشم زدن میں سارے شہر میں پھیل جاتی ہے' ایک حشر بپا ہو جاتا ہے۔ اپنے خداؤں کی یہ دُرگت دیکھ کر اُن کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں' مجرم کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔

قوم کو وہاں ہی پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے بتوں کو توڑ دیا گیا ہے ﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۴) (رنگ رلیاں منانے کے بعد وہ جلدی سے اُس کی طرف متوجہ ہوئے) آپ کی طرف تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور اُن کے نظریات سے کون واقف نہ تھا فوراً ذہن اُن ہی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل میں اُن کے لئے ظاہری طور پر دلیل موجود تھی اگر اُن کے پاس عقل کا ذرّہ ہوتا تو وہ سوچتے کہ وہ معبود جنہیں وہ پوجتے تھے اُن پر اتنی بڑی آفت نازل ہوئی کہ وہ رِیزہ رِیزہ ہو گئے۔ اگر واقعی یہ معبود ہیں تو جس نے اُسے تکلیف پہنچائی اُس سے اپنا دفاع کیوں نہ کر سکے' لیکن اس فہم وادراک کے برعکس اپنی جہالت' کم عقلی' کثرتِ ضلالت اور احمقانہ سوچ کی بناء پر کہنے لگے کہ کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا' بے شک وہ ظالم ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ :

﴿ مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ (الانبیاء/۵۹)

ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے۔ بیشک وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

﴿قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ؕ﴾ (الانبیاء/۶۰)

کہنے لگے ہم نے ایک جوان کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ ان کا ذکر کرتا رہتا ہے اور اس کا نام ابراہیم ہے۔

ایسا موقع پھر کہاں ؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقاصد وعزائم میں سے ایک عظیم مقصد یہ بھی تھا کہ کہیں ایسا موقع میسر آئے جہاں بتوں کے سارے پجاری جمع ہوں اور اُن کے سامنے بتوں کے بطلان پر دلائل دیئے جائیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ایسا ہی کہا تھا' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ (طٰہٰ/۵۹)
(سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) کہ تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے (زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے) اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔

بتوں کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع نمرود اور اُس کے اعیانِ مملکت (مشیروں) کو بھی مل جاتی ہے شاہی فرمان جاری ہوتا ہے۔

کیسے بے عقل لوگ تھے جن کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جو بُت اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ ہماری کیا مدد کریں گے !

﴿فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ (الانبیاء/۶۱) کہنے لگے پھر پکڑ کر لاؤ اُسے سب لوگوں کے رُوبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔

مذہب کے ٹھیکیداروں نے باطل معتقدات کا جو شیش محل بنایا تھا وہ چور چور ہو چکا تھا۔ یہ شکستہ بت زبانِ حال سے اُن کے احمقانہ طرزِ فکر و عمل کی لایعنیت کی تکذیب کر رہے تھے ایسی صورت میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ قوم کے باشعور افراد توہم اور باطل پرستی کے دائرے سے نکل نہ جائیں اور صدیوں میں تیار ہونے والے ریت کے ایوانِ اعتقاد کے ریزے خاک صحرا کا پیوند نہ بن جائیں' چنانچہ مذہبی رہنماؤں اور کورمغز افرادِ قوم نے ایک جم غفیر کے سامنے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا اور مجمع عام میں آپ سے پوچھ گچھ شروع کر دی :

﴿ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرَاهِيْمُ ۚ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْن﴾ (الانبیاء/۶۲)

کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ (اے ابرہیم) تم نے یہ حرکت کی ہے؟ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) بلکہ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ اُن سے پوچھو اگر بولتے ہیں؟

جس دعوتی مقصد کے پیش نظر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تھا اب وہ وقت آ چکا تھا کہ پوری قوم پر واضح کر دیا جائے کہ مذہبی اعتقاد وعمل کی دُنیا میں تم مبتلائے فریب ہو۔ اس عمل سے خود باطل پرست مذہبی رہنما اپنی زبانوں سے بتوں کی بےحسی اور ناتوانائی کا اقرار کرلیں گے' چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مجمع عام میں مشتعل رہنماؤں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے متابت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

یہ تمہارے معبود ہیں تو ان میں ہر قسم کی قدرت ہے' ان میں باہم لڑائی ہوئی ہوگی' بڑے نے چھوٹوں کو مار ڈالا ہوگا' پس تم انہیں سے پوچھ لو اگر ان میں بولنے کی طاقت ہے تو بتلا دیں گے !

آپ نے فرمایا اے عقل کے اندھو ! مجھ سے کیا پوچھتے ہو' کیا تم دیکھتے نہیں سارے مٹھائی کے تھال بڑے بُت نے اُن کے سامنے سے اُٹھا کر اُن پر خود قبضہ کرلیا ہے۔ کلہاڑا آلہ جرم اُس کے کندھے پر اب بھی موجود ہے۔ اُسی نے اُن کی یہ دُرگت بنائی ہوگی' مجھ سے کیا پوچھتے ہو' اُس سے پوچھو۔ وہ اگر حقیقت سے پردہ اُٹھا سکتا ہے تو اُٹھا دے گا۔ بتوں کی اس توہین سے ہی وہ بڑے پریشان تھے۔ آپ کے اس الزام نے اُن کے ہوش اُڑا دیئے۔ بھنّا کر رہ گئے' بےحس وحرکت گویا جسم میں جان نہیں' کاٹو تو لہو نہیں۔

﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ ﴾ کے جواب کی کاٹ اس کلہاڑے کی ضرب سے بھی اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ کچھ دیر دم بخود ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام کا مقصد یہ تھا کہ قوم خود اس بات کی طرف مائل ہو جائے گی کہ یہ تو بولتے نہیں پھر اعتراف کرلیں گے کہ یہ بھی دوسرے پتھروں کی طرح محض ایک پتھر ہی ہیں۔

آ ج یہ حقیقت قوم نمرود پر واضح ہو چکی تھی کہ ایک فرد واحد کی ضرب سے اُن کے دیوی دیوتا ٹوٹ کر بکھر چکے تھے اور اس اندوہناک منظر کو بڑا بت تماشائی بنا دیکھتا رہا۔ اُس کی مفروضہ تاب الوہیت غیرت میں نہ آئی اور وہ اپنے دُشمن کو گرفتار غضب وَعتاب نہ کر سکا۔ مندر کے پجاریوں اور مہنتوں سے بھی اعتراف حق کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور انہوں نے وہ سچی بات اپنی زبان سے کہہ دی جو دعوت ابراہیمی کا منشاء تھی۔

﴿ فَرَجَعُوٓا اِلیٰ اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوٓا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴾ (الانبیاء/۶۴)

تو اپنے جی کی طرف پلٹے (لا جواب ہو کر اپنے دِلوں میں غور کرنے لگے) اور بولے بے شک تم ہی ستم کار ہو (یعنی ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے بے شک تم تو ظالم ہو کہ ان بتوں کے پاس کوئی محافظ و چوکیدار بھی نہ چھوڑ کر گئے۔)

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو یہ کہہ کر چُپ کرا دیا کہ ان بتوں ہی سے پوچھا جائے کہ اُن کو کس نے توڑا ہے تو قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو اپنے دِل میں سوچا اور آ پس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر یہ کہا کہ بغیر دیکھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کے توڑنے کا الزام لگانا حقیقت میں ایک زیادتی اور بے انصافی کی بات ہے۔

﴿ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ﴾ (الانبیاء/ ۶۵)

پھر وہ اوندھے ہو کر اپنی سابقہ گمراہی کی طرف پلٹ گئے (یعنی انھیں اُن کی بدبختی نے آ لیا اور پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کلام سُن کر قوم ورطہ حیرت میں ڈوب گئی یعنی سرنگوں ہو گئے آپ کے اس حکیمانہ جواب پر کچھ دیر کے لئے تو یہ سوچنے لگے کہ ابراہیم حق پر ہیں اور ہم ہی بے وقوف ہیں کہ ایسے خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں بچا

سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم اس معاملہ میں اپنے آپ پرظلم کر رہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد اُن پر پھر بدبختی سوار ہوگئی۔ کہنے لگے کہ ہم ان سے پوچھیں، یہ تو بولتے ہی نہیں، اس طرح وہ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ (الانبیاء/٦٥)

اے ابرہیم ! آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ نہیں بول سکتے۔ (گردن جھکا کر شرمندگی سے کہنے لگے کہ تم کو معلوم نہیں کہ یہ پتھر کے بت منہ سے نہیں بولتے)۔

اے ابراہیم ! جب تم خوب جانتے ہو تو پھر ہم سے ایسا سوال کیوں کرتے ہو؟ قوم کے لوگوں سے یہ بات سُن کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پھر ایک ضرب لگا دی: جب ایسے عاجز اور بے بس ہیں کہ جس نے اُن کو صدمہ پہنچایا اُس کا مقابلہ نہ کر سکے اور تمہارے پوچھنے پر یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کس شخص نے اُن کو صدمہ پہنچایا تو پھر تم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تم اور تمہارے بت دونوں بیزاری کے قابل ہیں کیونکہ یہ بت اپنی پوجا کرنے والوں کے ساتھ نہ کچھ بھلائی کر سکتے ہیں، نہ پوجا کے چھوڑ دینے والوں کے ساتھ کچھ بُرائی۔ جب یہ بت بول نہیں سکتے، اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، پھر بھلا نظام حیات وَ کائنات میں اپنی قوت عمل سے تسخیر کے مجاز کیسے بن گئے؟ حجت ابراہیمی نے پورے ماحول کو دعوتِ حق کے لئے سازگار بنالیا۔ قوم سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

﴿أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (انبیاء/٦٧-٦٦)

(نادانو !) اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو (اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بس بتوں کی عبادت کرتے ہو) جو نہ تمہیں کچھ نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

[نام نہاد اہلحدیث کی ذہنی وَفکری خباثت اور بدعقیدگی اتنی پست ہے کہ شرک کی جاہلانہ تشریح کرتے ہوئے سمجھے بے سمجھے وہ تمام آیات قرآنی جو کفار وَمشرکین کے حق میں نازل ہوئیں، مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور بتوں سے متعلق آیات کو انبیاء وَاولیاء کے حق میں عائد کر دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان یاد رہے کہ ہمیں یہ خوف نہیں کہ تم ہمارے بعد شرک میں مبتلا ہو گے۔ (بخاری شریف)]

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلہاڑے سے بُت خانہ کے بُت پاش کئے تو حضور ﷺ کا کمال یہ کہ کعبۃ اللہ میں نصب ۳۶۰ بُت اپنے دائیں ہاتھ کے اشارے سے توڑ ڈالے اور بُت منہ کے بل گر گئے۔

آمدِ مصطفیٰ جس گھڑی ہوگئی بُت گرے منہ کے بل بُت کشی ہوگئی (قیسؔ)

اعتراض : قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّىْ سَقِيْمٌ﴾ میں بیمار ہوں، حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بُت توڑ دئے، قوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ ﴾ یہ کام تو اُن کے بڑے نے کیا ہے، حالانکہ بڑے بُت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا۔ تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے اور حدیث شریف میں بھی آپ کے تین جھوٹوں کا ذِکر ملتا ہے ان تین میں دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

جواب : جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہوسکتا۔ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیائے کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ للہ تین جھوٹ بولے، اُس کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ سمجھ آسکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے۔ اگر حدیث پاک کا ترجمہ ہی صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آسکتا ہے

کہ مطلب کیا ہے۔ وہ حدیث پاک یہ ہے :

عن ابی هريرة قال رسول الله (ﷺ) لم يكذب ابراهيم (عليه السلام) الا ثلاث كذبات ثنتين منهن فی ذات الله عزوجل قوله (انی سقيم) وقوله (بل فعله كبيرهم هذا) وقال بينا هو ذات يوم وسارة اذاتی علی جبار من الجبابرة فقيل له ان ههنا رجلا معه امرأة من أحسن الناس فأرسل اليه فسأله عنها من هذه؟ قال اختی، فاتی سارة فقال لها ان هذا الجبار ان يعلم انك امراتی يغلبنی عليك فان سألك فاخبريه انك اختی فی الاسلام ليس علی وجه الارض مؤمن غير وغيرك فارسل اليها فأتی بها قام ابراهيم يصلی فلما دخلت عليه ذهب يتناؤلها بيده فاخذ ويردی فغط حتی ركض برجله فقال ادعی الله لی ولا اضرك فدعت الله فأطلق ثم تناولها الثانية فاخذ مثلها او اشد فقال ادعی الله لی ولا اضرك فدعت الله فأطلق فدُعا بعض حجبته فقال انك لم تأتنی بانسان انما أتيتنی بشيطان فاخذمها هاجر فاتته وهو قائم يصلی فأومأ بيده ميهم، قالت رد الله كيد الكافر فی نحره واخدم هاجر قال ابو هريرة تلك امكم يا بنی ماء السماء"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔ ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ایک آپ کا قول ﴿إِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ میں بیمار ہونے والا ہوں۔

دوسرا آپ کا قول: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ان میں سے تیسرا قول : (جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا (چچازاد) کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص مسلط تھا (فرعون اوّل: علوان بن سان) اُس کو لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اُس ظالم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ اُن سے پوچھے کہ یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے' اُن کو کہا: اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے' تم اُس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو' اس لئے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو' کیوں کہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیج کر اُن کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع فرما دی۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جب اُس ظالم کے پاس پہنچیں' اُس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آ گیا۔ پاگلوں کی طرح ہو گیا۔ اُس کا گلا گھونٹ گیا' منہ سے جھاگ بہنے لگی' ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ تم میرے لئے دُعا کرو' میں تمہیں تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی' وہ ٹھیک ہو گیا۔ اُس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اُس نے پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے دُعا کرنے کی درخواست کی' آپ نے پھر دُعا کی۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا' پھر اُس نے اپنے دَربان کو بُلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن یا جادوگرنی کو لے

آئے ہو۔ اُس ظالم نے کہا کہ میرے پاس ایسی ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا اور جس پر میں قابو نہیں پا سکا۔ اُس نے آپ کو قبطی قوم کے بادشاہ کی شہزادی حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا بطور انعام دے کر واپس لوٹا دیا۔ (تاریخ طبری)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان اشرفی نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سلطانِ مغرب کی شہزادی تھیں کسی جنگ میں شکست ہوئی اور علوان نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنالیا اور بادشاہ کو قتل کر دیا یا ان کا والد بادشاہ مصر ہی تھا علوان بادشاہ نے شکست دے دی اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر قابو پانا چاہا۔ آپ بچپن سے بہت ہی عابدہ زاہدہ اور ولیّہ کاملہ تھی۔ جب علوان بادشاہ اُن کو ہاتھ لگانے لگا تو اس وقت بھی اُس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا ان پر بھی کسی طرح تمام مدت قابو نہ پا سکا تھا اس لئے آج اُس نے دونوں عورتوں کو جادوگر کا لقب دیا۔ (تفسیر نعیمی)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا قبطی قوم کے بادشاہ کی شہزادی تھیں۔ علامہ سُہیلی اپنی سیرت کی کتاب 'الروض الانف' میں علامہ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

' حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کا محاصرہ کیا تو اہل مصر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ تم مصر کو فتح کرو گے اور اس کے ساتھ ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اہل مصر کے ساتھ بہترین سلوک کریں کیونکہ ہمارا اہل مصر کے ساتھ نسب کا رشتہ بھی ہے اور سسرال کا بھی۔ اہل مصر نے کہا کہ بیشک اس نسب کو اللہ تعالیٰ کا نبی ہی یاد رکھ سکتا ہے اور اس کا حق ادا کر سکتا ہے کیونکہ یہ رشتہ نسب بہت دُور کا ہے تمہاری ماں ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی ملکہ تھی پس عین شمس کے باشندوں نے ہمارے ساتھ جنگ کی اور

ہمیں مغلوب کرلیا ہمارے بادشاہ کو قتل کردیا اور اس کی ملکہ کو اُٹھا کر لے گئے' اس طرح ہاجرہ تمہارے باپ ابراہیم تک پہنچی۔ (الروض الانف)

سیرتِ رسولِ پاک بروایت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا مصریوں کے ساتھ ایک رشتہ تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کا تعلق سرزمین مصر سے تھا اور دوسرا رشتہ یہ ہے کہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو حضور نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کی والدہ تھیں انکا تعلق بھی مصر سے تھا۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا' سید عالم ﷺ کی کنیز تھیں جنہیں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب 'رحمۃ للعالمین' میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اس کا ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہے اُمید ہے اس کے مطالعہ سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے گی۔

'وہ (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) فرعون (بادشاہ مصر) کی بیٹی تھی جب اُس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ (رضی اللہ عنہا) واقع ہوئی تھیں تو کہا میری بیٹی کا اُن (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا) کے گھر میں رہنا' دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔

اس شہادت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) شاہ مصر کی شہزادی تھیں شاہ مصر پر حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کی عظمت اس قدر طاری ہو گئی تھی کہ اُس نے اپنی بیٹی کو اُن کے ساتھ کر دینا اپنے اور اپنے خاندان کے لئے فخر وعزت کا باعث سمجھا' (رحمۃ للعالمین صفحہ ۴۶-۴۵ جلد دوم)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟

آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل وخوار ہوا اُس نے مجھے ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) بطور انعام دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہلِ عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے۔

تشریح حدیث: **قال عیاض الصحیح ان الکذب لا یقع منھم مطلقا واما الکذبات المذکورۃ فانما ھی بالنسبۃ الی فھم السامع لکونھا فی صورۃ الکذب واما نفس الامر فلیست کذبات"** (مرقات المفاتیح) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انبیاء کرام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا لیکن یہ جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے سُننے والے کی طرف منسوب ہیں جن کو سُننے والے نے جھوٹ سمجھا' اس لئے کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے' لہذا حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح کلام فرمایا کہ لوگوں نے اُسے جھوٹ سمجھا' تین مرتبہ کے علاوہ آپ نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو۔

پهلا :ارشاد گرامی: ﴿إِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ میں بیمار ہونے والا ہوں۔

آپ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب پہلے تفصیلاً بیان ہوگیا کہ قوم میلہ میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: ﴿إِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں کل ہی بیمار ہونے والا ہوں بلکہ صرف یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ضرور بیمار ہوتا ہے آپ نے معنی دُور والا لیا اور لوگوں نے قریب والا سمجھا یہ' توریہ' کہلاتا ہے جو جائز ہے۔

دوسری وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں: **"فقال انی سقیم القلب لما فیہ من الغیظ باتخاذ کم النجوم الھۃ و بعبادتکم الاصنام** (مرقاۃ المفاتیح)

آپ نے فرمایا میرا دل بیمار ہے اس لئے کہ مجھے بہت غصّہ ہے کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لئے مجھے غصّہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے اس غصّہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے' یعنی آپ کی بات صداقت پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

دوسرا ارشاد : ﴿ **بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ** ﴾ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

جب قوم میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا یا بسولہ اُن بڑے بُت' یعنی جس کو یہ بڑا خدا سمجھتے تھے اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس آئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگی ہمارے خداؤں سے یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ جب بعض لوگوں نے کہا یہ ابراہیم نے کیا ہوگا۔ آپ کو بُلا کر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ﴿ **بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ** ﴾ جس عام ذہنوں میں مفہوم یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بُت نے کیا ہے یعنی اُس نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اس کا مطلب ہی یہ نہیں۔ علامہ فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مختلف مطالب بیان کئے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے؟

پہلی وجہ : پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بُت نے کیا ہے بلکہ آپ نے اس سے مراد اپنی ذات لی۔ آپ کا یہ کلام تعریض پر مبنی تھا یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا ہو' سُننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص لکھنے کا ماہر ہو' وہ ایک نفیس خط لکھے' دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا وہ ماہرِ خط سے پوچھے: کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے: **بل کتبتہ انت** بلکہ تم نے لکھا ہے' یہ الزاماً خاموش کرنا ہے۔ یعنی اس جملہ سے اس شخص کی نفی کی جارہی ہے جو قادر نہیں اور جو شخص قادر ہے اُس کے لیے ثابت کرنا ہے۔ اسی طرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہے۔ وہ کیسے کرسکتا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہی نہیں؟

دوسری وجہ :جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو مزین کیا ہوا ہے اور اُن کو قوم نے بڑا برگزیدہ سمجھا ہوا ہے تو آپ کو غصّہ آیا اور یہ دیکھ کر اور زیادہ شدید ہوگیا کہ لوگوں نے بڑے بُت کو زیادہ مزین کیا ہوا ہے اور اُس کی تعظیم کرتے ہیں جب اس بڑے بُت کو دیکھ کر غصّہ زیادہ ہوا تو سب بتوں کو توڑ دیا۔

فاسند الفعل اليه لانه هو السبب فی استهانته بها وحطمه لها والفعل كما يسند الى مباشره يسند الى حامله حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بُت کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ وہ اُن کو توڑنے اور ذِلت کا سبب بنا کیونکہ اس کو دیکھ کر آپ کو زیادہ غصّہ آیا تھا جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا ہے اسی طرح کام پر اُبھارنے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

تیسری وجہ : آپ نے اُن کے مذہب کے مطابق کلام کیا کہ تم جب اُس کو خدا سمجھے ہو تو پھر یہ کام اُس نے کیا ہوگا۔ '**فان من حق من يعبد ويدعى الها ان يقدر على هذا اواشد منه** 'یعنی جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہئیے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت اُسے ہونی چاہئیے ۔ مقصد اُن کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اُس نے بتوں کو توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا' تو یہ معبود کیسے بن سکتا ہے !

چوتھی وجہ : یہاں کچھ عبارت غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے '' **فعله من فعله و كبيرهم هذا** جس کو کرنا تھا اُس نے کر دیا یہ اُن کا بڑا ہے' اُس سے پوچھ لو۔

گویا اس بیان کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے اپنے بڑے خدا سے پوچھو' اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس میں بھی اُن کو تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔

پانچویں وجہ: 'کبیرھم' پر وقف ہے اور 'ھذا' سے پھر کلام کی ابتدا ہے معنی یہ ہے کہ کام اُن کے بڑے نے کیا ہے یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو' اگر بولتا ہے۔ '**ادعی نفسه لان الانسان اکبر من کل صنم**' اس سے مراد آپ نے لی ہے کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ کام اُن کے بڑے نے کیا ہے۔ وہ بڑا میں ہوں کیونکہ میں انسان ہوں اور تمہارے خداؤں سے بڑا ہوں' انسان کے مقابل اِن بتوں کی کیا حیثیت ہے؟

چھٹی وجہ : کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے۔'' **قال بل فعله و کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون**o آپ نے فرمایا: اُن کے اس بڑے نے کیا ہے' اگر یہ بولتے ہیں تو اُن سے پوچھ لو۔

' **فتکون اضافة الفعل الی کبیرھم مشروطا بکونھم ناطقین فلما لم یکونوا نطقین امتنع ان یکونوا فاعلین**' فعل کی اضافت اُن کے بڑے بُت کی طرف مشروط طور پر ہے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو اُن کے بڑے نے کیا ہے' جب وہ بولتے ہی نہیں تو یہ کام اُن کے بڑے بُت نے نہیں کیا۔

ساتویں وجہ : ایک قرأت میں '**فعله کبیرھم**' آیا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہوگا **فلعل الفاعل کبیرھم** شاید یہ کام کرنے والا اُن کا بڑا ہوگا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صداقت پر مبنی تھا' اگر چہ سُننے والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے :

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں :

' **اضافة الکذب الی رواته اولٰی من ان یضاف الی الانبیاء الکرام**' اگر ایسی کوئی روایت ہو جس سے انبیاء کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے جس سے انبیائے کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے لیکن انبیاء کرام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا۔ ایسی صورت میں روایت کو رَد کر دیا جائے گا لیکن انبیاء کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر)

آپ کا تیسرا ارشاد : حضرت سارہ رضی اللہ عنہا (چچا زاد) کے متعلق آپ نے فرمایا ' **هذه اختی**' یہ میری بہن ہے اس کی وجہ حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو کہا **انتِ اختی فی الاسلام** تم اسلام میں میری بہن ہو' اس لیے کہ اخوۃ اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں' ماں بیٹا بھی بھائی بہن ہیں۔ اسی طرح خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

بتوں کو توڑنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا :

مشرکین کے ہاں بت پرستی اگر عقیدہ کا مسئلہ ہی ہوتا تو اُس روز کے بعد شاید اُن میں سے کوئی ایک بھی اُن بتوں کو خدا ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا' لیکن یہاں نمرود کے سیاسی مفاد پر زد پڑ رہی تھی۔ اُس کا تختِ شاہی ڈولنے لگا تھا۔ اُس نے فوراً اپنے آمرانہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے آتش کدہ بھڑکانے کا حکم دیا' حکم شاہی کی فورا

تعمیل کی گئی۔ آپ کی مشکیں کس دی گئیں آپ کو منجنیق میں باندھ کر آتش کدے میں پھینکنے کے منصوبے کو آخری شکل دی جانے لگی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بناوٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی اُن پر غلبہ حاصل کرلیا تو انہوں نے آپ سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے بندے کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اُس کی قوم نے آپ کو جلانے کی سزا دی' اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَاناً فَاَلْقُوْهُ فِىْ الْجَحِيْمِ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۷)

وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اُسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔یعنی اَردگرد بہت بڑی دِیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔

اتنے بڑے اقدام پر قوم کی طرف سے شدید ردعمل سامنے آنا لازمی امر تھا۔سو آپ کی قوم نے آپ کو سزا دینے اور اپنے معبودانِ باطل کا بھرم قائم رکھنے کے لئے آپ کو نذرِآتش کرنے کا فیصلہ کرلیا :

﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ﴾ (انبیاء/ ۶۸)

(آپس میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ اُن کو آگ میں جلاؤ اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے (اپنے معبودوں کا اُن سے بدلہ وَانتقام لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے)۔

ذرا غور کریں' کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے' وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

جب وہ دلائل ابراہیمی سے زچ ہو گئے تو تشدد پر اُتر آئے جو اہل باطل کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔تجویز ہوئی کہ آگ جلاؤ۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ :

اس قصّہ کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۶) سولہ سال کی تھی ۔
(تفسیر مظہر القرآن)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لیے جو چار دِیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی کہ اُس کی بلندی تیس ذراع (۴۵ فٹ) چوڑائی بیس ذراع (۳۰ فٹ) اور طول تیس ذراع (۴۵ فٹ)
(تفسیر کبیر زیر آیت: ﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَاناً فَأَلْقُوْهُ فِیْ الْجَحِيْمِ﴾

آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا :

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے مجاہد تمہیں کیا معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا، مجھے تو علم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام 'اکراد' تھا۔ بعض جگہ اُس کا نام اکراد بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے۔ نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں۔ ایک قول کے مطابق نام ھیون ہے دوسرے کے مطابق ھدیر ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دَھنسا دیا اور قیامت تک دَھنستا چلا جائے گا۔

آپ کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لیے چار دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی۔ جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دی، ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفاء حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں لاؤں گی ۔

وہ کیسی آگ تھی ؟

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلا دی گئی۔ آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے' اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اُس کے اُوپر سے فضاء میں بھی کوئی پرندہ نہیں اُڑ سکتا تھا۔

آگ میں ڈالنے کے لیے شیطان کی رہنمائی :

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہوگئی' اُس کی حرارت اتنے دُور دُور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی اِنسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران وَ پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیوں کہ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے......تو شیطان نے آ کر اُن کی رہنمائی کی کہ ایک منجیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رَسیوں سے جکڑ کر منجیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے۔ خیال رہے سب سے پہلے دُنیا میں یہی منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

زمین وآسمان کی مخلوق کی فریاد :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رَسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین وآسمان کی ساری مخلوق چلا اُٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی: اے مولائے کائنات ! زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے۔ اے اللہ ! آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔ زمین وَ آسمان کے فرشتے' جانور' وحوش وَ طیور سب ہی یہ ماجرہ دیکھ کر حیران وَ پریشان ہیں۔ ربّ تعالیٰ کی حکمت سے بے خبر تھے' سوچ رہے تھے

اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا۔ اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو آپ نے عرض کی: اے الہ العالمین ! بے شک تو آسمان میں تنہا دیکھتا ہے اور میں زمین میں تنہا تیری عبادت کرنے والا ہوں۔ (قصص الانبیاء)

فرشتوں نے آپ کی امداد کی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی :

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی: اے اللہ ! ہمیں اجازت عطا فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرما دی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم اُن کی امداد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی اُن کا ولی ہوں۔ اُن کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو' بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر اُن کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی اُن کا معبود ہوں میرے بغیر اُن کا کوئی معبود نہیں۔

عالم بالا میں شور مچ گیا' فرشتوں نے عرض کی الٰہی! اے قادر مطلق! کیا تیرے اس بندے کو یوں بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیا جائے گا۔ کیا توحید کا یہ چراغ بھی گل ہو جائے گا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ابھی آگ تک نہ پہنچے تھے' ہوا میں ہی معلق تھے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے حضرت جبرئیل امین بارگاہ خلیل میں حاضر ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا ﴿اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا﴾ مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔

جانتا ہے رب جلیل آگ میں پڑتا ہے اُس کا خلیل

حضرت جبرئیل امین نے پھرعرض کیا: اپنے رب سے دُعا ہی مانگوفرمایا **كَفَانِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ مِنْ سُؤَالِیْ** جب وہ میرے حالات کو جانتا ہےتو پھرسوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

'**حسبی سوالی علمه بحال**' وہ میرے حال کو جانتا ہےسوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء علامہ عبدالرزاق بھترالوی)

ایک یاد : معارج النبوۃ میں ملاّ معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کوآگ میں پھینکا جا رہا تھا تو جبریل علیہ السلام نے حاضر ہوکر عرض کیا **ھل لك حاجة یاابراھیم** میں خادم کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں کوئی حکم ہوتو فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: **اما الیك فلا** تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں۔

واقعہ معراج میں سدرۃ المنتہٰی پر جب جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں اس (سدرۃ المنتہٰی) سے آگے نہیں جا سکتا تو حضور ﷺ نے چاہا کہ اس موقع پر اُس بات کا زبانی احسان اُتار دیا جائے جو جبریل امین نے ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا۔ آپ نے جبریل امین سے فرمایا: **یاجبریل ھل لك حاجة الی ربك** اے جبریل کوئی حاجت ہوتو عرض کریں، جو چاہے مانگ لو۔ **سَل ماشئت یاجبرئیل** جبریل جو چاہے مانگ لو۔ جبریل امین نے عرض کیا، حضور ! مجھے اس کی منظوری دلا دیجئے کہ جب آپ کی اُمت پُل صراط سے گذرنے والی ہوتو میں اپنے پروں کو بچھا دوں اور آپ کی اُمت اُن کے اُوپر سے گذر جائے۔ حضور ﷺ نے منظوری دے دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام کواس بات کا بخوبی علم تھا کہ حضور ﷺ کوخوش کرنے کا طریقہ آپ کی اُمت کوخوش کرنے کے سوااورکوئی نہیں۔ اس سے اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ

آقائے دو جہاں ﷺ کی رضا اپنی اُمت کی فلاح، بہتری اور خوشی میں مضمر ہے۔ پُل صراط سے اُمت کیسے گذرے گی اس کا منظر بھی عجیب ہوگا۔ مظہرِ امام اعظم محی الحنفیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پُل سے گذارو راہ گذر کو خبر نہ ہو

جبریل پَر بچھائیں تو پَر کو خبر نہ ہو

سید عالم ﷺ دُعا فرمارہے ہوں گے:

رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ یا اللہ! میری اُمت کو سلامتی سے گزار دے

رضا پُل سے اب وجد کرتے گذریئے　　　کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمد

ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کر دیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بارش کا فرشتہ منتظرانہ حالت میں کہہ رہا تھا کب مجھے حکم ہو کہ میں بارش برسادوں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی ضرورت نہیں۔

'**حسبی الله ونعم الوکیل**' میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہدیا جاتا ہے کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں۔ اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد طلب کرتے۔ کاش! اُن لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ انبیاء کرام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح، عام انسان توکل کیسے کرسکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا ہے مجھے سوال

کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ (گڑگڑا کر) دُعا کرنے والا فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ﴾ (ہود/ ۷۵)

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے متحمل مزاج آہ وزاری کرنے والے، بہت گڑگڑا کر دُعا کرنے والے، ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔

ان صفات سے آپ کی رقتِ قلب اور آپ کی رافت ورحمت معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چونکہ یہ امتحان کا موقع تھا اس لئے اس موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دُعا نہیں کی، اس موقع پر دُعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔ معرکہ کربلا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لئے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقع پر دُعا نہیں کی، بلکہ پیکر صبر ورضا بنے رہے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے امتحان میں کامیاب رہے۔

گرگٹ کا آگ کو پھونکیں دینا :

'ویروی ان الوزغ کان ینفخ فی النار وقد جاء ذالك فی روایة البخاری"

بخاری کی روایت میں آیا ہوا ہے کہ گرگٹ آگ میں پھونکیں دیتا تھا۔

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔اور ایک روایت میں ہے کہ گرگٹ کو پہلی ہی ضرب میں قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب میں قتل کرنے میں اس سے کم ثواب اور تیسری ضرب میں قتل کرنے کا اس سے کم ثواب ہے۔

حضرت اُم شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی جانے والی آگ پر پھونکیں مارتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

امام احمد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گرگٹ کو مار ڈالو کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی جانے والی آگ پر پھونکیں مارتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُن کو مار دیا کرتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو تمام چوپائے آگ کو بجھانے میں کوشاں تھے سوائے گرگٹ کے کہ وہ پھونکیں مار کر اُسے مزید سلگا تا تھا۔ (تذکرۃ الانبیاء، قصص الانبیاء)

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے، بس صرف ایک بات مدِّ نظر تھی کہ ربّ تعالیٰ جس پر راضی ہے میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔

کافروں نے جب آپ کو باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے:

لا اله الا انت سبحانك لك الحمد ولك الملك لا شريك لك

تیرے بغیر کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے، سب تعریفیں تیرے ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔

کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ عقل ابھی تماشا ہی دیکھ رہی تھی کہ عشق نے چھلانگ لگا دی، ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے تیز تھا، رب ذوالجلال کی تائید ونصرت آپ کے شامل حال رہی اور آپ اس معرکہ حق وَ باطل میں سرخرو ہوئے‘ اللہ تعالیٰ نے آگ کوفرمایا:

﴿ **يٰنَارُكُوْنِیْ بَرْداً وَّسَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ** ﴾ (انبیاء/۶۹)

(جب آپ کو آتشکدہ میں پھینکا گیا تو ہم نے حکم دیا) اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لئے۔

قدرت خداوندی کا کتنا حیرت انگیز نظارہ ہے کہ وہی شعلے جس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا‘ پرندے پَر نہیں مار سکتے تھے دفعتاً سرد ہوگئے‘ بندشیں جل گئیں لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آنچ بھی نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہوجانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تاکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

دَھکتے انگارے یا باغ و بہار :

مسند احمد میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو **سلامًا** کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہوجاتی کہ آپ سردی سے وفات پا جاتے‘ **سلاماً** سے مُراد ایسی سلامتی والی ہوجا کہ بالکل بےضرر بن جا۔

حضرت ابن عباس اور ابوالعالیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ **سلاماً علی ابراهیم** نہ فرماتا تو آگ کی ٹھنڈک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نقصان پہنچادیتی۔

روایات میں آتا ہے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اُس کی حرارت سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ

کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا' یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا فرشتوں نے پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ارد گرد گلاب، نرگس، اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین وَجمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف اُن رَسیوں کو جلایا جن سے آپ کو باندھا گیا اور اُن کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو اب وہاں آگ کے سرخ انگارے نہیں تھے بلکہ گلاب کے پھولوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ بھسم کرنے والے شعلے نسیم صبح بہار میں تبدیل ہو گئے۔ اتنے بڑے معجزہ کو دیکھنے کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی اَذیت رَسانی میں اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک حقیر مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ (تاریخ طبری۔ جلد اول' ضیاء النبی ﷺ۔ جلد اول)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نظرِ آتش کیا گیا' اس آگ کی سلامتی کی برکت سے روئے زمین کی ہر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی کسی شخص نے بھی اس دن آگ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا جس رسّی سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مشکیں کسی گئی تھیں اُس کے سوا کوئی چیز بھی نہ جلی۔

ضحاک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین بھی اُس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے چہرے پر پسینے کے سوا کوئی گزند نہ پہنچی تھی' حضرت جبرئیل آپ کے رُخ انور کے پسینہ کو صاف فرماتے رہے۔

سدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سایہ کرنے والا فرشتہ بھی سائے کی طرح آپ کے ساتھ تھا۔ گھڑے کی مضافات میں ایک ایک میل تک آگ ہی آگ تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس میں سرسبز و شاداب گلشن میں تشریف فرما تھے لوگ اس عجیب منظر کو

دیکھ رہے تھے، نہ تو لوگ وہاں تک پہنچنے پر قادر تھے اور نہ ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُن کے پاس آ رہے تھے۔ (قصص الانبیاء)

اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جس آگ میں ڈالے گئے وہ آگ بجھ گئی تو حبیب اللہ حضور سید المرسلین ﷺ کے آنے سے آتش کدہ ایران جو ہزاروں سال سے بھڑک رہا تھا بجھ گیا۔ صاحبِ تفسیر رُوح البیان نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ کی پیدائش معجزہ نہیں بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ آپ کی ولادت پر بُت اوندھے گرے، کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا، جس سے چودہ کنگورے گر گئے، اشارتاً بتایا گیا کہ چودہ بادشاہوں کے بعد یہ ملک مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے گا چنانچہ عہد فاروقی تک یہ (۱۴) سلاطین پُورے ہو چکے تھے۔۔ فارس کی ایک ہزار سال کی جلتی ہوئی آگ بُجھ گئی، بحیرہ سادہ کا چشمہ اچانک خشک ہو گیا۔ غرضکہ سورج کی طرح آپ کی ولادت کی خبر سارے عالم میں پھیلا دی گئی۔

چاند نکلا فضاء چاندنی ہوگئی ساری دُنیا میں پھر روشنی ہوگئی (قیسؔ)

اس جگہ رُوح البیان نے ابوطالب کا وہ خطبہ نقل کیا ہے جو آپ نے نبی کریم ﷺ کا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کرتے وقت رؤسائے بنی ہاشم اور امرائے مضر کے سامنے ارشاد کیا کہ فرمایا: اُس خُدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم، نسل اسمٰعیل، شاخ معداور مضر کا درخت بنایا، اور حرم کا باشندہ بیت اللہ کا خادم قرار دیا، میرے بیٹے محمد ابن عبداللہ کو اگر تمام جہاں کے ساتھ تولا جائے تو یہ سب پر بھاری ہوگا، اور دیکھ لینا کہ آگے چل کر میرا یہ لختِ جگر بڑی شان والا ہوگا۔

کفار کی ذِلّت ورُسوائی :

کفار نے بدلہ لینا چاہا، شکست وریخت ورُسوائی سے دوچار ہوئے۔ عروج چاہا، ذلیل ولئیم بنے۔ غالب ہونا چاہا، مغلوب ومقہور ہوگئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ (الانبیاء/۷۰) انہوں نے اُن (ابراہیم علیہ السلام) کا بُرا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا۔
کفار نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن ہی لوگوں کو ناکام کر دیا کہ اُن کا مقصود حاصل نہ ہوا بلکہ اور بالعکس حقانیت ابراہیم علیہ السلام کا زیادہ ثبوت ہو گیا۔
﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۸) اُن لوگوں نے (ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ) بُرائی کرنی چاہی تھی، ہم نے انہیں نیچے دکھایا۔
آگ کو گلزار بنا کر اُن کے مکر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے اور آمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔
دُنیوی زندگی میں کفار پستی و خسارہ میں کامیاب و کامران ہوئے اور اُخروی زندگی میں آتشِ جہنم اُن پر ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہو گی اور نہ ہی انہیں سلام وَ برکات میسر آئے گی بلکہ ﴿اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ (الفرقان/٦٦)
اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بے شک جہنم بہت ہی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟

منہال بن عمرو علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس طرح کی پُر لطف زندگی کے ایام میں نے آگ میں گزارے ہیں ایسے دن میری زندگی میں مجھے نہیں ملے، میں چاہتا ہوں کہ میری ساری زندگی ہی ایسی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ہی شکل میں اُن پر بھیجا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھے تاکہ وہ اُس سے انس حاصل کریں، اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام جنت

میں سے ایک ریشمی قمیص لائے اور کہا: اے ابراہیم ! بے شک آپ کو رب کہتا ہے' کیا معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (تذکرۃ الانبیاء)

انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو مراتب جلیلہ و معجزات کثیرہ عطا فرمانا' تمام کتب سماویہ کا نازل کرنا' یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں جو حضور ﷺ کے سبب سے انھیں عطا کی گئیں ہیں۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اعزاز و اکرام ملنا حضور ﷺ کے طفیل' پھر اُن کی خطاء کا معاف ہونا حضور ﷺ کی برکت سے' پھر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے پر لگنا حضور ﷺ کی برکت سے' بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گلزار ہونا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ذُنبہ آنا حضور ﷺ کے طفیل۔

کشتی نوح میں نارِ نمرود میں بطن ماہی میں یونس کی فریاد میں
آپ کا نام نامی اے صَلِّ علیٰ ہر جگہ ہر مصیبت میں کام آ گیا

یہاں تاجدارِ اہلسنت حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کا ایک عارفانہ نکتہ بھی ملاحظہ فرمائیں ' سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا معجزہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بابرکت شخصیت نارِ نمرود میں گئی تھی آتش کدہ' گل کدہ ہو گیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ پہونچے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ خیال رہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات وہاں گئی تھی مگر یاد کرو رسول کے ہاتھ سے لگے ہوئے اُس رُومال کو جو صحابی رسول کے پاس محفوظ ہے' جب کبھی اس رُومال کو دھونے کی ضرورت آئے تو وہ اُس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے اور تنور میں سے ڈال کر جب جب اُسے نکالتے تھے تو بالکل دُھل کر صاف نکلتا تھا۔ سنو! وہاں ذات ابراہیم گئی تھی۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام خود گئے تھے۔ یہاں رسول خود نہیں گئے تھے۔ رسول کی نسبت گئی تھی۔ رسول کا تعلق گیا تھا۔ اُنگلی تک تو نہیں گئی۔ رَسول کا کوئی لباس مبارک بھی تو نہیں گیا' صرف

نسبت گئی۔ وہاں آتش کدہ، گل کدہ بن گیا، مگر یہاں آگ ہے اور اپنی حرارتوں کو جس نے نہیں کھویا ہے لیکن جلانے کی ہمت نہیں ہے۔ یہیں سے پتہ چل گیا کہ جب نسبت لے کر تنور میں ایک کپڑا جاتا ہے تو آگ نہیں جلا پاتی، تو اگر تمہارے دِل میں رسول کی محبت ہو تو جہنم میں جلانے کی طاقت کہاں سے آئے۔

نمرود کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا :

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے اردگرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا اے ابراہیم ! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں نکل سکتا ہوں اُس نے کہا: اُٹھو اور نکل آؤ۔ (ممکن ہے اُس نے سمجھا ہو جب نکلیں گے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گذریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اُٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اُس سے انس حاصل کر سکوں۔

نمرود ربّ کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود گمراہ رہا :

نمرود نے کہا جب میں نے تمہارے رب کی عزت وقدرت کو دیکھا تو میں نے نذر مانی کہ میں تمہارے ربّ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی کروں گا۔ اس لیے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اپنے دِین پر قائم ہو' اُس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔

اُس نے کہا' میں اپنی بادشاہی تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا۔ اُس نے اپنی نذر کے مطابق چار ہزار گائے ذبح کر دیا اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا اِرادہ کرلیا۔ البتہ وہ کفر پر ہی قائم رہا' ایمان اُس کو نصیب نہ ہو سکا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کر دیا ہے۔ انہوں نے تجربہ کرنے کے لیے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اُسے جھلس کر رکھ دیا۔

(تفسیر کبیر و رُوح المعانی، زیرِ آیت: یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتشِ نمرود سے صحیح سلامت نکل آئے تو آپ نے پھر تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی نمرود ایمان نہیں لایا بلکہ آپ کی اَذیت رسانی میں اضافہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنے عذاب کی گرفت میں لینے سے قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں اور دعویٰ نبوت کی تصدیق فرمائی ﴿فَـاٰمَنَ لَـهٗ لُـوْطٌ ﴾ (عنکبوت/۲۶) حضرت لوط علیہ السلام مراتب کی اس بلندی پر فائز ہوئے جہاں عام انسان اس مقام کو نہیں پا سکتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد اپنے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران علیہ السلام کو لے کر بابل سے حران کی طرف ہجرت کی' پھر وہاں سے مصر گئے۔ اب ان دونوں کے ساتھ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ مصر سے فلسطین میں آ گئے۔ اب ان تینوں کے ساتھ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں پھر لوط علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر سے تقریباً اٹھارہ میل دُور تک

ایک شہر میں تبلیغ دین کے لئے آ گئے' اس شہر کا نام 'سندوم' تھا۔ قرآن پاک میں اسی کو '**الموتفکۃ**' سے تعبیر کیا گیا۔ (رُوح المعانی)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام باطل معبودوں کا رَد کیا :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں تشریف لائے اُس میں کچھ لوگ بُت پرست تھے اور کچھ ستارہ پرست اور کچھ چاند پرست اور کچھ سورج پرست بلکہ نمرود کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ آپ نے بتوں کے معبود ہونے کو دَلائل سے باطل کیا۔ قوم نے جب دَلائل سے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا تو آپ نے بتوں کو توڑ کر اپنی پریشانی کو دُور کر کے اپنے دِل کو تسلی دی۔

ستارہ پرست آپ کو بھی ستاروں کی پوجا کی دعوت دینے لگے آپ نے اُن کا بھی رَد فرما دیا کہ یہ ستارے معبود بننے کے قابل نہیں۔

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ (انعام/۷۶)

پھر جب اُن پر رات کا اندھیرا آیا تو انہوں نے ایک تارا دیکھا۔ بولے اُسے میرا رب ٹھہراتے ہو ! (کیا یہ میرا رب ہے !) پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ (مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے' میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا' انہوں نے اپنی قوم سے اثناء استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور اُن کے خلاف حجت قائم کرنے کا مقدمہ تھا' تو پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ اُن کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس

قول کا رَد فرمایا' چنانچہ جب وہ غروب ہوگیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا' کیونکہ خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے' وہ تمام دُنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے' ان کی باتوں کو سُننے والا ہے' وہ کبھی کسی چیز سے نہ ہی غافل ہوتا ہے اور نہ ہی غائب ہوتا ہے۔

یعنی یہ تو خود کسی نظام قدرت کے پابند ہیں ان میں معبود بننے کی صلاحیت نہیں (غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا' اس لیے کہ غروب' تغیر حال پر دَلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو' معبود نہیں ہوسکتا)۔ میری توجہ اور محبت کا مرکز تو صرف مالک الملک خالق کائنات وحدہ لاشریک لہ ہے میں تو ان ستاروں سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی ان کو کسی معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتا ہوں جب ان سے محبت ہی نہیں تو ان کی عبادت کو کیسے اچھا سمجھ سکوں !

یہ واقعہ ایک خاص مناظرانہ نوعیت کا تھا جس میں اجرام فلکی کی حقیقت کو واضح کیا گیا تھا اور قوم کے باطل نظریہ الوہیت پر ضرب لگائی گئی تھی۔

(☆) اس استدلال میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے' یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا' کہ اگر بر سبیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہوجانا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں (سوال انکاری) استفہام محذوف ہے جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بات اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لئے آپ نے سوال کو دِل میں رکھ کر فرمایا' یہ میرا رب ہے' اور آپ کا منشا تھا' کیا یہ میرا رب ہے؟ نبی ایک آن کے لئے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہوسکتا ہے' ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی ہوتا ہے' نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔

(☆) اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو علم لدنی بخشا کہ آپ نے بچپن شریف میں فصیح و بلیغ منطقی فلسفی گفتگو فرمائی کہ تمام اہل علم کی منطق اس پر قربان ہو۔ دیکھو آپ نے چاند سورج تاروں کی عبدیت' اُن کا مخلوق ہونا' اُن کے اَدلنے بدلنے ڈوبنے نکلنے سے ثابت کی' اسی کو منطقی لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ **العالم متغير ۔ وكل متغير حادث ۔ فالعالم حادث** پھر کہتے ہیں کہ **العالم حادث ۔ وكل حادث محتاج الى محدث ۔ فالعالم محتاج الى محدث** یعنی دُنیا اور دُنیا کی چیزیں اَدلنے بدلنے والی ہیں' اور ہر بدلنے والی چیز نوپید ہے کہ پہلے نہ تھی بعد میں ہوئی' لہذا دُنیا نوپید ہے اور ہر نوپید کسی کی مخلوق ہے لہذا دُنیا کسی کی مخلوق ہے اُسے خالق کی ضرورت ہے۔ سبحان الله وہ آپ کا لڑکپن اور یہ دانائی وَعلم۔

(☆) ہر شخص' ہر قوم سے اُس کی عقل کے مطابق گفتگو کرنا طریقہ انبیاء ہے اس طریقہ سے ہدایت جلد ملتی ہے۔ دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج کے طلوع ہونے سے اُن کی مخلوقیت ثابت نہ کی بلکہ اُن کے ڈوبنے سے۔ کہ طلوع میں ترقی ہے اور ڈوبنے میں تنزل جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے تنزل سے عبدیت اور بندگی کا ثبوت بہت اچھی طرح ہو جاتا ہے' کم عقل بھی سمجھ جاتا ہے۔

چاند پرستوں نے آپ کو چاند کی عبادت کی دعوت دی۔ آپ نے اُن کا بھی رَد کر دیا کہ تم تو گمراہ ہو۔ حق تو یہ ہے کہ تم خود سیدھی راہ پر آجاؤ۔ کیا تم مجھے راہِ راست سے بھٹکانا چاہتے ہو یہ ناممکن ہے۔

﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ (انعام/۷۷)

پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے: اسے میرا رب بتاتے ہو ! جب وہ بھی ڈوب گیا' کہا اگر میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں انہی گمراہوں میں ہوتا۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے دَرپے ہوئے' جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا' اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا' یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اپنی قوم کو سُنانے کے لئے فرمایا' اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں اُن کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کی شکار ہے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس نے چاند کو خدا مانا وہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے متعلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الٰہی پر موقوف ہے۔

یعنی یہ چاند بھی کسی کے حکم کا تابع ہے اُس کی چمک دَمک بھی کبھی ایک علاقے میں' کبھی دوسرے علاقے پر یعنی ایک وقت میں ایک علاقہ کو چمکا رہا ہے تو دوسرا علاقہ اُس کی روشنی سے محروم ہے۔ تو ایسی چیز جو خود ہی ایک حال پر نہ رہ سکے وہ کیسے معبود بن سکتی ہے ! یہ تو مجھ پر اللہ کا فیضان ہے جس نے مجھے سیدھی راہ پر چلا کر اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادی ورنہ جس قوم میں ہر طرف باطل راہ پر چلنے والے ہی نظر آتے ہوں وہاں ایک فرد کا حق پر قائم رہنا کیسے ممکن تھا؟

سورج پرستوں نے آپ کو سورج کی عبادت کی دعوت دی کہ یہ تو بہت روشن ہے حقیقتاً بڑا خدا بننے کا قابل ہے آپ نے اُن کا بھی رَد کر دیا کہ میں شرک پر قائم رہنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا تو مجھ سے شرک کی اُمید رکھنا تمہاری حماقت ہے۔

﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (انعام/۷۸) پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا' بولے اُسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا' کہا: اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

آپ نے جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو قوم سے کہا' اسے میرا رب کہتے ہو' سب سے بڑا سمجھ کر اُسے بڑا خدا مانتے ہو؟ یہ بھی تو کبھی ایک علاقہ کو جگمگا رہا ہے اور دوسرے کو اندھیرے میں رکھتا ہے۔ جب دوسرے علاقے کو روشن کرتا ہے تو پہلے علاقے کو تاریکی میں ڈبا دیتا ہے۔ بھلا وہ چیز جو خود اپنے محور میں گھومنے کے لیے کسی کے حکم کا پابند ہو' خدا بن سکتی ہے؟ نہیں نہیں، یہ خدا کبھی بھی نہیں بن سکتی۔

اے میری قوم ! اللہ تعالیٰ سے شریک ٹہرانا چھوڑ دو۔ میں تو پہلے ہی بیزار ہوں مجھ سے تمہاری یہ توقع کہ'' میں بھی تمہارے ساتھ معبودان باطلہ کو ماننے میں شریک ہو جاؤں' بے سود ہے۔

حضرات انبیاء کرام بڑے دِلیرو جری ہوتے ہیں اُن کے دِل پر کسی کی ہیبت نہیں آتی۔ سارا جہاں ایک طرف ہو' یا اکیلے ایک طرف مگر اُن کے دِل میں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام' نمرود جیسے جابر بادشاہ کے ملک میں ہیں' سارا ماحول کفار کا ہے خود اپنے عزیز و اقارب اسی شرک کی بیماری میں مبتلا ہیں مگر کیسی دلیرانہ گفتگو فرما رہے ہیں' نہ کسی سے جھجک ہے نہ کسی کا ڈر' یہ ہے نبی کی ہمت و دِلیری۔ نبی بلکہ نبی کے غلام کبھی تقیہ نہیں کرتے' اپنا دین سب پر خوب واضح کر دیتے ہیں خواہ کیسی ہی حالت ہو' دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایسے نازک موقعہ پر سب کے سامنہ کہہ دیا کہ ﴿اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ جو شخص حضرات اہل بیت اطہار خصوصاً سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو تقیہ باز کہے وہ (شیعہ' اہلحدیث اور قادیانی) اُن کے مرتبہ عالیہ سے واقف نہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میری توجہ کا مرکز تو صرف زمین و آسمان کا خالق ہے۔ میں اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤں یہ کیسے ہوسکتا ہے میں کوئی مشرک تو نہیں۔

ان آیات میں الوہیت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لئے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اُس کی نصرت کے لئے مناظرہ کرنا حضرت ابرہیم علیہ السلام کی سُنّت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو غروب یا غائب ہو جائے' وہ خدا نہیں ہوسکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا مجسم نہیں ہوسکتا' کیونکہ اگر وہ مجسم ہوتا تو وہ کسی ایک اُفق کے سامنے ہوتا تو دوسرے اُفق سے غائب ہوتا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا صفات حادثہ (غیر مستقل' موقتی' عارضی اور فانی صفات) کا محل نہیں ہوسکتا کیونکہ جو محل حوادث ہو وہ متغیر ہوگا اور متغیر خدا نہیں ہوسکتا۔ جس طرح غروب ہونے والا خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے' نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے بلکہ عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ' چانداور سورج کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور متغیر خدا نہیں ہوسکتا۔

قوم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو باطل معبودوں کی مخالفت سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اُن کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

﴿وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ (انعام/۸۰)

جن کو تم (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہو' مجھے اُن سے کوئی ڈر نہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر بت ساز بھی تھا اور بت فروش بھی۔ چھوٹے

بڑے بیشمار پتھر، لکڑی اور کانسے کے بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرتبہ اُس کے بت کو ہاتھ میں لے کر بازار میں اعلان کیا کہ کون خریدتا ہے وہ چیز جو صرف نقصان ہی دیتی ہے۔ نفع بالکل نہیں دیتی۔ اگر کسی کو اپنی دُنیا و دِین دونوں برباد کرنے ہوں تو یہ خریدلو۔

من یشتری مایضرہ، ولا ینفعہ، (تاریخ طبری)

اے اصنام وَ اوثان کے پجاریو ! کون ہے جو ایسے بتوں کو خریدے گا جو نہ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی اُسے نفع دے سکتے ہیں۔

شہر کے بڑے چھوٹے سب اپنی آنکھوں سے بتوں کی ذِلت دیکھتے رہے اور اپنے کانوں سے اُن کی لعنت کا برملا اعلان سُنتے رہے مگر حق کے داعی کو بتوں کی اہانت سے کوئی باز نہ رکھ سکا اور کسی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بت نہ خریدے۔

کوچہ وَ بازار میں ان بتوں کی تذلیل وَ توہین کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام بتوں کو لے کر ایک نہر پر تشریف لے گئے۔ **فصوب فیہ رؤسھا وقال اشربی استھزاء لقومہ** (قرطبی) پس بتوں کے سَر نہر میں ڈبو کر اپنی قوم کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: پانی پی لو ! سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے اس طرزِ عمل سے بت پرست قوم پر یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ پتھر یا لکڑی کے خود ساختہ بتوں کی پرستش اس خیال سے کرتے ہو کہ وہ تمہاری حاجت روائی یا تمہیں نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں تو اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لو، یہ میرے ہاتھ میں کس درجہ بے بس ہیں۔ تمہارے مشرکانہ عقائد، محض فتورِ عقل اور کور دماغی کی پیداوار ہیں۔ تمہیں شیطان نے راہِ حق سے جُدا کر کے دامِ تزویر میں پھنسا رکھا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ سب کام قوم کے سامنے کیئے۔ اس پر صنم تراش آزر اور بت پرست قوم رنجیدہ اور ناراض ہوگئی۔ قوم حجت بازی کرتے ہوئے کہنے لگی کہ

ابراہیم ! اگرتم ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو یہ بت تم کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ تم ان کی طاقت سے بے خبر ہو۔ یہ بت ہمارے باپ داداوں کے معبود ہیں اوران کی مدد سے دُنیا قائم ہے اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ (خازن وروح المعانی)

جب قوم نے حجت بازی کی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ سُن لو کہ میں تمہارے بتوں' تمہارے نمرود' تمہاری قوت وطاقت سے بالکل نہیں ڈرتا۔ اے میری قوم ! تم میری ایسی اعلیٰ گفتگو سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کو بتوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم برص میں مبتلا ہوجاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہوجائیں گے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (تفسیر تبیان القرآن بحوالہ جامع البیان)

﴿**وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَالَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا**﴾ (الانعام/۸۱) اور میں ان (معبودانِ باطلہ) سے کیسے ڈر سکتا ہوں (کیونکر خوفزدہ ہوسکتا ہوں) جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے (جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو) جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان (بتوں) کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر (اس شرک کی) کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے جب انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے اُن کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر

پہنچانے پر قادر نہیں ہیں ۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے اُن کو کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں ۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دُنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون ما مون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچانا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔ اے قوم میں تمہارے شرک و بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں ان سے کیوں ڈروں' میں تو اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں ہوں ۔ ڈرنا تو تمہیں چاہئیے ۔

باطل پرست قوم سیدنا ابرہیم علیہ السلام کی دلیل سے لا جواب ہوگئی مگر صدیوں کی بت پرستی اور واہمہ نے ان کے عقلوں کو ماؤف کر دیا تھا۔ جب ان سے کچھ نہ بن پڑا تو آپ سے جھگڑنے لگے۔ نبی برحق کفر وشرک کے نرغے میں اللہ کی بخشی ہوئی طاقت وجرأت کے باعث حراساں نہ ہوا اور تبلیغ حق کے مشن کو جاری رکھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوری قوم کے باطل نظریۂ بت پرستی کو عملاً ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا' اور فرمایا: اے میری قوم ! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو' میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رُخ کر چکا ہوں' میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دین حنیف' دین حق اور دین توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں' جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق' اس کا مدبر اور اس کا مربی ہے' جس کے قبضہ وقدرت میں ہر چیز ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ :

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک ایسے شخص سے مناظرہ کیا جس نے عظمت و کبریائی کی مصنوعی چادر اُوڑھ کر عظمت وجلال والی ذات سے جھگڑنا چاہا اور بزعم خود خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا حالانکہ وہ تو ایک نحیف وضعیف انسان تھا۔ نمرود باغی وَ سرکش اور جابر ومتکبر بادشاہ تھا۔ دُنیوی زندگی پر لٹو تھا۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُسے وحدہٗ لاشریک ذات کے حضور سربسجود ہونے کے لئے دعوت دی تو اُس کی جہالت وگمراہی اور لمبی اُمیدوں نے اُسے خالق کائنات کے انکار پر مجبور کر دیا۔ اس بارے میں وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑ پڑا اور اپنے رب ہونے کا دعویدار بن بیٹھا۔

اقامتِ دین کے عظیم کام کی انجام دہی کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حکمران وقت کے سامنے بھی دعوتِ حق رکھی اور اسے متنبہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بادشاہی کے زعم میں خدائی دعوے نہ کرے کیونکہ زندگی وموت اور کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار ظلم ہے اور ظلم ہدایت سے محرومی کا سبب۔ ارشادِ ربّانی ہے :

﴿اَلَمۡ تَرَ إِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ إِبۡرَاهِيۡمَ فِىۡ رِبِّهٖۤ أَنۡ آتَاهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ﴾ (البقرہ/۲۵۸)

اے محبوب ! کیا تم نے نہیں دیکھا تھا اُسے (نمرود کو) جو ابراہیم سے (غرور، تکبر، خود بینی، خوسری کی بناء پر) جھگڑا (مباحثہ کیا تھا، حجت لڑائی تھی)، اُس کے رب (اللہ تعالیٰ کے وجود) کے بارے میں کہ دے رکھی تھی اللہ نے اُسے حکومت۔ (تفسیر اشرفی)

اس آیت میں حضور نبی کریم سید الاولین والآخرین ﷺ سے خطاب ہے کہ اے محبوب ! کیا تم اپنی نگاہِ علم و اِدراک سے دیکھ نہیں چکے اُس (نمرود) کم عقل،

ناسمجھ، فہم وفراست سے عاری، کٹ حجتی والے کو جس نے حجت لڑائی تھی (سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے) اور بظاہر مناظرانہ طور وَطریق اپنانا چاہا تھا (یعنی آپ نے اپنی ان آنکھوں سے ضرور دیکھا تھا کیونکہ آپ ولادت پاک سے پہلے سارے عالم کو دیکھ رہے تھے)۔ اُسے یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ کا معنی ہے فریقین کی دلائل میں نظر کرنا......المختصر......انانیت، ہٹ دَھرمی، کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے......

الحاصل......اس کٹ حجتی کرنے والے نے کٹ حجتی بھی کی تو کس سے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے۔اور وہ بھی کس کے بارے میں؟ اُن کے رب کے بارے میں۔ چونکہ دے رکھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت۔ بادشاہی ملتے ہی اُس نے حجت بازی شروع کر دی، اس پر اُسے اُس کے کبر نے اُبھارا، چنانچہ وہ سَرکشی میں پڑ گیا اور حجت باز بن بیٹھا۔ (تفسیر اشرفی، حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی)

نمرود ابن کنعان بابل کا بادشاہ تھا جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم وستم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا، سارے جہاں کی بادشاہت اُس کو ملی، اُس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی۔ چار سو سال اپنی بادشاہی کے رُعب ودَبدبہ میں گذارے اور چار سو سال مچھر نے اُسے کاٹا جو ناک کے راستے اُس کے دماغ میں گھس گیا تھا۔ وہ اپنے سَر پر جوتے لگواتا رہا، اُس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کرنے کے لیے بلند قلعہ بنوایا تھا۔ اُس کا دارالخلافہ ملک عراق کے شہر بابل میں تھا۔ (تفسیر کبیر، رُوح المعانی، خازن، رُوح البیان)

تمام روئے زمین کے چار بادشاہ :

جن کو پوری دُنیا کی بادشاہت حاصل رہی ہو۔ وہ صرف چار شخص ہیں۔

جن میں دو مسلمان اور دو کافر:

ایک حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام

دوسرے حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام

تیسرا نمرود اور چوتھا شداد بن عاد جس کا نام بخت نصر تھا
'شداد' نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی۔ جنت جب تیار ہوئی تو دیکھنے کے لیے گیا ابھی اُس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اُس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل کو حکم ہوا کہ اُس کی رُوح کو قبض کرلو۔ (تفسیر عزیزی، رُوح البیان)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟

کبیر اور رُوح المعانی میں دو قول نقل کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کے توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو اُس وقت یہ مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کون سا ہے جس کی عبادت کروں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی رَب کے متعلق دلیل :

اللہ جل شانہ' نے اپنے خلیل کے اس مناظرہ کا تذکرہ فرمایا ہے جو انہوں نے ایک سرکش و متکبر ایسے بادشاہ (نمرود) سے کیا جس نے بزعم خود خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے خدا ہونے کی دلیل کو رَدّ فرما دیا۔ اُس کی جہالتِ کثیرہ اور عقلِ قلیل کو ظاہر فرما دیا۔ دلائل و براہین سے اُسے ایسی لگام دی کہ اُس کے لئے درمیانی راہ کو واضح کر دیا۔ حکومت و اقتدار کے نشہ میں نمرود نے اپنے مالکِ حقیقی کو بُھلا دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شرک و الحاد کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس مٹی کے ناچیز ٹیلے کو رب ماننے سے صاف انکار کر دیا تو نمرود نے سرِ مجلس آپ سے آپ کے رب کے متعلق دریافت کیا۔

'اس کو تو چاہیئے یہ تھا کہ جب اُسے بادشاہی ملی تھی' تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا' لیکن اُس نے اس کے برعکس کیا۔یعنی جو اُس پر واجب تھا' اُس کے خلاف کیا...... چنانچہ......اپنی قید سے نکال کر آتش کدہ میں ڈالنے سے پہلے...... یا......آتش کدہ سے صحیح وَ سلامت نکل آنے کے بعد اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے؟ تو اے محبوب ! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نمرود کے اس سوال کے جواب میں جب کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے' میرا رَب ہے وہ جو زندہ کرتا ہے اور جان کی صلاحیت رکھنے والے بے جان جسم میں رُوح ڈالتا ہے اور رُوح رکھنے والے اجسام سے اُن کی رُوح نکال کر انھیں مارڈالتا ہے۔(تفسیر اشرفی' حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی)

﴿إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ (البقرہ/۲۵۸)

جب کہا ابراہیم نے' میرا رب ہے جو زندہ کرتا اور مارڈالتا ہے۔ (تفسیر اشرفی)

یعنی اجسام میں موت وَ حیات کو پیدا کرتا ہے۔ایک خدا کو پہچاننے والے کے لیے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رَب کے وجود کی شہادت دے رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطا فرمائی' وہ رب ہے اور زندگی کے بعد پھر اجسام کو جو موت دیتا ہے وہ پروردگار ہے اُس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت وَ حیات میں موجود ہے

تلاش نور میں بھٹکوں میں دَر بدر کیوں کر مرا وَجود ہی کافی ہے روشنی کے لئے (قیسؔ)

اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمالِ جہالت وَ سفاہت اور انتہائی بدنصیبی ہے۔

یہ دَلیل ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے بن نہ پڑا' اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اُس کو لاجواب اور شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے تو اُس نے کج بحثی (ٹیڑی بحث) اختیار کی۔

﴿قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ﴾ (البقرہ/۲۵۸) (نمرود) بولا : میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ (بولا کہ میں جلاتا مارتا ہوں) (تفسیر اشرفی)

نمرود، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دلیل نہیں سمجھ سکا۔ اس قدر موٹی عقل کا انسان تھا کہ اُس نے زندہ کرنے کا معنی زندہ چھوڑ نا سمجھا، حالانکہ زندہ کرنے کا معنی ہے بے جان جسم میں جان ڈالنا۔

'نمرود اس قدر کم عقل تھا کہ وہ مار ڈالنے اور زندہ کرنے کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا...... الغرض...... درحقیقت احیاء کیا ہے؟ اور اماتت کیا ہے؟ وہ سمجھ ہی نہ سکا اور اُس نے خیال کیا کہ کسی گناہ گار مجرم کو جُرم سے بَری کر دینا اور اُسے چھوڑ دینا اس کو زندہ کر دینا ہے۔ اور یونہی کسی بے گناہ کو قتل کر دینا، یہ اُس کو مُردہ کر دینا ہے۔
(تفسیر اشرفی، حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی)

قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمرود کے پاس دو ایسے آدمی پیش کئے گئے جن کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تب اُس نے ایک کو قتل کرنے اور دوسرے کو رہا کر دینے کا حکم دیا اور اس طرح حقیقت ناشناسوں کے سامنے اپنی جھوٹی خدائی کی لاج رکھ لی۔ اُس نے سمجھا کہ گویا ایک کو زندہ کر دیا اور دوسرے کو مار دیا ہے حالانکہ یہ عمل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چیلنج کے معارض نہ تھا بلکہ مقامِ مناظرہ سے خارجی کلام تھا یہ مانع و معارض نہیں بلکہ محض شَر کو بھڑ کانے والا اور حقیقت سے منقطع تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تو ان مشاہدات کے وقوع پر اُن کے بنانے والے کے وجود پر دلیل لی تھی کہ اُن کی موت و حیات کا سلسلہ بغیر کسی ہستی کے ممکن نہیں بلکہ ضرور کوئی فاعل حقیقی ہے خود بخود ان کا قیام نہیں ہو سکتا، ضرور کوئی ایسی ہستی ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور مسخر کیا اور سیاروں، ہواؤں، بادلوں اور بارش کو ان کے مقصد میں چلایا۔ کائنات عالم میں موجود حیوانات کو پیدا فرمایا پھر انہیں آغوشِ موت عطا کی، اسی

لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے دو قیدیوں کو طلب کر کے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو چھوڑ دیا...... اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ۔۔ یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں اُسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مار دیتا ہوں۔ یہ اُس کی نہایت احمقانہ دلیل تھی۔ کہاں، قتل کرنا اور چھوڑنا؟ اور کہاں، موت وحیات پیدا کرنا؟ قتل کئے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے زندہ چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں اُس کی ذِلّت کے لیے کافی تھا۔عقلمندوں پر تو ظاہر ہو گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دَلیل قوی اور قطعی ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

'سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جواب نہایت خوبی والا تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہو سکتی جب تک اس کی صفات کا علم حاصل نہ ہو اور ساتھ ہی اس کے افعال بھی معلوم ہوں کہ وہ ایسے افعال کا مالک ہے کہ اس کے افعال کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنی ہی قدرت رکھتا ہو۔احیاء واماتت یعنی مارنا اور جلانا اسی قبیل سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو سمجھانے کے لئے قدرتِ الٰہی کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کو سمجھانے کے لئے بطور مثال احیاء واماتت کو پیش کیا۔نمرود اپنی کم عقلی کے سبب قدرتِ الٰہی کی اس مثال کو سمجھنے سے قاصر رہا تو پھر فوراً ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدرت الٰہی کی دوسری مثال پیش فرما دی۔
(تفسیر اشرفی، حضور شیخ الاسلام سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی)

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعویٰ بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی ! الوہیت موت وَحیات پیدا

کرنا تیری قدرت میں کہاں بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا' اس سے آسان کام کر کے دکھا۔

﴿قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (البقرہ/۲۵۸)

ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے' تو اُس کو مغرب سے لے آ یعنی یہ سورج خالقِ کائنات کے حکم کے مطابق ہر روز مشرق سے نکلنے پر مامور و مسخر ہے وہی اللہ جو اس کو چلاتا ہے اور حکم عطا فرماتا ہے وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر تجھے یہ گمان ہے کہ تو بھی زندگی وَ موت کی خیرات بانٹ سکتا ہے تو پھر ذرا سورج کو تو مغرب سے لا کے دِکھا؟ کیونکہ جو موت و حیات پر قادر ہو وہ تو جو چاہے کر لے۔ وہ تو ممنوع و مغلوب نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ہر چیز مقہور و مغلوب ہوتی ہے۔ اگر تو ویسا ہے جیسا تجھے گھمنڈ ہے تو پھر کر گزر۔ اور اگر تو نہ کر سکا تو پھر اپنے گمان و خیال میں جھوٹا ہے پھر تو اور تیرے علاوہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ تو ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ تیری عاجزی اور کمتری کا عالم یہ ہے کہ تو ایک مچھر کو بھی پیدا کرنے کی طاقت وَ صلاحیت نہیں رکھتا۔ پیدا کرنا تو دَرکنار بلکہ اگر وہ تجھے کاٹ کھائے تو بدلہ بھی نہیں لے سکتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُس کے دعویٰ کی تکذیب' اُس کی جہالت وَ ضلالت اور جس راستے پر گامزن تھا اُس کے بطلان کو روزِ روشن کی طرح واضح فرمادیا۔ اپنی قوم کے سامنے بزعم خود جس خدائی کا دعویٰ اُس نے کیا تھا اس خدائی کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اس صامت وساکت کلام کے مقابلہ میں اُس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہ تھی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیتا بلکہ چُپ سادھ لی (ہوش اُڑ گئے)۔

﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِیْ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (البقرہ/ ۲۵۸)

ہوش اُڑ گئے کافر کے (مبہوت ہو گیا) اور اللہ راہ نہیں دِکھاتا ظالموں کو۔

بُهِـــتَ کے معنی حیرانی وتہمت کے ہیں۔ بہتان اسی لئے کہتے ہیں کہ سُننے والا حیران رہ جاتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کافر کفر کی وجہ سے حیران و پریشان رہ گیا ورنہ کج بحثی کرسکتا تھا' اللہ تعالیٰ کافروں کو آخرت میں جنت کے راستے کی ہدایت نہ دے گا۔ ظالم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس مثال کو پیش کر کے اس کم عقل کی کٹ حجتی کے سارے دَروازے بند کر دیئے گئے وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا' وہ مبہوت و مدہوش ہو گیا اور اس کی حجت منقطع ہو گئی' ورنہ اس میں بھی کج بحثی (تیڑھی بحث) اس طرح کرسکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے تو میں لاتا ہوں' تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ مغرب سے لائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے مبھوت کر کے لاجواب کر دیا' وہ اس طرح ذلیل ہوا۔

کافر نمرود کے ہوش اُڑ گئے اور کہنے لگا یہ شخص مجنون ہے' اسے دربارشاہی سے باہر لے جاؤ۔ کیا تم اس کو دیکھتے نہیں کہ اسی جنون کی وجہ سے اس نے تمہارے خداؤں کو توڑنے کی جرأت کی اور آگ نے بھی اسے نہیں کھایا۔نمرود کو خوف لاحق ہوا کہ قوم کے سامنے کہیں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) اُسے رُسوا نہ کر دیں۔ (تفسیر درمنثور)

(☆) کفار سے مناظرہ کرنا سُنّت انبیاء ہے جیسے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کیا تھا۔

(☆) مناظرہ میں مقابل اگر آسانی سے شکست کھا سکے تو دشوار طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے ۔ ابراہیم علیہ السلام نے زندگی اور موت کے مسئلہ پر نمرود سے بہت کچھ جرح قدح کر سکتے تھے مگر آپ نے اس کی حماقت محسوس فرما کر دوسری واضح تر مثال پیش فرما دی جس سے وہ بآسانی خاموش ہو گیا۔

(☆) انبیاء کے مقابلہ کا انجام بُرا ہے' نمرود جیسا بادشاہ مخالفتِ خلیل سے ذلیل ہو کر مرا۔

(☆) رب تعالیٰ دُنیا میں کفار کو بھی تخت کا مالک بنا دیتا ہے۔ یہ اُس کے رضا کی علامت نہیں۔ نمرود جیسے کافر کو جہان کا بادشاہ بنا دیا۔

(☆) مومن کے لئے مال ذریعہ ہدایت ہے اور کافر کے لئے ذریعہ گمراہی۔ نمرود اپنے مال کے دھوکے میں دعویٰ خدائی کر بیٹھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اناج دینے سے انکار :

حضرت سدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے باہر تشریف لائے اُسی دن نمرود سے مناظرہ ہوا۔

دُنیا کے دوسرے آمروں (ڈکٹیٹرس) کی طرح نمرود بھی اپنی رعایا کے رزق کے جملہ وسائل کو اپنے قبضہ میں لئے ہوئے تھا جو اُس سے رزق کی بھیک مانگتا تو پہلے وہ اُس سے اپنی خدائی کا اقرار کراتا تب اُن کو مٹھی بھر غلہ دیتا۔

علامہ ابن جریر طبری زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا جابر (آمر مطلق۔ڈکٹیٹر) نمرود تھا۔لوگ اُس کے پاس حاضر ہوتے وہ اُن کے کاسئہ گدائی میں کچھ ڈال دیتا۔ ایک دن نمرود ذخیرہ کئے ہوئے اناج کو لوگوں کے وفود میں تقسیم کر رہا تھا۔

جب روزی کے طلب گار جھولیاں پھیلائے اُس کے سامنے حاضر ہوئے تو اُس نے پوچھا۔

مَنۡ رَّبُّکُمۡ تمہارا پروردگار کون ہے؟

قَالُوۡا اَنۡتَ تو وہ کہتے کہ تو ہمارا رب ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اہل خانہ کے لئے اناج کے حصول کے لئے نمرود کے پاس گئے' نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بھی اسی طرح کے سوالات کئے' اور وہیں پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ ہوگیا۔

مناظرہ کے بعد جب نمرود سے کوئی جواب بن نہ سکا تو کہنے لگا: میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلّہ نہیں۔ تم اپنے رب سے مانگو، وہی تمہیں غلّہ دے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خالی ہاتھ واپس کر دیا۔

ریت غلّہ بن گئی :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام، نمرود سے مناظرہ کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہوئے راستے میں ریت کے ٹیلے پر رُکے۔ وہاں سے ایک تھیلے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے تا کہ تھیلے میں کچھ بندھا ہوا دیکھ کر گھر والوں کو اطمینان ہو جائے، آپ نے تھیلا رکھا اور سو گئے۔ آپ کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اُسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گندم تھا۔ آپ نے اُسے پیس کر روٹیاں تیار کیں۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام جاگے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا کہ یہ گندم کہاں سے آئی ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: وہی جو آپ تھیلا بھر کر لائے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ رب تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔ آپ اُسے دیکھ کر اپنے رب کی قدرت اور اُس کی عنایت پر اُس کا شکر ادا کرنے لگے۔ (تاریخ طبری، جلد اول)

نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم :

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم و متکبر نمرود کے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا تا کہ وہ اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کی دعوت دے۔ فرشتے نے آ کر کہا: تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا، ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔ وہ بولا: رب تو میں ہی ہوں، میرا رب کون ہے؟ نمرود نے انکار کر دیا۔ تین دفع یہ واقعہ دَرپیش آیا لیکن وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

نمرود اور اُس کی قوم کا انجام :

نمرود کی قوم پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا۔ مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ اُن سے سورج چھپ گیا تھا' زمین پر دھوپ نہ آتی تھی، مچھروں نے اُن کے خون چوس لیے، گوشت چاٹ لیے' سوائے نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کرسکتا تھا' پھر ایک مچھر اُس کی ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا۔ جب اُوپر سے دَھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ کاٹتا' چنانچہ دن رات اُس کے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ (مچھر جب دماغ میں حرکت کرتا تو نمرود کو خارش ہوتی' چار صدیوں تک کسی وزنی چیزوں کے ساتھ نمرود کے سَر کی پٹائی ہوتی رہتی)۔ اب اُس کے دَربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اُس کے سَر پر جوتا رَسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹتا رہا پھر بہزار ذِلت مرا۔ اُس کی عمر آٹھ سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئی۔ (خزائن العرفان' خازن' تفسیر نعیمی)

مچھر کے ذریعے نمرود کو ایسے توہین آمیز عذاب میں مبتلا کیا کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے سرکش' رہتی دُنیا تک اُس کو یاد رکھیں گے۔

نمرود عبرتناک موت مرگیا' سَر پھٹ گیا' جسم کی بد بو پھیل کر بیماریاں پیدا کررہی تھی ...... نمرود کے لواحقین نے سوچا کہ اگر اُس کی نعش کو اسی طرح دفن کردیا جائے تو کہیں بیماری نکل کر ہم کو چپٹ نہ جائے۔ بعض نے کہا کہ اگر اسی طرح دفن کردیا جائے تو اُس کی رُوح تڑپتی رہے گی ......الغرض......نمرود کی نعش کو آگ میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ تاریخی لحاظ سے سب سے پہلے نمرود کی نعش کو جلایا گیا' چونکہ اُس نے ہی آگ کا سلسلہ شروع کیا اس لئے سب سے پہلے اسی کو آگ سے جلایا گیا۔ وہاں سے یہ مذہب مصر میں آیا اور مصر سے ہندوستان میں۔ **العیاذ باللہ تعالیٰ من ھذہ الکفریات**

ہندو بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر نعش جلائی نہ جائے تو رُوح بے قرار رہتی ہے اور چھوت کا مذہب بھی وہاں سے ہندوؤں میں آیا کہ بیماری اُڑ کر لگتی ہے۔ اسلام نے ان سب خیالات کی تردید فرمائی ہے۔ (تفسیر نعیمی، پارہ ۱۷)

ابراہیم علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا :

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۚ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ (البقرہ/۲۶۰)

اور جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب ! مجھے دِکھا دے تو کیوں کر مردہ زندہ کرے گا۔ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں، مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے دِل کو قرار آ جائے (میرا دِل مطمئن ہو)۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ابھی بیان ہوا جس میں نمرود کی کج بحثی کا ذکر تھا کہ اُس نے قتل نہ کرنے کو زندہ کرنا اور قتل کر دینے کو موت دینا سمجھ کر اپنے کو خدا کہا، یعنی نمرود نے قتل کو موت دینا اور معافی کو زندہ کرنا سمجھا۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے زندہ کرنے کا طریقہ یعنی احیاء دیکھنے کی اپنے رب سے درخواست کی، جس سے رب اور بندہ میں فرق ہوا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو جواب دیا تھا کہ میرا رب مرے ہوئے کو زندہ فرماتا ہے۔ آپ نے یہ خیال کیا ہوگا کہ اگر آئندہ کبھی اس بے دین سے اس قسم کا مناظرہ ہو جائے اور وہ یہ سوال کر بیٹھے کہ کیا تم نے کبھی یہ دیکھا ہے؟ نمرود کو لاجواب کرنے کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تاکہ احیاءِ موتی کی عینی شہادت دے سکیں۔

احیاء موتیٰ (مُردے کو زندہ ہوتے دیکھنا) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اصل مقصود نہ تھا آپ چاہتے تھے کہ کسی صورت رب تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کریں' اس کے لئے آپ نے یہ ذریعہ اختیار فرمایا۔ (تفسیر کبیر و خازن)

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مردہ شخص کے پاس سے گزرے' کہتے ہیں کہ ساحل سمندر پر ایک حبشی مرا پڑا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ اسے سمندر کے جانور نوچ رہے ہیں' درندے اور پرندے اُسے کھا رہے ہیں' اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار یہ سمندر کے جانور' یہ درندے' پرندرے اس انسان کو کھا رہے ہیں' پھر یہ بھی مرجائیں گے اور پوشیدہ ہو جائیں گے پھر تو انہیں زندہ کرے گا' پس تو مجھے دِکھا دے کہ تو انہیں کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم ! کیا تجھے یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرسکتا ہوں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: یا رب ! مجھے یقین ہے لیکن یہ اس لئے عرض کیا ہے تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے اور میں تیری نشانیاں دیکھ لوں اور جان لوں کہ تو میری عرض کو قبول فرماتا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

امام ابن جریر نے حضرت ابن جریج عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ پر چل رہے تھے جس پر ایک مردار گدھا پڑا تھا۔ اس پر پرندے اور درندے بیٹھے تھے۔ وہ اس کا گوشت نوچ چکے تھے اور اس کی ہڈیاں باقی تھیں۔ آپ کھڑے ہو گئے اور تعجب کرنے لگے' پھر کہا: اے میرے پروردگار ! مجھے معلوم ہے کہ تو اس کو ان درندوں اور پرندوں کے بطنوں (پیٹوں) سے جمع کرے گا' اے میرے پروردگار مجھے دِکھا دے کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں' یقین ہے لیکن خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔ (تفسیر طبری بحوالہ تفسیر درمنثور)

اس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس بات میں متردّد تھے۔ ہرگز نہیں' کیونکہ یہاں سوال **کیف** سے ہو رہا ہے اور **کیف** سے سوال اس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ (قرطبی)

یہاں آپ کی زبان سے کہلوادیا **بلیٰ** کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لئے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ تو جب ایمان وَیقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرادے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔ (قرطبی)

اس سوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اطمینانِ خاطر کے لئے اس قسم کے سوالات اپنے اُستاذ اور مُرشدِ کامل سے پوچھ لینا جائز ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے مُردَوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سترہ (۱۷) وجوہ بیان فرمائی ہیں' لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ ظاہر اور واضح ہیں باقی وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ : آپ کو پہلے علم استدلالی حاصل تھا۔ اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علم ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی کے لئے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا علم شک سے پاک ہوتا ہے البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا

حق حاصل نہ ہو کہ تم نے مُردَوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں، تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ : آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے میری دُعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے۔ اس صورت میں **اولم تؤمن** کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں کہ تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے۔ تم میرے پسندیدہ اور میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ : آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا۔ آپ نے سوال اس لئے کیا تاکہ علم الیقین کی طرف ترقی ہو جائے، کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ **عین الیقین** مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن **علم الیقین** میں مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

چوتھی وجہ :جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی ﴿**رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْت**﴾ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ ! تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کر، میں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔

(شرح نووی علی المسلم ،ج:۱ کتاب الایمان باب زیادة طمانیة القلب)

اعتراض: حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ کو یقین نہیں تھا۔

جواب : حدیث پاک کے ترجمہ اور سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں جو معترضین پیش کرتے ہیں۔ حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں، مطلب خود واضح ہو جائے گا۔

'عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال نحن احق بالشك من ابراهيم إِذْ قَالَ إِبْـرَاهِيْـمُ رَبِّ أَرِنِـىْ كَيْفَ تُـحْيِ الْمَوْتٰى ۚ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۚ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ (مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب زیادۃ طمانیۃ القلب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بے شک حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب، مجھے دِکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا؟ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کی کیوں نہیں، مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دِل کو قرار آ جائے۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں اُن کی نسبت زیادہ حق ہے بلکہ حدیث پاک کا ترجمہ جو بیان کیا اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے، تاہم زیادتی وضاحت کے لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی شرح بیان کی ہے۔ اس سے ایک قول بیان کیا جا رہا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد: '**نحن احق بالشك من ابراهيم**' کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابو ابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

'معناه ان الشك مستحيل فى حق ابراهيم فان الشك فى احياء الموتى لوكان

متطرقا الی الانبیاء لکنت انا احق به من ابراھیم وقد علمتم انی لم اشك فاعلموا ان ابراھیم لم یشك'

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے مُردوں کو زندہ کرنے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے شک واقع ہوسکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے میں'مَیں زیادہ حق رکھتا۔ اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مُردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں۔ تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہئیے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

خیال رہے کہ حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی اور عجز وَ انکساری سے اپنے آپ کو اُن سے کم مرتبہ بیان کیا' ورنہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

مُردے زندہ ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو دِکھادیئے :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس مودبانہ انداز سے اپنا معروضہ پیش کیا' اس کا ثمرہ انھیں یہ ملا کہ رب قادر مطلق نے نہایت آسان طریقے سے اُن کے سوال کا جواب عطا فرمادیا اور انھیں اُن کی شان کے لائق اطمینان کی دولت بخش دی۔ (تفسیر اشرفی)

﴿قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (البقرہ/۲۶۰)

فرمایا: اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کرلو' پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو' پھر انہیں بلاؤ' تمہارے پاس چلتے آئیں گے' پاؤں سے دوڑتے اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لیں' اُنھیں ذبح کرکے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور پھر

اُنھیں آپس میں ملا دیں۔ پھر ان ملی جُلی بوٹیوں کے چار حصے کرلیں اور ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑی پر رکھیں، پھر ان پرندوں کو اپنی طرف بُلائیں اور اپنے رب کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے یعنی مور، گدھ، (ایک روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر آیا ہے) کوّا اور مرغ اپنے ساتھ پہلے مانوس کئے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُن کے ٹکڑے کئے اور اُن کے گوشت و ہڈیاں وغیرہ کو خلط ملط کر کے چار پہاڑوں پر اُن کو رکھ دیا، پھر آپ نے انہیں پکارا :

اے جُدا جُدا ہڈیو ! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو ! اے کاٹی ہوئی رگو! ایک دوسرے سے مل جاؤ ! تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری رُوحوں کو تم میں لوٹا دے۔

یہ سُن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسرے میں مل گئیں۔ پَر دوسرے پَروں سے جا ملے۔ گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے، یہاں تک کہ خون، خون سے مل گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف وہ پرندے اُڑتے ہوئے نہیں بلکہ دوڑتے ہوئے آئے تا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اچھی طرح اُن کا مشاہدہ فرمالیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا کہ ان پرندوں کے سَروں کو اپنے ہاتھ میں ہی رکھیں، جب ہر پرندہ دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا، آپ اس کا سَر اُس کے جسم پر رکھتے تو وہ پہلی ہی حالت پر تیار ہو جاتا۔ بلاشک وارتیاب سیدنا ابراہیم علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھتے تھے لیکن انہوں نے چاہا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیں تا کہ علم الیقین، عین الیقین میں بدل جائے اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کی اُمید کو پورا فرما دیا، اس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ رہے تھے کہ آپ

کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ کو عین الیقین کا مرتبہ عطا کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے ابراہیم ! تم نے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ بیشک میں نے زمین کو پیدا کیا ہے اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں :

(۱) شمالی جانب سے چلنے والی ہوا

(۲) جنوبی جانب سے چلنے والی ہوا

(۳) بادِصبا

(۴) بادِبور

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تمام مُردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہو جائیں گے جیسے ان چار پرندوں کو تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کر دیا گیا ہے۔ میرے سامنے تم تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا ہے۔ (رُوح المعانی)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزے (احیاءِ موتیٰ) کے قادیانی اور نام نہاد اہلحدیث' غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری (فاضل دارالعلوم دیوبند) بھی منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پرندوں کو ذبح نہ کیا گیا تھا۔ غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری پر خود غیر مقلدوں نے اسی وجہ سے الحاد اور بے دین کا فتویٰ دیا۔ دیکھو غزنوی پارٹی کی کتاب الاربعین فی ان ثناء اللہ من المحدثین اور جب اُن کی تفسیر ثنائی ابن سعود کے دورِ حکومت میں علمائے حجاز کی نظر سے گذری تو انھوں نے بھی ثناء اللہ امرتسری کو توبہ کا حکم دیا۔

دہریوں' ملحدوں اور معتزلہ کے نقشِ قدم پر بعض غیر مقلدین بھی کرامات و معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ انہی منکرین میں عنایت اللہ اثری اور ثناء اللہ امرتسری بھی شامل ہیں۔ تفسیر ثنائی دیکھنے سے اندازہ ہوگا کہ وہ معجزات کے انکار میں کس قدر جری ہیں۔

اسی وجہ سے علماءعرب وعجم کواُن کے بارے میں الحادوزندقہ اوراہلِ سُنّت وجماعت سےخروج کافتویٰ صادرفرمانا پڑا۔

مُردے سُنتے ہیں : صاحبِ تفسیراشرفی، حضورشیخ الاسلام رئیس المحققین سلطان المشائخ علامہ سیدمحمدمدنی اشرفی جیلانی فرماتے ہیں:

'سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اسی واقعہ پرغورکرنے سے یہ حقیقت کھل کرسامنے آجاتی ہے کہ مُردہ سُنتا بھی اورسمجھتا بھی ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ دوڑبھی سکتا ہےاورپروازبھی کرسکتا ہے۔اس کوصرف اس لئے مُردہ کہا جاتا ہے اس میں رُوح نہیں...... الغرض......رُوح سے جوزندگی ملتی ہے، وہ اس میں نہیں اورچونکہ رُوح کسی کی حیات ولوازم کے لئے ایک 'سبب عادی' ہے نہ کہ سبب لازمی'۔اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی میں رُوح نہ ہولیکن اس میں زندگی ہواوروہ بغیررُوح کے بھی بطورِخرق عادت سُنے، دیکھے، چلے، پھرے، دوڑے، اُڑے......المختصر ......اس کے سارے حواس ظاہری اورباطنی بغیررُوح کے بھی کام کریں۔

اب اگربالفرض کسی میں رُوح والی زندگی نہیں ہےتو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ کسی معنی میں بھی زندہ نہیں۔ایسے زندگانی کے آثارواطوارکاظہورازروئے عقل محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔اورصرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہےجس کا مشاہدہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں مذکورپرندوں نے کرایا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہی مشاہدہ فرمانا چاہتے تھے کہ کسی رُوح والےجسم سے رُوح کےنکل جانے کے بعداس میں رُوح کیسے واپس آتی ہے؟ عام طورسےعرف میں اسی کو'احیاءموتی' کہاجاتا ہے کیونکہ عرف وعادت میں کسی جسم کی وہ زندگی جس کا سبب رُوح ہو'اس کوحیات کہاجاتا ہےاورپھراس جسم سےرُوح کےنکل جانے کواس کی موت قراردیاجاتا ہے۔

......الغرض......حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی معروف ومتعارف معنی میں حیات وموت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ خود انھیں کے ہاتھوں سے پرندوں کو ذبح کرایا تا کہ جانے پہچانے معنی میں پرندوں کے مُردہ ہونے کا عین الیقین حاصل ہو جائے اور پھر ان پرندوں کے اجزاء بدن کو اس حال میں بلانے کا حکم دیا گیا کہ وہ سب کے سب بے رُوح تھے۔ صدائے ابراہیمی پر اُن کی دوڑ بھی اس حالت میں ہوئی کہ سب کے سَر کٹے ہوئے تھے' سارے سَر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں تھے لہذا یہاں کسی کے لئے اس گمان کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی کہ یہ دوسرے پرندے آ گئے۔ اگر یہ دوسرے پرندے ہوتے' تو اُن کے سَر کہاں گئے؟ اور یہ دوسرے پرندوں کے سَروں سے کیسے جڑ گئے؟ جب کہ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک پرندے کی بوٹیاں الگ الگ ہو جانے کے باوجود اپنے اپنے ہی سابقہ جسم سے جا کر مل گئیں تھیں۔ اب اگر بالفرض یہ مان ہی لیا جائے کہ یہ سَر کٹے پرندے پہلے والے نہیں تھے بلکہ دوسرے تھے اس صورت موہومہ میں بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جب وہ سَر کٹے تھے تو معروف ومتعارف میں بے رُوح ہونے کی وجہ سے مُردہ ہی تھے اور اُن کو بھی رُوح والی زندگی سَروں سے جڑ جانے کے بعد ہی ملی......المختصر......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے مُردہ ہونے کو بھی دیکھا' اور زندہ ہونے کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ کو اُن کے مُردہ ہونے اور زندہ ہونے دونوں کا 'علم الیقین' حاصل ہو گیا۔ (تفسیر اشرفی)

تنبیہ: بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کو جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے۔ آپ نے جب اللہ کے اذن سے اُن کو بُلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔ مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ اُن کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں' جو میں نے اپنے ساتھ ہلا ملا لئے تھے۔

اور بعض نے کہا کہ آپ نے اُن کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تا کہ آپ کے بُلا نے پر اُن کے تمام اجزا اپنے اپنے اجزا سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آ کر مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں' جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔

حضور علیہ السلام سید الانبیاء اور افضل البشر ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ کمال تھا کہ انہوں نے احیاء موتیٰ کا مشاہدہ کیا' مگر حضور نبی کریم ﷺ نے جنت و دوزخ' حشر و نشر بلکہ رب تعالیٰ کو بچشم سَر دیکھا۔

شرح عقائد میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو معراج جسمانی جاگنے میں ہوئی۔ حضرت محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معراج میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سَر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جمہور صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ ساتوں آسمانوں' جنت و دوزخ اور عرش و کرسی تک بلکہ اس سے بھی اُوپر حالت بیداری میں اپنے جسم کے ساتھ تشریف لے گئے۔

شہزادۂ حضور غوث اعظم مخدوم الملت محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی فرماتے ہیں:

اک قدم فرش پہ ہے ایک قدم عرش پہ ہے
ان کو نزدیک ہے جو دُور ہے سبحان اللہ

صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشنِ ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظمت' علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی نبی اور فرشتہ کو کبھی نہ حاصل ہوا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام کیا' اسی کو' معراج' کہتے ہیں :

غیب کیا چیز ہے ! دیکھ آئے ہیں وہ غیب الغیب　　یعنی وہ ذات جو مشہور ہے سبحان اللہ

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　جب نہ خدا ہی چُھپا تم پہ کروڑوں درود

تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا' اس کی کیا وجہ؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اُڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علو مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطا فرمائی ہے اس لئے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ آپ کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ذبح کر دیا اور اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔ پھر اُن کو بلایا تو ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جُدا ہو کر اپنے اپنے ٹکروں سے مل گئے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرّات جمع ہو جائیں گے اور اُن سے بدن معرض وجود میں آئیں گے' اُن کی رُوحیں اُن سے مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی اس کی تائید کر رہا ہے۔

﴿خُشَّعاً أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ﴾ (القمر/۷)

'نیچی آنکھیں کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ ٹڈی ہیں پھیلی ہوئی' (تفسیر کبیر)

چار کا حکم دینے کی وجہ :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک نے کہا: اے میرے خلیل ! تم نے تو اپنی عبودیت کے پیش نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردہ کو زندہ کر کے دِکھاتا ہوں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، پانی اور ہوا سے مرکب ہیں اس لئے چار کو ذبح کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصر اربعہ کے مرکبات کو زندہ کروں گا۔ (تفسیر کبیر)

سب پرندوں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ :

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوّے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زِینت، مرتبہ، بلند مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف مور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ﴾ (آل عمران/۱۴) خواہشات کی محبت کو لوگوں کیلئے مزین (آراستہ) کر دیا گیا ہے۔

' نظرِ فریب بنادی گئی لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت' (تفسیر اشرفی)

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اسی طرح گدھ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو فرج کی (شہوانی) خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح مرغ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔ انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح کوّا بھی مال کی طلب اور جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے کیونکہ سوائے کوّے کے رات کو اُڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے سخت سردی میں دِن کو صرف کوّا ہی نکلتا ہے۔

انسان کو دُنیا کی نعمتوں پر اس قدر گرویدہ نہیں ہونا چاہیئے جس سے دِین کے کاموں میں فتور پڑ کر جنت کی نعمتوں سے محروم رہ جائے۔

ان چار کو منتخب کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشات نفسانیہ اور خواہشات فرج اور مال کی حرص اور زیب و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اُس کے دِل پر رُوحانیت کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اُسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سفرِ ہجرت

(اضافی توضیحات وتشریحات)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سفری مقامات کے فاصلے :

اُور سے بابل	225 کلومیٹر تقریباً
بابل سے حران	900 کلومیٹر تقریباً
حران سے حلب	300 کلومیٹر تقریباً
حلب سے القدس	600 کلومیٹر تقریباً

القدس سے الخلیل	35 کلومیٹر تقریباً
الخلیل سے مصر	500 کلومیٹر تقریباً
الخلیل سے مکۃ المکرّمۃ	1450 کلومیٹر تقریباً

مقامِ پیدائش :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش سرزمینِ عراق، شہر بابل کے شمال مشرق میں واقع **کُوئی** نامی قصبہ ہے، البتہ آگ سے صحیح سلامت بچ نکلنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام **اُور** چلے آئے اور وہیں سے حران (ماضی میں ملک شام کے حدود میں تھا۔ موجودہ جنوبی ترکی) اور پھر مصر سے واپسی کے بعد فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی۔ جہاں سے دِین حق کی تبلیغ واشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔

عراق :

یہ ملک ایران، ترکی، اردن، سعودی عرب اور کویت کے درمیان واقع ہے۔ اسے عراق کا نام دیا گیا کیونکہ یہ دَجلہ اور فرات کے کناروں پر آباد ہے اس کے جنوب میں خلیج فارس ہے۔

بابل :

قدیم عراق میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر بابل کا شہر واقع تھا۔ان دنوں الحِلّہ نامی شہر کے شمال مخیں بابل کے کھنڈر موجود ہیں۔586 ق م بابل میں بخت نصر حکمران تھا جس نے پہلی بار ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) مسمار کیا تھا۔

دَجلہ :

یہ دریا مشرقی ترکی کے پہاڑوں سے نکل کر جنوب کو بہتا ہوا عراق میں داخل ہونے سے پہلے کچھ دُور تک ترکی اور ملک شام کی سرحد کے ساتھ ساتھ چلتا ہے پھر شمالی اور مشرقی عراق میں سے گزرتا ہے۔ عراقی کردستان میں دریائے دَجلہ کے مغربی کنارے پر موصل کا شہر ہے اور اس کے بالمقابل مشرق میں قدیم تاریخی شہر نینوہ (نینویٰ) کے کھنڈر ملتے ہیں۔ خلافتِ عبّاسیہ کا صدر مقام اور موجودہ عراق کا دارالحکومت بغداد دَجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ القرنہ کے مقام پر دَجلہ اور فرات ملتے ہیں اور دونوں کے ملاپ سے شط العرب بنتا ہے جو عراق ایران سرحد بناتا ہوا فاد کے قریب خلیج فارس میں گرتا ہے۔صلاح الدین ایوبی اور صدام حسین کی جائے پیدائش تکریت، معتصم باللہ کا دارالخلافہ سامرّاء، ساسانی دارالحکومت مدائن (سلمان پاک)، کوت اور العمارہ دَجلہ کے کنارے واقع ہیں۔ بصرہ شط العرب کے جنوب میں ہے۔

فرات :

یہ دریا شمال مشرقی ترکی میں ارارات کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مغرب کی طرف بہتا ہے پھر جنوب کا رُخ اختیار کر کے شام میں داخل ہوتا ہے اور اس کے وسط

میں سے گزرتا ہوا قصبہ ابوکمال کے آگے عراق میں داخل ہوتا ہے اور پھر جنوب مشرق کو بہتا ہے۔ حدیثہ، رمادی، فلوجہ، مسیّب، عباسیوں کا پہلا دار الحکومت ہاشمیہ (انبار)، کوفہ، السماوہ اور الناصریہ دریائے فرات کے کنارے واقع ہیں۔ نجف، کوفہ کے جنوب میں دریا سے ہٹ کر ہے اور کربلا مزید شمال میں فرات سے چالیس پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، البتہ وادی الابیض نامی سیلابی ندی اس کے نزدیک سے گزرتی ہے۔

الجزیرہ :

دوابہ دَجلہ وفرات (میسوپوٹیمیا) کا شمالی حصہ الجزیرہ کہلاتا ہے جب کہ جنوبی حصے کو السواد کہا جاتا ہے۔ الجزیرہ اب شام، عراق اور ترکی تین ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔

حران :

ماضی میں حران، ملک شام کی حدود میں تھا، آج کل یہ جنوبی ترکی میں دریائے فرات کی معاون ندی بلیخ کے کنارے پر واقع ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام **اُور** سے ہجرت کر کے بابل کے راستے حران گئے تھے۔ حران جگہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی طرف منسوب ہے۔

حلب : شمالی شام کا یہ شہر انگریزی میں Aleppo کہلاتا ہے۔ حلب سے دمشق آنے والی شاہراہ پر حماۃ اور حمص کے تاریخی شہر واقع ہیں۔ حران سے فلسطین پہنچنے کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ راستہ اختیار کیا تھا۔

القدس :

اسے بیت المقدس (مبارک گھر) اور یروشلم (Jerusalem) بھی کہتے ہیں۔

سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام نے عراق سے برکت والی سرزمین یعنی بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق مسجد بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی بنیاد ڈالی اور اس کی وجہ سے بیت المقدس آباد ہوا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد سیدنا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے مسجد اور شہر کی تعمیر اور تجدید کی گئی اسی لئے یہودی' مسجد بیت المقدس کو ہیکل سلیمانی کہتے تھے۔

پہلی صدی میں جب رُومیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے ایلیا کا نام دیا تھا۔اس مقدس شہر میں مسجد اقصی' قبۃ الصخرہ اور یہودیوں کے بقول ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کے آثار ہیں۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے۔ 620ء میں حضور نبی کریم ﷺ راتوں رات براق پر سوار (حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ) مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے' اس سفر کو اسراء کہتے ہیں' اس سفر کے بعد پھر معراج آسمانی کے لئے تشریف لے گئے' یہ واقعہ جسم اور رُوح سمیت پیش آیا تھا۔ بیت المقدس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جہاں انہوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی' یہی مسجد بعد میں مسجد اقصیٰ کہلائی (کیونکہ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں اس مقام کو مسجد اقصیٰ ہی کہا گیا ہے) اس دور میں بہت سے صحابہ نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی خاطر بیت المقدس میں اقامت اختیار کر لی۔ خلیفہ عبدالملک نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرائی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک (715 - 705) نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر مکمل کی اور اس کی تزئین کی اور ابوجعفر منصور نے اس کی مرمت

کرائی۔ صلیبیوں نے جب بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مسجد اقصیٰ میں بہت ردوبدل کیا گیا۔ انہوں نے مسجد میں رہنے کے کئی کمرے بنالیے اوراس کا نام معبد سلیمان (Templum Solomonis) رکھا' نیز متعدد دیگر عمارتوں کا اضافہ کیا جو بطور جائے ضرورت اور اناج کی کوٹھیوں کے استعمال ہوتی تھیں۔ انہوں نے مسجد کے اندر اور مسجد کے ساتھ ساتھ گرجا بھی بنالیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں شہر بیت المقدس فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو عیسائیوں کی عبادت کے تمام نشانات سے پاک کیا اور محراب اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔ جون 1967ء سے اس پر اسرائیلی قابض ہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً 1300 کلومیٹر ہے۔

مدین :

سعودی عرب کا وہ ساحلی علاقہ جو بحیرۂ قلزم اور خلیج عقبہ سے متصل ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین یا مدیان سے منسوب ہے۔یہیں اہل مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی مبعوث کیا گیا تھا۔

اَیلہ :

خلیج عقبہ کی بندرگاہ عقبہ (اردن) کے مغرب میں ایلہ بنی اسرائیل کا تاریخی شہر ہے جہاں نافرمان یہودیوں کے بندر بن جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔آج کل اسے ایلات کہتے ہیں اور یہ خلیج عقبہ کے ساحل پر واحد بندرگاہ ہے جو اسرائیل کے تسلط میں ہے۔

کُوئی :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جنوبی عراق' شہر بابل' کوفہ کے مضافاتی علاقے کی ایک بستی کُوئی میں پیدا ہوئے۔ کُوئی' بابل کے شمال مشرق میں تھا۔ بابل سے اس کا فاصلہ تقریباً 40 کلومیٹر بنتا ہے۔

معجم البلدان میں **کُوئی** کے ذیل میں لکھا ہے: یہ نہر **کُوئی** کے کنارے واقع تھا جو **بنو ارفخشد** بن سام بن نوح میں **کُوئی** نامی شخص سے موسوم تھی وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نانا کرنبا بن **کُوئی** کے دادا تھے۔ نہر **کُوئی** فرات سے نکالی گئی پہلی نہر تھی۔ مشہور تابعی حضرت عبیدہ سلمانی نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ 'ہم **کُوئی** کے نبطی ہیں'۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک قول مروی ہے کہ 'ہم خاندان قریش' نبط **کُوئی** کی ایک شاخ ہیں'۔ اس سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ قریش' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو **کُوئی** کے نبطی تھے۔ عہد فاروقی میں فتح قادسیہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم پر زہرہ بن جویہ نے **کُوئی** کے تاریخی شہر پر حملہ کیا اور وہاں کے حاکم شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ **کُوئی** میں پیش آیا۔ اس قصہ کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۶) سولہ سال کی تھی۔ (تفسیر مظہر القرآن)

مقامی روایت کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں نمرود نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو قید کیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بابل سے **کُوئی** جا کر اس کی زیارت کی' سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور پھر یہ آیت پڑھی :

﴿**وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ**﴾ (العمران/۱۴۰)

اور ہم ان ایام (زمانے) کو لوگوں کے درمیان اَدلتے بدلتے رہتے ہیں۔

اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے ہیں ان کو لوگوں میں۔ (تفسیر اشرفی)

اُور :

دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع ' **اُور** ' جنوبی عراق کا ایک قدیم شہر تھا جسے چوتھی ہزاری ق م (4000 B.C.) میں **سُمبری** قوم نے آباد کیا تھا۔ تیسری

ہزاری میں یہ شہر اپنے عروج کو پہنچا۔ 2000 ق م کے لگ بھگ خوزستان (فارس) کے عیلا میوں نے اسے بڑی حد تک تباہ کر دیا۔ سترھویں صدی ق م میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے۔ کلدانی بادشاہوں کے عہد (626ق م تا539ق م) میں 'اُور' نے ایک بار پھر شہرت حاصل کی حتی کہ ایرانی شہنشاہ کوروش کبیر (خورس یا سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے اسے فتح کرلیا۔اس کے بعد'اُور' بتدریج زوال کی نذر ہوگیا۔ (آکسفورڈ انگلش ڈکشنری) کلدانی حکمرانوں کی نسبت سے اسے '**اُور کلدانیة**' بھی کہا جاتا ہے۔ انگریز محقق لیونارڈ و نے 34-1922ء میں'اُور' کے کھنڈر دریافت کئے جو الناصر یہ شہر کے بالمقابل دریائے فرات کے جنوب میں تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ بابل سے'اُور' تقریباً 225 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ 'اُور' ان دنوں **تل المقبر** کہلاتا ہے۔ (المنجد فی الاعلام)

الخلیل :

الخلیل یا حبرون غرب اردن (مغربی کنارہ) کے علاقے میں ہے جس پر غاصب اسرائیلیوں نے جون 1967ء کی جنگ سے قبضہ کر رکھا ہے۔ 1993ء کی ابتداء میں ایک جنونی یہودی نے الخلیل کی مسجد ابراہیمی میں داخل ہوکر اندھا دھند فائرنگ کر دی جس سے نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے 67 مسلمان شہید اور بہت سے زخمی ہو گئے تھے۔ الخلیل کی آبادی 75 ہزار سے زیادہ ہے۔ الخلیل کو حبری اور مسجد ابراہیمی بھی کہتے ہیں۔ یہ جبل نصرۃ کی سطح مرتفع کے درمیان ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع ہے۔

الخلیل بیت المقدس سے 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب تقریباً چار ہزار برس پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے تھے اور انہی کے لقب سے الخلیل موسوم ہے۔ یہاں ایک غار (مغارہ مکفیلہ) میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام'

سیدنا اسحٰق علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام وحی الٰہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنادی۔(معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں پر قبہ نما چھت بنانا انبیاء کی سُنّت ہے) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام‘ ربقہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام‘ ایلیا رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ تورات کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قبیلہ بنوحیث ایک آدمی عفرون بن صوحار الحبشی سے زمین کا ایک ٹکڑا چارسو نقرئی درہموں میں خریدا تھا اور اس میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا تھا۔ 513ھ میں صلیبی بادشاہ بردویل کے عہد میں اس جگہ زمین دھنس گئی تھی اور فرنگیوں کی ایک جماعت بادشاہ کی اجازت سے غار میں داخل ہوئی تو انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام‘ سیدنا اسحٰق علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اس حالت میں پایا کہ ان کے کفن بوسیدہ ہو چکے تھے‘ وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے‘ ان کے سَروں پر قندیلیں تھیں اور سَر کھلے تھے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے انہیں نئے کفن پہنائے اور پھر اس جگہ کو بند کردیا۔ (معجم البلدان)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا 'اُور' میں رہائش اختیار فرمانا :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عراق کے شہر بابل میں اپنے گھر (قصبہ **کُوئی**) سے لے کر شاہِ وقت کے محلات تک جب پیغامِ توحیدِ الٰہی پہنچادیا اور وقت کے نمرودوں سے اس کی خاطر ٹکر بھی لے لی‘ نتائج حوصلہ افزا سامنے نہ آئے تو فیصلہ کرلیا کہ کسی ایسی سرزمین کا انتخاب کیا جائے جہاں یکسوئی سے معبودِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز بھی ہولیا جائے اور دعوتِ الٰہی کا پیغام بھی آسانی سے مخلوقِ خدا تک پہنچ جائے‘ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاطر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔

ابتدائی طور پر(کُوئی میں آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آنے کے بعد) آپ نمرودی قوم سے ہجرت فرما کر کلدانی شہر (جنوبی عراق' دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع عراق کے قدیم شہر) اُور میں رہائش پذیر رہے۔

سفرِ حران اور چچا ہاران کے پاس قیام :

رشتہ ازدواج :

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رہائش گاہ 'اُور' سے لے کر الجزیرہ کے شمال میں واقع شہر حران روانہ ہوئے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا ہاران کے پاس شہر حران (یہ ماضی کے وسیع تر الجزیرہ میں شامل تھا' ملک شام کی حدود میں تھا مگر اِن دنوں یہ جنوبی ترکی میں دریائے فرات کی معاون ندی بلیخ کے کنارے پر واقع ہے) شہر بابل کے راستے تشریف لے گئے۔ حران جگہ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا) ہاران کی طرف منسوب ہے۔

چچا ہاران نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بہت ہی خوبصورت عورت تھیں' مَردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بہت حسین ہوئے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حُسن سے ہی حُسن ملا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی سلسلہ تبلیغ جاری رکھا' اس لئے چچا ہاران نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا (بیٹی اور داماد) کو اپنے گھر

سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنا اور مَیں تمہاری بات مانوں گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ملک شام ہجرت کرنا :

﴿وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (الصّٰفّٰت ۹۹/)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' میں جا رہا ہوں جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔

انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی صداقت کی کئی روشن دلیلیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں' لیکن وہ اپنے شرک کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ ان میں ہدایت پذیری کی ادنیٰ رَمق بھی موجود نہیں۔ ایسے معاشرہ میں دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے تو آپ نے اُن کو صاف صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے اس مشرکانہ ماحول سے رخصت ہو رہا ہوں' تم جانو اور تمہارا کام۔ میں وہاں جاؤں گا جہاں دِل جمعی سے اپنے رب کو یاد کر سکوں گا اور اس کے بندوں کو اس کے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔

رب تعالیٰ کے ارشاد میں ﴿اِلٰـی رَبِّـی﴾ کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: 'الی حیث امرنی ربی او حیث اتجرد فیه لعبادته" یعنی جہاں میرے رب نے حکم دیا میں وہاں جا رہا ہوں کہ میں وہاں اپنی عبادت کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکوں گا کیونکہ جو قوم میری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی وہاں ٹھہرنا اب بے مقصد ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا ہے تو اب یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہو چکا ہے۔

'اس دارالکفر سے ہجرت کر کے (جا رہا ہوں) جہاں جانے کا میرا رب حکم دے' چنانچہ بحکم الٰہی آپ سرزمین شام میں ارضِ مقدسہ کے مقام پر پہنچے۔ (خزائن العرفان)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بانجھ ہونے کی بناء پر آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام تھے (تو گویا مختصر سا اہل ایمان کا قافلہ تھا) بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد صالح عطا فرمائی۔ کتاب ونبوت کا سلسلہ بھی آپ کی اولاد میں ہی چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد جو بھی نبی بھیجا وہ آپ کی اولاد میں سے ہی تھا۔ انبیاء کرام میں سے جن انبیاء پر کتب سماوی نازل ہوئیں وہ انبیاء بھی آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ یہ تمام اعزازات من جانب اللہ عطیہ واکرام تھے۔

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عزیز واقارب کو خیر باد کہا تو ایسے شہر کا انتخاب فرمایا جس میں کامل یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دعوتِ حق کا پیغام مخلوق خدا تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ وہ سرزمین جس کی طرف آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا وہ سرزمین شام تھی۔ اسی سرزمین کو ارضِ محشر بھی کہا جاتا ہے' قیامت کے دن تمام لوگ یہیں پر جمع ہوں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہیں پر آسمان سے اُتریں گے اور دجّال کذاب بھی یہیں پر ہلاک ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء/۷۱)

اس زمین کی طرف جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکت رکھی۔

(ملک شام میں بکثرت انبیاء کرام ہوئے)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو اُن کے دُشمنوں کے علاقہ سے نکال لیا اور اُن کو برکتوں والے علاقہ میں بھیج دیا۔ یعنی عراق سے شام کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم اور اس کے دِین کو ترک کر کے شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم کے واقعہ کی خبر دی ہے اور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی قوم قریش کو بتایا ہے کہ تمہاری طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور جس

طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذیت پہنچائی تھی‘ اسی طرح قریش بھی حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچاتے تھے۔ حضور نبی مکرم ﷺ اُن کو پیغامِ حق سُناتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے وہ اس دعوت کی مخالفت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سُنا کر یہ بتایا کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا‘ آپ بھی اپنی قوم کی ایذارسانیوں پر صبر کریں اور جس طرح انہوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی‘ آپ کو بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی ہوگی۔

ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران ((ماضی میں ملک شام کے حدود میں تھا۔ موجودہ جنوبی ترکی) سے چلا تھا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تین تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام‘ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت لوط علیہ السلام۔ راستہ میں جب قبطی قوم کے بادشاہ کی شہزادی حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا بھی مل گئیں تو اب قافلہ کے چار افراد ہو گئے جو تمام ہی اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔

روئے زمین پر صرف ایک گھرانہ اللہ کے حضور سجدہ ریز :

اہل حران‘ دمشق‘ اہل جزیرہ وشام الغرض روئے زمین پر بسنے والا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ستاروں اور بتوں کو نہ پوجتا ہو۔ ساری سرزمین پر کفر وشرک کا دور دوراں تھا۔ صرف ایک گھرانہ ایسا تھا جو نہ صرف خود کفر وضلالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں گرنے سے محفوظ و مامون تھا بلکہ اُن کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے اس شَر وشرک کو زائل کیا اور کفر وضلالت کی بیخ کنی فرمائی۔ وہ گھرانہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تھا جس گھرانے کے افراد میں سے خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام‘ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ہمہ وقت پیکر خشیت الٰہیہ بنے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو کم سنی میں ہی رُشد و ہدایت اور پھر منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تھا اور سن رسیدگی میں اپنا خلیل بنالیا تھا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴾ (الانبیاء/۵۱) اور بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ (نبوت' ہدایت' دانائی) عطا کردی اور ہم اُن کو خوب جانتے تھے۔

ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اور خطرات کو دعوت دے کر جس جرأت سے توحید کا اعلان کیا' جس حُسنِ تدبیر سے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولا اور اُن کے پجاریوں پر اُن کی بے بسی کو آشکار کیا' پھر جس استقامت کا مظاہرہ آتش کدہ میں چھلانگ لگاتے وقت کیا ان تمام چیزوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تب ﴿لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ﴾ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ آتا ہے گویا رُشـــد وہ بصیرت اور دانش مندی ہے جس سے گمراہ ماحول میں نعرۂ توحید بلند کرنے کی جرأت اور اس کا سلیقہ اور اس راہ میں حائل ہونے والی ساری مصیبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمیں ان عظیم اور نادر صلاحیتوں کا خوب علم تھا جو ان میں ودیعت فرمائی گئی تھیں۔اسی لئے ان کو اتنی شان بخشی۔قدرت اپنے عطیات کی تقسیم میں حکمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتی ہے۔

بیت المقدس کی طرف کوچ :

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام شام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے بعد تمہاری اولاد کی خلافت کے لئے اس سرزمین کو منتخب فرمانے والا ہوں۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس نعمت پر شکرانے کے لئے ایک ذبح خانہ تعمیر کیا۔ بیت المقدس کی مشرقی جانب اس قبہ کو تعمیر کیا گیا پھر آپ برکتوں والی

سرزمین بیت المقدس کی جانب کوچ فرما گئے۔ وہاں پرقحط وافلاس کی شدت کی بناء پر آپ مصرتشریف لے گئے۔ (قصص الانبیاءٗ ابن کثیر)

مصر کا بدطینت بادشاہ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا قصّہ :

[[یہ واقعہ ایک حدیث پاک کی وضاحت کے ضمن میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے]]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام دورانِ ہجرت ایک ایسی آبادی (مصر) میں داخل ہوئے جہاں کے بدطینت بادشاہ (فرعونِ اوّل: علوان بن سان) کا معمول تھا کہ جب کسی مسافر کے ساتھ حسین وجمیل عورت دیکھتا تو اُس کے شوہر کوقتل کر کے عورت کو اپنے حرم میں داخل کر لیتا۔ بیوی کے سوا اگر کوئی اور رشتہ ہوتا تو پھر عورت کو چھوڑ دیتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس ساری صورتحال کا علم ہو چکا تھا' چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب بادشاہ تم سے پوچھے کہ تم کون ہو تو (حکمت عملی اختیار فرماتے ہوئے) کہہ دینا کہ میں ابراہیم کی (دینی) بہن ہوں' اس لئے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو' کیوں کہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں۔ اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔

(یہ فرمانا کہ روئے زمین پر تمہارے اور میرے سوا کوئی مسلمان ومومن نہیں ہے مراد یہ تھا کہ ہمارے سوا کوئی اور حالتِ ایمان میں رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہے۔ اس بات کو اسی پر ہی محمول کیا جائے گا کیونکہ اُن کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور وہ بھی اللہ کے نبی تھے)

بدطینت جابر ظالم بادشاہ کو آگاہ کیا گیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اُس ظالم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام ارسال کیا کہ وہ اُن سے پوچھے کہ یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ جابر وظالم بادشاہ

نے کہا کہ اُسے میرے پاس بھیج دو۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس بھیجا جانے لگا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اُس ظالم کے پاس جا کر کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو' اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی اہل ایمان (رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں) ہے۔ اُس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیج کر اُن کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جب اُس ظالم کے پاس پہنچیں' اُس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں کرنی لگی کہ اے الٰہ العالمین مجھے محفوظ و مامون رکھ' میں تجھ پر اور تیرے نبی پر ایمان لائی ہوں' میری عصمت کی حفاظت فرما اور کافر مجھ پر مسلط نہ ہونے پائے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی دُعا کا نتیجہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا' پاگلوں کی طرح ہو گیا' اُس کا گلا گھونٹ گیا' منہ سے جھاگ بہنے لگی' ایڑیاں رَگڑنے لگا اور وہ پاؤں تک زمین میں دھنس گیا۔ اُس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ تم میرے لئے دُعا کرو' میں تمہیں تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے جب اُسے عذابِ الٰہی میں گرفتار دیکھا تو عرض کی کہ مولا ! اگر یہ مردود مَر گیا تو لوگ کہیں گے کہ سارہ نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ وہ ٹھیک ہو گیا۔ اُس ظالم نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اُس نے پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے دُعا کرنے کی درخواست کی' آپ نے پھر دُعا کی۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا پھر اُس نے اپنے دَربان کو بُلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ (معاذ اللہ) کسی جنّ کو لے آئے ہو۔ خادموں سے کہا کہ انہیں واپس بھیج دو۔ اُس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو قبطی قوم کے بادشاہ کی شہزادی حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا بطور انعام دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس لوٹا دیا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں تو آپ نماز میں مشغول تھے آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اُسی کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل وَخوار ہوا اُس نے مجھے ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) بطور انعام دی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سلطانِ مغرب کی شہزادی تھیں کسی جنگ میں شکست ہوئی اور علوان نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنالیا اور بادشاہ کو قتل کر دیا یا اُن کا والد بادشاہ مصر ہی تھا......علوان نے شکست دے دی اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر قابو پانا چاہا۔ آپ بچپن سے بہت ہی عابدہ زاہدہ اور ولیّہ کاملہ تھی۔ جب علوان بادشاہ اُن کو ہاتھ لگانے لگا تو اُس وقت بھی اُس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا ان پر بھی کسی طرح تمام مدت قابو نہ پاسکا تھا اس لئے آج اُس نے دونوں عورتوں کو جادوگر کا لقب دیا۔ (تفسیر نعیمی)

مصر کی جانب ہجرت کرنے والا قافلہ دوبارہ بیت المقدس اور اس کے گرد ونواح میں آ کر آباد ہوگیا۔ آپ کے ساتھ چوپائے اور کثیر تعداد میں مال بھی تھا۔

فلسطین میں خوشحالی :

مصر سے جب چار افراد (سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) روانہ ہو کر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے اُن کی قدر وَمنزلت کو سمجھا، اور اُن کے آنے کو باعث برکت سمجھا اور بہت سی زمین آپ کی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ اس زمین میں کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی۔ آپ کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہوگئے۔

آپ نے مسافروں اورغرباءکورہنے اورکھانے کی سہولیات عطا کیں۔اس طرح مہمان نوازی میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہوگیا۔ (مقام ایلیا میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں سیدنا اسمٰعیل اور سیدنا اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے)۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے علاقوں میں رہتے ہوئے بیس سال گذر گئے تو ایک دن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل وَکرم سے ضروریات دُنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاءاور رہنے کے مکانات کی کوئی کمی نہیں' البتہ اولاد کی کمی ہے' اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہے اور میں عمر طبعی پر پہنچ رہی ہوں لہذا آپ ہاجرہ قبطیہ مصریہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرلیں شاید اللہ جل شانہ اسی کی وجہ سے مجھے اولاد کی نعمت سے مالا مال کردے' اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نوازدے یعنی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لئے تسکین وراحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوگیا۔ (عزیزی)

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دُعا :

ہجرت کے بعد ملک شام پہنچ کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک صالح بیٹے کے لئے التجا کی' اُس وقت تک آپ کا کوئی فرزند نہ تھا :

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/١٠٠)

الٰہی مجھے لائق (نیک اور صالح) اولاد دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾(الصّٰفّٰت/۱۰۱)

پس ہم نے اُسے خوشخبری سُنائی ایک بُردبار (حلیم) لڑکے کی۔

اس بشارت سے مُراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وِلادت کی بشارت ہے کیونکہ علامہ آلوسی 'حلیم' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وانہ یکون حلیما وای حلم مثل حلمه عرض علیه ابوه مراهق الذبح فقال ستجدنی ان شاء الله من الصابرین فما ظنك بعد بلوغه" (رُوح المعانی)

یعنی آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ کو ایک بیٹا عطا کیا جائے گا جو حلیم ہوگا۔ اس سے بڑھ کر حلم کی اور کیا مثال ملے گی جب آپ بلوغ کے قریب تھے تو آپ کے والد نے کہا کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: کہ آپ مجھے اِن شاءاللہ صابروں میں سے پائیں گے۔

بفضلِ الٰہی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پُر اُمید ہوگئی' لوگوں نے رحمتِ الٰہی کے اس انداز کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہاجرہ (رضی اللہ عنہا)' سارہ (رضی اللہ عنہا) سے بلند و بالا اور اعلیٰ ومرتبت ہوگئی۔ بتقاضائے بشریت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس وجہ سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے رَشک وغیرت پیدا ہوگئی' انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم ہاجرہ کے بارے میں جو چاہتی ہو کرسکتی ہو۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس مکالمے کو سُن کر ڈر گئیں اور وہاں سے دوڑ پڑیں۔ وہاں پر ایک چشمہ کے قریب جا کر ٹھہر گئیں۔ ایک فرشتہ نے آ کر عرض کی کہ ہاجرہ ڈرنے کی ضرورت نہیں' اللہ تعالیٰ اس پیدا ہونے والے بچے کو خیر وبھلائی کا منبع بنانے والا ہے۔ آپ واپس پلٹ جائیں۔ فرشتے نے خوشخبری دیتے ہوئے کہا کہ اس نومولود بچے کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ لوگوں میں منفرد اور ہر ایک پر

اس کا دستِ شفقت ہوگا اور ہر ایک کا دست خدمت اس کے ساتھ ہوگا اور اپنے بھائیوں کے ملکوں کا بھی مالک ہوگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

یہ بشارت وخوشخبری حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی ولادت باسعادت پر منطبق وصادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حضور نبی کریم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے شرق وغرب کے تمام ملکوں کا مالک وسردار بنادیا۔ علم نافع اور عمل صالح کی اس دولت سے مالا مال کردیا جو دولت ان سے قبل کسی نبی کی اُمت کو نہ عطا کی گئی تھی۔ عربوں کو یہ شرف حضور سید المرسلین ﷺ کے تمام رسولوں پر اشرف ہونے کی وجہ سے ملا' اور آپ کی رسالت معظّمہ کی برکت اور آپ کے بارے میں بشارت کی برکت' اور آپ کی کامل رسالت' اور تمام زمین والوں کے لیے آپ کی بعثت کی وجہ سے یہ اعزاز اُمت محمدیہ ﷺ اور عرب کو حاصل ہوا۔ (قصص الانبیاء' ابن کثیر)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اڑسٹھ سال تھی اور اُن کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (قصص الانبیاء)

حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو حرم کی سرزمین میں چھوڑنا:

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلایا کرتی تھیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا انھیں نہایت محبت سے پالتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف کے خیال سے اپنے فرزند کو گود بھی نہ لیتے تھے۔ اللہ کی شان کہ ایک دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا حجرے میں لیٹا ہوا دیکھ کر محبت پدری سے گود میں لے لیا' اُن کے رُخسار اور پیشانی کو بوسہ دے رہے تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آ گئیں اور اُن پر غیرت نے اتنا غلبہ کیا کہ فرمایا اسی وقت بیٹے اور

ماں (حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) کو میرے گھر سے نکال کر بے آب ودَانہ جنگل میں چھوڑ آ ؤ۔ آپ نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ پیش نہ گئی (بات سمجھی نہ گئی)۔ اِدھر تو آپ حران والے معاہدے کے پابند تھے' اُدھر وَحی آئی کہ سارہ کی ہر بات مانو۔ اس میں ایک راز ہے۔ سچ ہے بڑوں کے اختلاف میں بھی راز ہوتا ہے بلکہ یہ بھی الہام ربّانی سے ہوتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک بار تو موسیٰ علیہ السلام کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور دوبارہ دریا میں بہا دیا۔ یہ بھی الہامِ الٰہی تھا۔

ان دومقبول بیویوں کے اختلاف کی برکت سے مکہ شہر عرب کا ملک بنا۔ بیت اللہ آباد ہوا۔ برادران یوسف علیہ السلام کے غصے کی برکت سے یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر جاگزیں ہوئے اور بنی اسرائیل کنعان گاؤں سے نکل کر مصر اور دیگر شہروں میں پھیلے۔ صحابہ کرام کی آپس کی جنگوں کی برکت سے بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر ہوئی، جن میں باغی گروہ سے جنگ کے احکام مذکور ہیں اور اہل بیت اطہار حجاز سے نکل کر عراق میں پہنچے جس سے سارا عراق متبرک ومعظم ہوگیا۔ ان جنگوں میں اللہ کے راز ہیں' لہذا ہم کسی صحابی کو ظالم نہیں کہہ سکتے جیسے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔ برادران یوسف علیہ السلام کی اہانت نہیں کرسکتے کہ وہ حضرات آسمانی ہدایت کے تارے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں خواب میں دیکھا۔ صحابہ کرام کو بُرا کہنے والے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور برادران یوسف علیہ السلام کو کیا کہیں گے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا کہ آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی زوجہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو حرم کی سرزمین میں چھوڑ آ ؤ۔

اُسوقت وہاں کوئی شہراورآبادی نہیں تھی بلکہ بیابان جنگل تھا۔ آپ کو وہاں چھوڑ نے کاحکم دینے میں ایک تو امتحان لینامقصود تھا پھرکعبہ شریف کی تعمیراور مکہ مکرمہ کوآباد کرنا بھی مقصود تھا' اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے وقت جو وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بات مانی جائے گی اس وعدہ کا پاس کرانا بھی مقصود تھا کیونکہ آپ نے پہلے ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اپنی اولاد نہ ہونے پر غیرت بھی کھائی اور اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی کہ ابراہیم کوحکم دو کہ وہ اپنے اس بیٹے اور اپنی زوجہ ہاجرہ کو مجھ سے دُور چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول کرتے ہوئے آپ کوحکم دیا کہ آپ اُن کوحرم کی سرزمین میں چھوڑآ ؤ۔ (تفسیرجمل،زیرآیت: **ربنا انی اسکنت من ذریتی**)

جہاں آج زم زم ہے وہاں ایک درخت تھا۔ اُس وقت نہ مکہ تھا اور نہ ہی کسی انسان کا وہاں بسیرا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں کچھ پانی ماں بیٹے (حضرت ہاجرہ وحضرت اسماعیل علیہما السلام) کے حوالے کرتے ہوئے اور اُن کوزم زم کی جگہ ایک دَرخت کے نیچے چھوڑ کر واپس لوٹنے لگےتو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا پیچھا کرتے ہوئے پوچھا:

اے ابراہیم ! آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟ یہاں ہمارا کوئی غمخوار' مونس و ہمدم نہیں۔اور نہ ہی یہاں کوئی آبادی ہے کہ کھانے پینے کی چیزمل جائے۔ کئی مرتبہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پربھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کوحکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ! توحضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: **اذن لا یضیعنا ثم رجعت** اچھا ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے واپس اپنی جگہ پرلوٹ آ ئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے آپ کو اپنی زوجہ اور بیٹا نظر نہیں آ رہے تھے۔ آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف توجہ کی' اُس وقت صرف بیت اللہ کی بنیادیں ایک ٹیلہ کی مانند نظر آتی تھیں اور دُعا کی :

﴿رَبَّنَآ اِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِيۡ زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُواۡ الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ أَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ﴾ (ابراہیم/۳۷)

اے ہمارے رب ! میں نے بسادیا ہے (تیری رضا کی خاطر چھوڑ دیا ہے' آباد کر دیا ہے) اپنی کچھ اولاد (ذرّیت اہلِ خانہ یعنی اسماعیل اور اُن کی آئندہ نسل) کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں (ریت ٹیلوں کے ایسے پہاڑوں کے میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے شام سے سرزمین حرم میں لائے اور کعبہ مقدسہ کے نزدیک اُتارا۔ یہاں اُس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ نہ پانی (خزائن العرفان) تیرے حرمت والے گھر (کعبہ معظّمہ) کے قریب میں۔ (اس سے مُراد بیت اللہ شرف (خانہ کعبہ) ہے۔جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس وادی میں منتقل فرمایا تھا اس وقت بیت اللہ کے نشانات وہاں نہ تھے۔حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر بیت اللہ' طوفانِ نوح کے وقت اُٹھا لی گئی تھی اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس جگہ ابھی بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی تھی' مگر وہاں ہونے والی تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔) اے ہمارے رب ! یہ اس لئے تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ (یہاں کی سکونت اس لئے ہے تا کہ وہ نماز قائم رکھیں' نمازی بنیں۔ یہاں کی سکونت میں بجز تیری عبادت کے اور کوئی غرض دُنیوی نہیں کیونکہ یہاں تو دُنیوی کوئی چیز ساز وسامان ہے ہی نہیں۔کھیتی باڑی تک نہیں۔ مقصود تیری

شریعت ہے نماز ان میں سب سے بڑا رکن ہے نماز سارے ایمانیات کی اصل ہے ۔ اور تیرا یہ گھر کعبہ معظّمہ مرکزِ اسلام وقرآن وحدیث ہے ۔ خیال رہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا **غیــــر ذی زرع** کہنے سے تین مقصد ہیں (۱) یہاں کوئی دُنیوی غرض کے لئے نہ رہے' نہ آئے ۔ (۲) یہاں کے رہنے والے اپنے آپ کو محض اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں' تمام ظاہری دُنیوی اسباب سے یکسر منہ موڑ لیں (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ساری زندگی دُعائیں مانگتے رہے اور یہاں رہنے والے بھی اپنی ہر ضرورت کے لئے ہمیشہ اسی رب کے آگے ہاتھ پھیلائے رہیں) پس کر دے لوگوں کے دِلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے اُن کی طرف مائل ہوں (کچھ لوگوں کے دِلوں کو محبت سے بھر کر ان کی طرف جھکا دے' مائل کر دے کہ وہ اِدھر آئیں ان کی محفلوں مجلسوں سے شریعت وطریقت اور معرفتِ الٰہی کے درس لیں موحد مومن مخلص بنیں' خالی جھولی آئیں مُرادوں سے بھری جھولی لے کر جائیں ۔ تجلیات کعبہ سے نور کی جلا پائیں ۔ ان کے بلانے میں بھی کوئی دُنیوی غرض نہیں ہے) اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں (رزق عطا فرما اُن کو ہر موسم میں ہر قسم کے پھلوں کا ۔ میری غرض ان دُعاؤں سے یہ ہے تا کہ وہ شکر کریں فراغت وَامن وَعافیت کا رزق پا کر ہر وقت تیری بارگاہ میں نمازوں نیازوں سے سجدہ ریز رہیں اور شاید تیری توفیق ان کی دستگیری فرمائے تو واقعی وہ شاکر بندے بنے رہیں)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ مشکیزہ میں جو پانی تھا وہ ختم ہوگیا اور کچھ کھجوریں بھی ختم ہوگئیں ۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی بھوکی پیاسی ہوگئیں' دودھ کا بننا بھی ختم ہوگیا ۔ بچہ بھی بھوک وَ پیاس سے پریشان حال تھا ۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا ۔ بچہ کا یہ حال ماں سے برداشت نہ ہوسکا ۔ آپ قریب ایک پہاڑی 'صفا' پر چڑھتی ہیں کہ کہیں سے پانی کا پتہ چل جائے یا کوئی انسان نظر آجائے ، پھر اسی خیال سے پہاڑی'

مروہ' پر آتی ہیں درمیان میں نشیبی جگہ جب پہنچی ہیں....... جہاں سے بچہ نظر نہیں آتا وہاں دوڑتی ہیں جب نشیبی جگہ کو عبور کر لیتی ہیں اور ایسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں سے بچہ نظر آنے لگتا ہے وہاں آہستہ ہو جاتی ہیں 'مروہ' پہنچ کر بھی پانی یا کوئی انسان نظر نہیں آتا، آپ بیقراری کے عالم میں پھر صفا پہاڑی پر پھر مروہ پہاڑی پر سات چکر ایسے ہی لگا دیتی ہیں۔ (جس مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے وہاں آپ نے دوڑ کر وہ راستہ طے کیا تا کہ جلد اونچائی پر پہونچ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نظر میں رکھیں۔ اس طرح سات مرتبہ یہ راستہ دوڑتے ہوئے طے کیا۔ اس راستے کے نشان ظاہر کرنے اور حاجیوں کی سہولت کے لئے سنگ مرمر کے دو سبز ستون دائیں بائیں لگائے گئے ہیں۔ چھت پر بھی سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ اسی کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے سعی کو حج اور عمرہ میں واجب کر دیا...... ہر حاجی پر یہ لازم کر دیا کہ وہ بھی یہ عمل دہرائے) صفا ومروہ پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی دُعا قبول ہوئی۔ آخری مرتبہ مروہ پہاڑی پر آپ نے ایک آواز سُنی' اپنے آپ کو کہنے لگیں: خاموش ! خیال کیا: شاید میرے اوسان خطا ہو گئے' یہاں کون ہے؟ یہ مجھے ویسے ہی آواز آ رہی ہے پھر دوبارہ آواز سُننے پر کہا کہ اگر یہاں کوئی فریاد کو سُننے پہنچنے والا ہو سکتا ہے تو فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھا تو بچہ کے قریب ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اسماعیل کی ایڑی کے پاس اُس نے اپنی ایڑی یا پَر مارا، یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی کے اَردگرد بند باندھ کر ایک حوض کی شکل دے دی' وہ پانی جوش مار رہا تھا۔ آپ نے خود بھی پیا' بچہ کو بھی پلایا اور پانی کو کہا: 'زم زم' رُک جا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '**یرحم الله ام اسماعیل لو ترکت زمزم او قال لولم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا**' اللہ تعالیٰ

اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے، اگر آپ زمزم کو اسی طرح رہنے دیتیں یا آپ نے فرمایا اگر آپ اس سے جلدی سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم جاری چشمہ ہوتا۔

اس طرح حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جب چشمہ سے پانی پیا تو آپ کا دودھ بھی جاری ہو گیا جو بچہ کو پلایا: فرشتہ نے آپ کو کہا: ۔" **لاتخافی الضیعة فان ھھنا بیت الله یبنیه ھذا الغلام وابوہ وان الله سبحانه لایضیع اهله**" تم کوئی خوف نہ کرو کہ تم ضائع ہو جاؤ گی، بیشک یہاں بیت اللہ ہے اس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا باپ کریں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے اَجر کو ضائع نہیں کرتا۔

یہی چشمہ اب تک جاری ہے جسے کنوئیں کی شکل میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ لاکھوں کڑوڑوں لوگ یہ پانی پیتے ہیں اور تبرکاً کثیر مقدار میں ساتھ بھی لے جاتے ہیں اس کے باوجود کوئی کمی نہیں آئی۔ شدت کی گرمی میں بھی یہ کنواں اُبلتا رہتا ہے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو بچہ کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہو کر 'صفا و مروہ' کے چکر لگا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی زوجہ اور اسماعیل کی والدہ کی ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک حاجی اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے وہاں چکر لگاتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ 'حج' اللہ کے مقبول بندوں کی ادا کے بغیر کچھ نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے طواف میں پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنا ...... اس قسم کے کام ہی حج ہیں۔

فائدہ: سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دُعا کے اثرات آج بھی واضح طور پر نظر آرہے ہیں۔ یہ شہر امن کا گہوارہ ہے۔ مکہ معظّمہ کی سرزمین پہاڑی اور ریتلی (یعنی غیر کھیتی والی) ہونے کے باوجود اس میں دُنیا بھر کے اعلیٰ سے اعلیٰ پھل (فروٹ) موجود رہتے ہیں اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت وتعجب

میں ڈوب جاتا ہے۔ لوگ ہر طرف سے اس مقام پر کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہر مسلمان کے دِل میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کرلے۔

امام ابن جریر نے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم کے لئے دُعا فرمائی کہ **یااللہ** انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے طائف کو فلسطین سے نقل فرمایا۔ (تفسیر طبری بحوالہ تفسیر درمنثور)

امام ابن ابی حاتم اور الازرقی نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شام کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات نقل فرمایا' اس کو طائف میں رکھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی وجہ سے کیا۔ (تفسیر درمنثور)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے پھلوں سے رزق ملنے کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے طائف کی زمین کو شام سے منتقل فرمایا اور اسے یہاں حرم کے رزق کے لئے بچھا دیا۔ (تفسیر درمنثور)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری دُعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جا کر مشاہدہ کرسکتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے بازاروں میں ہر قسم کے پھل موجود ہیں بلکہ دُنیا بھر کی مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو فراواں بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ اور قیامت تک یہی کیفیت رہی گی۔ ان شآءاللہ

بنجر پتھریلی زمین پر آباد کرنے کی حکمت : اے ہمارے رب ! میں نے بسا دیا ہے' آباد کردیا ہے اپنے اہلِ خانہ کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں' ریت ٹیلوں کے ایسے پہاڑوں کے میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں۔

مکہ معظّمہ کی زمین میں اس اَمر کی صلاحیت ہی نہ تھی کہ اس میں کھیتی کیاری ہوسکے اور ایسی بنجر پتھریلی زمین میں مرکز عبادت اور مقام ختم المرسلین مقرر فرمانے میں یہ

حکمت تھی کہ یہاں سے توحید کے چشمہ پھوٹنے پر سوائے تعجب کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ وہاں سے سلسلہ تبلیغ ہونا ہی تھا اس لئے کہ وہ تجارت کا مرکز تھا' پھل اور پھولوں کا خزانہ تھا' پیداوار کا معدن تھا' ہر طرف سے تاجروں کا وہاں آنا جانا تھا اس وجہ میں تبلیغ ممکن ہوئی۔

اب یہی کہا جائے گا کہ کوہستانی گھاٹیوں میں سنگلاخ جنگل میں جہاں نہ زراعت تھی نہ باغ حتیٰ کہ خرموں کے درخت بھی اس سے دُور دُور ہیں وہاں آواز حق بلند فرما کر چار دانگ عالم میں توحید کا ڈنکا بجا دینا یہ صرف اور صرف اس رسول عربی ﷺ کی معجز نمائی اور تائید الٰہی تھی ورنہ اسباب ظاہری تو بالکل ایسی جگہ سے ایسے کارہائے نمایاں کی اُمید ہی نہیں کر سکتے۔ (تفسیر الحسنات)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بابل' مصر اور فلسطین کے متمدن خطوں پر غلغلۂ حق بلند کرنا چاہا مگر ان علاقوں کی بدنصیبی کہ انہوں نے اللہ کے خلیل کی آواز صداقت پر لبیک نہ کہی۔ پھر حکم خداوندی سے حجاز کی اس سرزمین پر جسے متمدن دُنیا کی ہوا تک نہ لگی تھی' جہاں بظاہر انسانوں کے بود و باش کے امکانات بھی نہ تھے' مرکز ہدایت کی تعمیر ہوئی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آج تک یہ مقدس گھر اہل ایمان کا قبلہ ہے اور ہر دور میں حج وطواف کے مناسک انجام دیئے جاتے ہیں۔

اے ہمارے رب ! (میں نے اس بنجر وادی میں اپنی نسل کو اس لئے آباد کیا کہ) وہ نماز قائم رکھیں۔ پس تو لوگوں کے دِلوں کو اُن کی طرف مائل کر دے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی اولاد اس وادی غیر ذی زرع میں تیرے ذکر وَ عبادت میں مشغول ہوں اور تیرے بیت حرم کے پاس اکناف عالم اور اطراف بلاد سے لوگ آئیں' اُن کے دِل اس مکان مطہر کے شوقِ زیارت سے کھنچیں۔

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کے لئے یہ دُعا ہے کہ انہیں حج بیت اللہ میسر ہو اور مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کے لئے اور اُن کی اولاد کے واسطے یہ دُعا ہے کہ جب باہر کے ممالک کے لوگ زیارت وحج کے لئے آئیں گے تو یہاں کے رہنے والے ان سے مستفید ہوں گے۔ مختصر یہ کہ اس دُعا میں دینی اور دُنیوی برکات مضمر ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا ایسی قبول ہوئی کہ قیامت تک یہ زائرین کا مرکز بن گیا۔ ایام حج اور غیر ایام حج ہر موسم میں طواف بیت اللہ بھی بارہ مہینے ہوگا اور ہوتا رہے گا اور زائرین بھی ہر موسم میں یہاں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

عام لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو غیر محفوظ مقام' جنگل یا بے آب وگیاہ زمین میں چھوڑ آئیں :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو غیر آباد اور بے آب وگیاہ زمین میں چھوڑ کر چلے گئے تھے' اس پر قیاس کرتے ہوئے کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو کسی غیر آباد' غیر محفوظ اور وِیران جگہ میں چھوڑ کر چلا جائے جیسا کہ غالی اور جاہل صوفیاء' اللہ پر توکل کرنے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں۔ جس مقام پر ایمان وَ جان اور مال وَعزت خطرے میں ہو وہاں پر رہائش پذیر ہونا یا قیام کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اگر گھر کی چار دِیواری بھی عورتوں کے لئے غیر مَردوں سے محفوظ نہ ہو تو وہاں بھی گذر بسر جائز نہیں۔ اُن راستوں یا محلوں سے گذرنے میں بھی احتیاط کرنا چاہئیے جہاں پر عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ بعض لوگ دِین کی تبلیغ کے نام پر گھر پر بیوی بچوں کے لئے کھانے پینے کے اسباب کا بندوبست کئے بغیر گھروں سے چالیس دن تک غائب ہو جاتے ہیں جس سے بیوی بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ جاہلوں کا یہ استدلال باطل قرار دیا جائے گا کیونکہ سیدنا ابراہیم

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم (وحی الٰہی) سے ایسا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے سامانِ زیست کے اسباب پیدا کر دیئے تھے، کسی اور شخص کا یہ مرتبہ وَ منصب نہیں ہے کہ وہ وحی الٰہی کا حامل ہو کیونکہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے، ہمارے لئے ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کرو، اسباب حاصل کرنے کے بعد مسبب کو اللہ پر چھوڑ دینا یہ توکل ہے نہ یہ کہ اسباب کو ہی حاصل نہ کیا جائے۔ اسباب (تدبیر) کو محض عبث وَ فضول اور مہمل بتانا کھلے گمراہ یا پکے مجنون کا کام ہے۔

کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اہل وعیال کو ایسی جگہ چھوڑ آئے جہاں نہ آبادی ہو، نہ خورد وَ نوش کی اشیاء ہوں، اور وہاں اُن کی ہلاکت کا قوی اندیشہ ہو۔ اس معاملہ میں وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اس کا یہ کہنا دُرست نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا ہے، ایسا توکل جائز نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی بناء پر ایسا کیا۔ ہلاکت کے موقعہ پر خود بچنا اور اپنے اہل وَ عیال، عزیز وَ اقارب کو حتی الامکان بچانا فرض ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کا دعویٰ کرتے ہوئے کوئی اپنا بیٹا خود ذبح نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اپنی اولاد کو ہلاکت کی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿**وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ**﴾ (البقرۃ/۱۹۵) اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی ذرّیت کی دیکھ بھال کے لئے ہر ماہ شام سے مکہ آیا کرتے تھے، نیز یہ کہ نگاہِ نبوت سے کوئی چیز پوشیدہ رہ نہیں سکتی، انبیاء علیہم السلام کی نظر کا یہ حال ہوتا ہے کہ مشرق وَ مغرب، شمال وَ جنوب، جنّت وَ دوزخ، عرش وَ فرش، جنّتی وَ دوزخی اور لوحِ محفوظ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ نبی کے معنٰی ہیں خبر والا

یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا۔ نبی ایسی باتوں کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں جن کو نہ تو ہم اپنے حواس سے جان سکتے ہیں اور نہ ہی وہاں عقل کی رسائی ہوسکتی ہے۔ نبی کو اسی لئے نبی کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دیتا ہے جو غیب الغیب ہے۔ جہاں نہ حواس کی پہنچ ہے نہ عقل کی رسائی ہے۔ نبی غیب کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں اسی لئے قرآن مجید میں رب العزت نے فرمایا ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ﴾ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی ہم تمھاری جانب بھیجتے ہیں۔

نبی غیب کی بات بتانے کے لئے ہی آتے ہیں۔ اگر غیب کی بات بتانا مقصود نہ ہو تو نبی کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ نبی کے اندر جو قوتِ غیبیہ اور قوتِ قدسیہ ہے اس سے جدھر توجہ فرمالیں، غیب منکشف ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ کے نبی نماز پڑھا رہے ہیں پیچھے کھڑے رہنے والے نماز پڑھ رہے ہیں مگر نبی اُن کے رکوع کو بھی دیکھ رہے ہیں، اُن کے خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ **فواللہ ما یخفی علیّ خشوعکم ولارکوعکم اِنّی لاراکم من ورائی کما اراکم** (بخاری شریف) اللہ عزوجل کی قسم! تمہارا رکوع اور خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے، میں پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ خشوع کو دیکھنے کا معنی کیا ہے؟ کیفیت کو بھی دیکھ رہے ہیں، دِل کی حرکتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اگر میرے نبی کے پاس کوئی ایسی قوت قدسیہ نہ تھی تو کیا بات ہے جب قبروں سے نبی گذرے تو عالمِ برزخ منکشف ہوگیا ہے۔ میرے سرکار ﷺ آسمان کی آواز سُن رہے ہیں، نبی ایک ایسی قوتِ قدسیہ لے کر آتے ہیں جو ہمیں غیب کی بات بتائیں۔

قانونِ آزمائش اور صبر واستقامت :

ابتلا وآزمائش ایک اٹل قانونِ فطرت ہے جس سے ہر صاحبِ ایمان کو دوچار ہونا ہے۔ یہ سُنّتِ الٰہیہ ہے کہ ہر داعی اور مؤیدِ حق کو آزمایا جاتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ﴾(البقرہ/۱۵۵) اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر، بھوک اور تمہارے مالوں، جانوں اور پھلوں (اولاد اور نعمتوں) کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے (بیشک ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں (اولاد اور نعمتوں) کی کمی سے)

دُنیا میں حق وصداقت کے علم بَرداروں کو ہر دَور میں مصائب وآلام کی دُشوار گزار وادیوں سے گزرنا پڑا۔ مشکلات قدم قدم پر سدِ راہ بنیں۔ انسانی تاریخ میں ترقی کا ہر قدم مخالفتوں اور مشکلات کو برداشت کر کے اُٹھایا گیا ہے۔ جو لوگ اپنی خام خیالی اور کور مغزی کے سبب یہ گمان کرتے ہیں کہ صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کر دینے کے بعد انہیں آزمائش کی صعوبتوں اور سختیوں سے نجات حاصل ہو جائے گی اور وہ کامرانیوں سے ہم کنار ہو جائیں گے تو اُن کا یہ خیال محض غلط اور باطل ہے۔ قرآن حکیم لوگوں کی اس خام خیالی کی تردید فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴾(عنکبوت/۳) اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو (بھی) آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے سو یقیناً اللہ ان لوگوں کو ضرور (آزمائش کے ذریعے) نمایاں فرما دے گا جو (دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مایزال البلاء بالمؤمن والمؤمنة فی نفسه وولده وماله حتی یلقی الله تعالیٰ وما علیه خطیئة** (ترمذی) مومن مرد اور عورتوں پر وقتاً فوقتاً آزمائش آتی رہتی ہے کبھی خود اُس پر، کبھی اُس کی اولاد پر یہ مصیبت آتی ہے اور کبھی اُس کا مال تباہ ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اُس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

اُٹھانا ہے سَر پر مصائب کی گٹھری یہاں خواہشِ عیش وَعشرت نہ کرنا (قیّسؔ)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے اگر وہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کر لیتا ہے اور اگر وہ آزمائش پر راضی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے خاص بندوں میں چُن لیتا ہے۔ (مکاشفۃ القلوب)

اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس ہمہ گیر قانون ابتلا اور اس کے نفاذ کی ہمہ جہتی بھی اپنے اندر بے اندازہ مصلحتیں اور بے کراں حکمتیں رکھتی ہے۔ یہ آزمائش محض آزمائش ہی نہیں ہوتی بلکہ اپنے اندر بڑے زبردست دینی فوائد بھی رکھتی ہے۔ زبانی دعوے اسلام میں ایک سچے مومن اور فریب کار منافق کے درمیان تمیز و شناخت کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔

وَیسے تو عیاں ہوتی ہے چہرے سے محبت
اور اقِ دل کو قیؔس پڑھا بھی نہیں جاتا

جو چیز منافقوں کو اہل ایمان کی برگزیدہ جماعت سے جُدا کرتی اور سچوں‘ جھوٹوں کے درمیان خط امتیاز کھینچتی ہے وہ آزمائش ہی ہے۔

آزمائش اہل ایمان کے گروہ سے ان فاسد عناصر کو جن کے دعوے محض نوک زبان سے ہوتے ہیں الگ کر دیتی ہے۔ ﴿**وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ**﴾ (عنکبوت/۱۱) اور اللہ ضرور ایسے لوگوں کو ممتاز (الگ) فرما دے گا جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا۔

اس آزمائش و ابتلا کی کسوٹی پر پہنچ کر خود اہل ایمان بھی منافقوں کے مکر و فریب اور طمع ساز‘ قبیح طینت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ابتلا و آزمائش‘ دعوے ایمان میں صادق و کاذب دونوں کے فکر و عمل میں ایک واضح فرق پیدا کر دیتی ہے۔ جب آزمائش آتی ہے‘ صادق القول مومن کا یہ عمل ہوتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کی پُکار پر حیلہ بازی اور بہانے تلاش نہیں کرتا اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ اپنے

زاوَیۂ فکر وَعمل کو مصلحت کوشی اور دُنیاوی مفاد سے الگ کر کے مشیت ایزدی کا پابند بناتا ہے اور اس کے فکر وعمل کا یہ انداز اس کے ایمان وَاعتقاد کی توانائی اور قوت کا سبب بنتا ہے۔

آزمائش کے وقت عملی رویہ سے قطع نظر اندازِ فکر میں بھی زبردست تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ اہل ایمان کا اندازِ فکر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان آزمائشوں کو اپنی منزلِ مقصود کے لازمی مراحل تصور کرتے ہیں۔ ان کا کامل اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ آزمائش ہمارے دعوے ایمان کی صداقت کو پَرکھنے کے لئے ہے اور اس امتحان میں کامیابی ہی ہمیں نجات کی منزلِ مقصود تک پہنچائے گی۔ اہل ایمان اس بات کا کامل یقین رکھتے ہیں کہ انہیں ضرور آزمایا جائے گا۔ اسی لئے وہ آزمائشوں کے وقت چین بہ جبین نہیں ہوتے اور نامساعدت روزگار کا گلہ نہیں کرتے۔

آزمائش کے ذریعہ مخلصین کے معیارِ اخلاق وتقویٰ کو بلند کرنا مقصود ہوتا ہے ان کے دِلوں کا میل آزمائش کے بھٹی میں جَل کر ختم ہوجاتا ہے۔ مشکلات ومصائب کے لگاتار مقابلے سے ایمان کی کمزوریاں، توانائیوں سے بدل جاتی ہیں، شکوک وشبہات کے اندھیروں میں یقین واذعان کی شمعیں فروزاں ہوجاتی ہیں۔ عزم واستقلال کی توانائی ہی ایمان واخلاق کو پختگی اور بلندی عطا کرتی ہے۔

قانون آزمائش ایک ہمہ گیر قانون ہے جس سے انسانوں کے دعوے ایمان واعتقاد کی صحت جانچی اور پرکھی جاتی ہے اور اہلِ ایمان کے معیارا خلاق وتقویٰ کی بلندی کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ آزمائشوں میں کامیاب وکامران ثابت ہونے والوں کے لئے زبردست انعامات خداوندی حصے میں آتے ہیں اور بشارتِ ربّانی اُن کے حق میں ہوتی ہے۔

مصائب وآلام پرصبر واستقامت اہلِ ایمان کی علامت بن گئی۔ آزمائشیں جتنی سخت ہوں گی اسی قدر بلندی درجات کا سبب بنیں گی بشرطیکہ ان پرصبر واستقامت کا مظاہرہ کیا جائے یعنی آزمائش جتنی سخت اتنا ہی بڑاانعام ملے گا بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر راہِ حق سے بھاگ کھڑا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ بندۂ مومن کے لئے معمولی سے معمولی آزمائش اور راہ حیات کی تنگی گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں۔ ابتلا وآزمائش پرصبر وشکر کے خوش گوار نتائج وانعامات دُنیا کی زندگی میں کامیابی وکامرانی کی صورت میں بھی میسر آتے ہیں اور آخرت میں بھی بلندی درجات کا سبب بنتے ہیں۔ دُنیا کی عظیم دینی، علمی، دعوتی شخصیتوں کی اُفق تاریخ پر کھینچی ہوئی زریں کہکشاں اس امر کی گواہ ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آزمائشیں بادی النظر میں انسان کی ہستی اور اس کی دولت وسرمایہ کی بربادی، ناکامی ونامرادی کا پتہ دیتی ہے، مگر ایسا نہیں۔ ان عظیم عزت مآب ہستیوں کی ظاہری ناکامی ونامرادی پر ذَرا غور وتامل سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ابتلا وآزمائش کی سختیوں نے جسم ورُوح کا تعلق توڑ دیا مگر انہیں جو حیات جاوِداں عطا ہوئی وہ ہزار سالہ کامیاب وَکامراں زندگی پانے والے کے لئے بھی قابلِ رشک بن گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی :

ارض مقدس فلسطین کو اللہ کے خلیل نے مصر سے واپسی کے بعد اپنا مستقر بنالیا جہاں سے دِین حق کی تبلیغ واشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔ دعوتِ حق کے مساعی جمیلہ میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کرنے کے بعد اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو شدید احساس ہوا کہ اُن کے بعد کارِ رسالت کو انجام دینے کے لئے ایک فرزند صالح ناگزیر ہے جو مِلّتِ ابراہیمی کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام

نے بارگاہِ قاضی الحاجات میں بڑی رِقت ودَرد کے ساتھ دِل کی تمنا کا اظہار کیا‘ قلب کی گہرائیوں سے بیٹے کے لئے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے نیک اولا دعطا فرما۔

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۰)

الٰہی ! مجھے لائق (نیک وصالح) اولاد دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۱)

تو ہم نے اُسے خوشخبری سُنائی ایک بُردبار (حلیم المزاج) لڑکے کی۔

آپ کی دُعا میں تین مطالبے تھے: اے اللہ ! اولادِ نرینہ (لڑکا) عطا فرما۔ وہ بُردباری کی عمر تک پہنچے اور بُردبار ہی رہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی حلیم ہیں‘ آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ (التوبہ/۱۱۴) بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے (دردمند‘ رحیم المزاج حلیم الطبع) متحمل (بُردبار) ہیں۔

لَاَوَّاه سے مراد خشوع اور عجز وانکساری کرنے والا۔ (تفسیر طبری)

لَاَوَّاه سے مراد دُعا اور اللہ تعالیٰ کے پاس راحت وتسکین حاصل کرنے والا جیسا کہ مریض کی اپنے مرض سے آہیں بھرنے کی حالت ہوتی ہے۔ (تفسیر درمنثور)

لَاَوَّاه سے مراد توبہ کرنے والا مومن۔ (تفسیر طبری)

لَاَوَّاه سے مراد مطیع وفرمانبردار مومن۔ (تفسیر درمنثور)

لَاَوَّاه سے مراد کثیر الدُعاء متضرع۔ (تفسیر خزائن العرفان)

سیدنا ابرہیم علیہ السلام کو اُن کی رقت اور رحمت کی وجہ سے **لَاَوَّاه** کہا جاتا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ﴿اِنَّ اِبۡرَاهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کے حلم اور بردباری کی کیفیت یہ تھی کہ جب اُن کی قوم کا کوئی فرد انہیں اَذیت اور تکلیف دیتا تو اُسے فرماتے: اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت عطا فرمائے۔ (تفسیر درمنثور)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ﴿اِنَّ اِبۡرَاهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ﴾ کی تفسیر میں کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام جب جہنم کا ذکر کرتے تو آپ آگ کے ذکر سے آہیں بھرتے۔ (تفسیر درمنثور، بحوالہ تفسیر طبری)

نکتہ : سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب بھی دُعائیں کرتے تو آہیں بھرتے تھے لیکن 'واقعہ آگ' چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لئے اس موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دُعا نہیں کی' بلکہ پیکر صبر و رَضا بنے رہے' ثابت قدمی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے امتحان میں کامیاب رہے۔ اس موقع پر دُعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا (حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام) بھی حلیم عطا کیا تاکہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف وفضیلت والا ہوا اور جلیل القدر نبی ہو۔

'صلاح' یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے اس لئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بیٹے کے لئے بھی یہی دُعا کی اور اپنی ذات کے لئے بھی دُعا کرتے ہوئے عرض کیا:

﴿رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡماً وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ﴾ (الشعراء/۸۳)

اے میرے رب ! مجھے حکمت عطا فرما اور (مراتبِ قرب میں) مجھ کو (اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پیغامِ حق کی اشاعت کے فریضے کو ادا فرمایا' دُنیا میں اللہ کے پہلے گھر کی تعمیر نو کی اور اطاعت الٰہی کی انجام دہی کو اس کمال تک پہنچا دیا جس کا تصور بھی عام انسانیت کے لئے ناممکن تھا۔ جب آپ کو اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی قربانی کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا' ارشاد ربّانی ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۲)

پھر جب وہ (لڑکا' حضرت اسماعیل) ایسی عمر کو پہنچا کہ اُن (حضرت ابراہیم) کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا (چلنے پھرنے لگا) تو (حضرت ابراہیم نے) فرمایا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں' اب تم بھی سوچ لو (دیکھ لو کہ) تمہاری کیا رائے ہے؟ (یہ آپ نے اس لئے کہا تھا کہ فرزند کو ذبح سے وحشت نہ ہو اور اطاعتِ امر الٰہی کے لئے وہ برغبت تیار ہوں) یہ آخری امتحان صرف ذاتِ ابراہیمی سے متعلق نہ تھا بلکہ باپ بیٹے دونوں کا مشترکہ امتحان تھا اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کی رائے دریافت کی۔ کم سن اسماعیل (علیہ السلام) جس کی بشارت ﴿غُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ ایک بُردبار' حلیم المزاج لڑکے کے ساتھ دی گئی تھی اور وہ اس عظیم باپ کے بیٹے تھے جنہوں نے آلام ومصائب کی ہر منزل پر صبر واستقامت کے روشن مینارے قائم کر دیئے تھے۔ فرزندِ ارجمند نے اس سخت آزمائش کے لئے اپنی ذات کو پیش کرنے میں دریغ نہ کیا' رضائے الٰہی پر فدا ہونے کا کمال شوق سے اظہار کیا: اے میرے باپ! آپ کو جس بات کا حکم ہوا ہے آپ

(بلا تامل) کیجئے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے (ان شآءاللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے)۔

نکتہ : دیکھو نیند وہ چیز ہے جو شاہ وَ گدا کو ایک کر دیتی ہے۔مگر نبی اور اُمتی کو نیند بھی ایک نہیں کرسکتی۔ ہماری نیند غفلت پیدا کرے، وضو توڑ دے۔ ہماری خوابیں سچی بھی ہوتی ہیں جُھوٹی بھی۔ مگر نبی کی نیند نہ غفلت پیدا کرے نہ وضو توڑے۔اُن کے خواب بھی وحی الٰہی ہیں۔ دیکھو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کے ذبح کا حکم پاکر چُھری اور رسّی سنبھال لی۔ اگر ہم یہ خواب دیکھیں تو بے گناہ بچے کو ذبح نہیں کر سکتے۔ ہم خواب دیکھ کر اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو یہ قتل کہلائے گا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم (وحی الٰہی) سے ایسا کیا تھا ...... انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوتے ہیں۔کسی اور شخص کا یہ مرتبہ وَ منصب نہیں ہے کہ وہ وَحی الٰہی کا حامل ہو کیونکہ وَحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے......غرض کہ وہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اللہ کے رسول ہیں۔اُن کی ہر جنبش رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔اسی لئے اُن کی کسی اَدا پر اعتراض کرنا اور اُن کے کسی عمل کو نظرِ حقارت سے دیکھنا کفر ہے کیونکہ اُن پر اعتراض رب تعالیٰ پر اعتراض ہے۔

جب انسان، اللہ تعالیٰ کو اُس کی صفات کمالیہ سے پہچان لیتا ہے تو وہ اُسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار ! اے ملکوت السمٰوات والارض کے حقیقی فرمانروا ! اے مجھ جگر سوختہ اور دل خستہ کے عشق وَ مستی کے مرکز ! مجھے ہر قسم کے شیاطین کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ان کی وسوسہ اندازیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرما اور اس نحیف ونزار مسافر کی دستگیری کر اور اسے اس کی منزل تک پہنچا۔ جب یہ سعادت اسے حاصل ہوتی ہے تو اُس کی اولوالعزمی کی شان قابلِ دید ہوا کرتی ہے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے شیطان آ کر کہتا ہے: جانتی ہے ابراہیم (علیہ السلام) تیرے لختِ جگر کو آج نہلا دھلا کر اُسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے؟ حضرت ہاجرہ نے کہا: وہ ایسا کیوں کریں گے؟ کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ پھر وہ باپ جس کو پیرانہ سالی میں چاند سے حسین تر بچہ نصیب ہوا ہو' اُس نے کہا: اُن کے خدا نے اُنھیں حکم دیا ہے کہ اپنے بچے کو ذبح کر دیں۔ یہ سُن کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بے نیازی سے کہا' اگر میرے رب کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا' لاکھوں اسماعیل اُس کی رضا کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی حالت ہوتی ہے جنہیں رب کریم اپنی پناہ میں لے لیا کرتا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

جب شیطان یہاں سے مایوس ہو گیا تو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ورغلانا چاہا' قریب جا کر کہنے لگا: تمھیں معلوم ہے کہ تمہارے والد تمھیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ شیطان نے کہا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: اے لعین! دَفع ہو جا۔ میری یہ جان اللہ کی رضا کے لئے حاضر ہے۔ شیطان یہاں بھی کامیاب نہ ہوا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے:

سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمانِ باری پر
زمین و آسمان حیراں تھے اس طاعت گزاری پر

قربانی کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر :

'قال بعضهم كان فى ذالك الوقت ابن ثلاث عشرة سنة ' (تفسیر کبیر)

بعض اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ دَرپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی۔ (دوڑ دھوپ کے لائق ہو کر بلوغیت کے قریب پہنچ گئے تھے)

امتحان کی وجہ :

چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذِکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی' اب امتحان لے کر اُسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بُردبار بیٹا آپ کو رب تعالیٰ نے عطا کیا' جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

تین دن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا خواب دیکھنا :

ذوالحجہ کے سات دن گذر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: 'بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے'۔ آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردّد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذوالحجہ کا نام یوم الترویہ رکھا گیا (سوچ بچار کا دن)۔ آٹھ تاریخ کا دن گذر جانے پر رات پھر خواب دیکھا' صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی لئے نویں ذی الحج کو یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم اِرادہ کر لینے پر ہی دس ذوالحجہ کو یوم النحر (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟

ان اللہ تعالیٰ جعل رؤیا الانبیاء علیہم السلام حقا

بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے خوابوں کو حق بنایا یعنی اُن کے خواب سچ ہوتے ہیں اُن کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے ....انبیاء کرام کا خواب وحی اور حکم الٰہی ہی ہوتا ہے جس پر عمل ضروری ہوتا ہے' بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے۔

انبیائے کرام کے خواب کی تین قسم :

(۱) جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہٖ واقع ہو' جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا کہ آپ بمع اپنے صحابہ کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب سے بعض نے سرمنڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے۔ آپ کا یہ خواب ایک سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا :

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَاتَخَافُوْنَ﴾ (الفتح / ۲۷)

بیشک اللہ تعالیٰ نے سچ کر دِکھایا اپنے رسول کا سچا خواب۔ بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے' اَمن وَامان سے اپنے سروں کے بال منڈوائے یا ترشوائے (تم میں سے کوئی سرمنڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترا تا ہوگا)' بے خوف (تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا)۔

(۲) خواب میں صرف امتحان ہو' اُس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا' یہ صرف امتحان تھا۔ آپ نے اپنے امتحان پر عمل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔

(۳) خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے۔ جس چیز کو خواب میں دِکھایا گیا ہو اُس کا وقوع نہ ہو بلکہ اُس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو' وقوع مشابہ ہو' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب :

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سَاجِدِيْنَ﴾ (یوسف/۴)

'یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ (سیدنا یعقوب علیہ السلام) سے کہا: اے میرے باپ میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں، انہیں (اپنے رُوبرو) اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا'۔

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے، لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کا خواب اس طرح سچا کر کے دکھایا:

﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ (یوسف/۱۰۰) اورسب کے سب یوسف کے آگے سجدے میں گر گئے' اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بیشک اُسے میرے رب نے سچا کیا۔

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دِکھائے گئے اور گیارہ بھائی' گیارہ ستاروں کی صورت میں۔ خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیمی کیا' جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ (تفسیر کبیر)

غیر خدا کو سجدۂ تعظیمی حرام ہے :

مظہر امام اعظم محی الحنفیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کی آیات' چالیس مستند احادیث اور ایک سو دس فقہی نصوص اور بزرگان دین کے اقوال سے سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے پر **'الزبدة الزكيه فی تحريم سجود التحية'** تحریر فرمائی ہے جس میں ارشاد فرماتے ہیں :

' مسلمان ! اے مسلمان ! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان ! جان اور یقین جان ! کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے نہیں' اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدۂ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین ۔۔اس کے کُفر

ہونے میں اختلاف علمائے دین' تو قرآن عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدۂ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔۔**والعیاذ بالله** ۔۔ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو سجدۂ تحیت کی اجازت چاہی' اس پر ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں کفر کا حکم دیں۔ معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ جب خود حضور اقدس ﷺ کے لئے سجدۂ تحیت کا یہ حکم ہے تو پھر اوروں کا کیا ذکر؟ **(الزبدة الزكيه)**

عالم' مُرشد' ولی' یا قبر کو عبادت کی نیّت سے سجدہ کرنا یقیناً شرک ہے اور عزت' احترام اور تعظیم کی نیّت سے سجدہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہو جاتا۔لہذا' مسلمانوں کو کبیرہ گناہ کی وجہ سے کافر یا مشرک قرار دینا گمراہی اور بے دینی ہے۔ سجدۂ تعظیمی سابقہ شریعت میں جائز تھا لیکن شریعت محمدی ﷺ میں حرام قرار دیا گیا۔ شرک ہر نبی کی شریعت میں شرک ہوتا ہے۔ شرک کسی نبی کی شریعت میں جائز اور کسی نبی کی شریعت میں حرام نہیں ہوسکتا۔

مظہر امام اعظم محی الحنفیت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

' ابطالِ شرک کے لئے تو وہی واقعہ حضرت آدم اور مشہور جمہور پر حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دلیلِ کافی ۔۔۔ محال ہے کہ اللہ عزوجل کبھی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگر چہ پھر اُسے منسوخ بھی فرمائے۔ اور محال ہے کہ ملائکہ وانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے شریکِ خدا بنائے یا اُسے روا ٹھہرائے ' (الزبدۃ الزکیہ)

سجدۂ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے نہیں ہوسکتا۔ نہ کسی نبی کی شریعت میں کبھی جائز ہوا۔ سجدۂ تحیت (سجدۂ تعظیمی) پہلی شریعتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں منسوخ کیا گیا جیسے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا فضل وَ شرف ظاہر کرنے کے لئے سجدۂ تحیت (سجدۂ تعظیمی) کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت بحر العلوم محمد عبد القدیر حسرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
'سجدہ غیر اللہ کو اسلام میں حرام کر دیا گیا۔ ہرگز اب کسی کو سجدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ سجدۂ عبادت، نہ سجدۂ تعظیمی۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں سجدہ کی اجازت دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں'

ظاہر ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے سجدہ نہیں لیا' اس کی ممانعت کر دی تو دوسرا کیوں کر سجدہ لے سکتا ہے۔ اب غیر اللہ کو سجدہ ہرگز دُرست نہیں۔ ممنوع ہے حرام ہے اور اِس کا مرتکب' عاصی ہے۔ (درس القرآن)

بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ :

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا حلم (بُردباری) کے اعلیٰ میعار پر فائز ہو چکا ہے' اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے' آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دُنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو 'ان شاء اللہ' سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ 'ان شاء اللہ' ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اُسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں :

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

سعادت مند بیٹے (سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام) کا یہ جواب ﴿یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ﴾ اے میرے باپ! آپ کو جس بات کا حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے (ان شآء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے) سُن کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کتنی مسرت ہوئی ہوگی اور اُن کے عزم کو کتنی تقویت ملی ہوگی اس کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں، چنانچہ آپ اپنے پیکرِ حُسن و جمال بیٹے کو لیکر جنگل میں پہنچے، اُن کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا اور گلے پر بے دھڑک چھری چلا دی، ندا آئی، بس اے ابراہیم بس! اپنا ہاتھ روک لے، تو نے اپنے خواب کی عملی تصدیق کر دی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی :

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا اِرادہ کیا تو انسانی شکل میں آپ کو رُوکنے اور بہکانے کے لئے منیٰ کے راستے آیا، لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا، پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اِس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن اُن پر بھی اُس کا داؤ نہ چل سکا تو اُس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تاکہ آپ اُس سے آگے نہ جاسکیں، شیطان نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قربانی سے رُک جائیں مگر اللہ کے خلیل کے عزم کے سامنے بے بس ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ کو کہا: اُسے ماریں، آپ نے (جمرہ عقبیٰ پر) اُسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا اور بھاگ گیا، دوبارہ پھر منیٰ کے راستے جمرہ الوسطیٰ کی جگہ پر ظاہر ہوکر آپ کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی، آپ نے پھر سات کنکریاں (جمرہ الوسطیٰ پر) مار کر راستہ سے

ہٹادیا' تیسری بار پھراسی طرح آگے آکر راستہ بند کردیا تو آپ نے پھراس طرح سات کنکریاں جمرہ اولیٰ پر مارکرراستہ سے ہٹا دیا۔

اسی واقعہ کی یاد میں اب تک منیٰ میں جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں تاکہ حاجیوں کو یہ سبق یادرہے کہ وہ شیطان کے بہکانے میں نہ آئیں۔

آج حاجیوں پر اس سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کرنا واجب کردیا گیا۔ **سبحان الله** اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں کہ اُن کو عظیم عبادت کا حصہ بنادیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی)

(☆) منیٰ : اہل عرب ایسی جگہ کو منیٰ کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں' یہاں پر بھی لوگ حج کے موقع پر جمع ہوتے ہیں اس مناسبت سے اسے منیٰ کہا جانے لگا۔اس کا محل وقوع مکہ اور مزدلفہ کے درمیان ہے۔ یہ مشعر ہے (عظمت والی جگہوں میں سے ہے) اور حدودِ حرم کے اندر ہے' یہیں پر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماریں جب وہ آپ کے راستے میں رکاوٹ بنا' اسی مقام پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ میں جنت سے آیا ہوا دُنبہ ذبح کیا گیا' حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے بھی سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے انہی تین مقامات پر کنکریاں ماریں اور جانور ذبح فرمائے' اسی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے تمام حجاج کرام جمرات کو کنکریاں مارتے ہیں اور قربانی کرنے والے قربانی کرتے ہیں۔

(☆) جمرات : جمرہ چھوٹی کنکری کو کہتے ہیں یہاں تین جمرات ہیں پہلے کو چھوٹا جمرہ (جمرہ صغریٰ)' دوسرے کو درمیانہ جمرہ (جمرہ وسطیٰ) اور تیسرے کو بڑا جمرہ (جمرہ کبریٰ) کہتے ہیں۔ رمی جمرات کا معنیٰ ہے کنکریاں مارنا۔ یہ حج کے واجبات میں سے ہے۔رمی کرنا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سُنّت ہے جن کی اتباع کا حکم اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں دیا ہے ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ﴾ (الممتحنہ/٦)
بیشک تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) میں بہترین نمونہ (اقتداء) ہے۔

نیز، حضور نبی کریم ﷺ کے حکم کی اتباع ہے جنہوں نے دورانِ حج رمی کی اور فرمایا **خذوا عنی مناسککم** مجھ سے احکام حج سیکھو۔ گویا کنکریاں مارنا اس جذبہ کا اظہار واعلان ہے کہ شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے جس کو ہم کنکریاں مار رہے ہیں، ان پتھروں کے ستونوں کو کنکریاں مارنے سے شیطان کی ذلّت وتحقیر ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کی ادائیگی کے لئے لیکر چلے تو جمرہ عقبہ کے پاس شیطان ظاہر ہوا، آپ نے سات کنکریاں اس پر ماریں جس سے وہ چلا گیا۔ جمرہ وسطیٰ کے پاس پھر ظاہر ہوا پھر آپ نے سات کنکریاں ماریں۔

دس ذی الحجہ کو چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے بڑے جمرے کو کنکریاں ماریں اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں ماریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے 'رمی کرنے اور صفا مروہ کی سعی کرنے کا مقصد اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ (جامع ترمذی)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مشورہ دینا :

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) سے کہا: اے میرے ابّا جان ! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تاکہ میں تڑپوں نہیں، اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھنا تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہوجائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تاکہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہوجائے۔ جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا اسلام اُن کو دینا۔

ان باتوں کے بعد باپ، بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا، باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا محبت کے آنسو چھلک پڑے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

﴿فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ﴾ (الصّٰفّٰت ۱۰۳) تو جب اُن دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی (دونوں نے خدا کے حکم کو تسلیم کرلیا) اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا (بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ پر لٹایا)۔

اَسۡلَمَا سے ایک تو مُراد یہ ہے کہ دونوں نے حکم الٰہی کی فرمانبرداری کی اور اُسے پورا کرنے کا عزم صمیم کرلیا۔ دوسرے معنٰی یہ بھی مُراد ہے کہ یکے بعد دیگرے سرِ تسلیم خم ہو گئے۔

وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ سے مُراد ہے کہ والد نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا' تا کہ انہیں گدی کی طرف سے ذبح کریں اور ذبح کے وقت بیٹے کی حالت کو دیکھ نہ پائیں۔ ابن عباس' مجاہد' ابن جبیر' قتادہ اور ضحاک علیہم الرضوان نے اسی طرح کہا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہیں پہلو کے بل لٹایا تھا جس طرح عام طور پر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا جاتا ہے اور پیشانی کا ایک حصہ زمین سے ملا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا' تکبیر کہی اور بیٹا ذبح ہونے اور موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہو گیا۔

ماتھے کے بل لٹانے میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ ہی تھا کہ کہیں آپ محبت پدری کی وجہ سے چھری چلانے میں معمولی سی کوتاہی نہ کردیں۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

چھری چلانے سے پہلے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے اپنے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میری تین باتیں قبول فرمائیں:

(۱) میرے ہاتھ پاؤں رسّی سے باندھ دیں تاکہ تڑپنے سے خون کا کوئی چھینٹا آپ کے لباس پر نہ پڑ جائے۔

(۲) اپنی آنکھوں پر پٹّی باندھ لیں' کہیں ایسا نہ ہوکہ ہاتھ میری محبت کی وجہ سے رُک جائے۔
(۳) میرا خون آلود کُرتہ میری والدہ کے پاس پہنچا دیں وہ اسے دیکھ کر اپنے دِل کو تسلّی دے لیا کریں گی۔

باپ نے بیٹے کے گلے پر چُھری رکھ دی۔تسلیم ورضا کا یہ منظر آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ تیز چُھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر پہنچ کر کُند ہوگئی۔ (یہ واقعہ منیٰ میں واقع ہوا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے گلے پر چُھری چلائی' قدرتِ الٰہی کہ چُھری نے کچھ بھی کام نہ کیا)۔ دوسری مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے ایک پتھر پر مارا۔ پتھر کو چھری نے دوٹکڑے کر دیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چھری سے کہا' تُو نے پتھر جیسی سخت چیز کو دوٹکڑے کر دیا ہے مگر اسماعیل کا گلا ریشم سے بھی نرم تھا' چُھری نے کہا :

الخلیل یامرنی بالقطع والجلیل ینهانی

خلیل کہتا ہے کاٹ مگر جلیل کہتا ہے' خبردار ! جو اسماعیل کا بال بھی بیکا کیا

جب خلیل خود جلیل کا حکم مان کر لٹانے بیٹھا ہے تو میں کیسے انکار کرسکتی ہوں۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں قربان کرنے کے لئے اور میرا بیٹا قربان ہونے کے لئے تیار ہے تو تُو کیوں رُکاوٹ بنتی ہے۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پھر چُھری اُٹھائی۔چُھری کے اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر پہنچنے سے پہلے پہلے جنت سے حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک مینڈھا لے آئے۔اس کو نیچے رکھ دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُٹھا لیا۔مینڈھا ذبح ہوگیا' تب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ندا آئی :

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرَاهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۵)

اور ہم نے اُسے ندا فرمائی (آواز دی)' اے ابراہیم ! (بس ہاتھ روک لو) بیشک تو نے خواب کو سچ کر دِکھایا۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں (محسنوں) کو' بیشک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اُسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اُس کی تعریف باقی رکھی۔

یہ ہے اسلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ۔ اپنے آپ کو' اپنی ہر چیز کو اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کے لئے قربان کر دینا۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اسے یادگار کے طور پر قیامت تک باقی رکھا۔ اب ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ اس آزمائش میں اُن کی استقامت' اُن کا ضبط اور صبر' اُن کے تقرب اور اُن کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا' تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفات' مصائب اور مشکلات میں اُن کی استقامت اور اُن کے صبر وضبط کو ظاہر فرمائے گا۔

یہ امرِ عظیم اور واضح روشن آزمائش تھی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ذبحِ عظیم کی قربانی دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش' فرمانبرداری اور حکمِ الٰہی کی بجاآوری میں سبقت کے مقاصد حاصل ہوگئے اور آپ کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی قربانی کے لئے اپنے آپ کو یوں پیش کر دیا جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو آگ میں کودنے کے لئے پیش کیا تھا اور جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنا مال مہمان نوازی کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے تو فرمانِ خداوندی ہوا :

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ بے شک یہ روشن جانچ (آزمائش) تھی۔

لاڈلے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم یہ ایک بڑی آزمائش تھی اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سرخرو رہے۔

دِل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سچا کر دِکھایا ہے کیونکہ اس سے واضح ہوگیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں انہیں کوئی چیز عزیز نہیں ہے حتٰی کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

چھری چلانے سے پہلے ہی کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دِکھایا کہ آپ چھری چلا دی تھی تو جبرئیل امین نے آ کر اُس کا رُخ بدل دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دُنبہ' حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر وثواب عطا کیا اور قیامت تک آپ کو ذبیح اللہ (اللہ کی رضا کے لئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔ (رُوح المعانی)

یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سُنّتِ ابراہیمی کو قیامت تک قربِ الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

جبرئیل علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا: '**اللہ اکبر اللہ اکبر**' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اُٹھایا تو دیکھا کہ جبرئیل فدیہ لا رہے ہیں تو پڑھا '**لا الہ الا اللہ واللہ اکبر**' جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سُنا تو آپ نے پڑھا '**اللہ اکبر و لِلّٰہِ الْحَمْد**'۔ ان تینوں حضرات کے مجموعی کلام کو 'تکبیراتِ تشریق' کی

صورت میں قیامت تک نمازیوں پر ذوالحجہ کی (۹) تاریخ کی فجر سے لے کر (۱۳) تاریخ کی نمازعصر تک واجب کردیا گیا تا کہ یہ یادگار قائم رہے۔(قاضی خان، حاشیہ ہدایہ)

خیال رہے کہ مدارک میں دوسرا کلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تیسرا کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذکور ہے۔

سونا خیرات کرنے کا ثواب :

رُوح البیان میں لکھا ہے کہ ایک بار صدقہ کا حکم دیا گیا تھا صحابہ کرام مال لا رہے تھے' ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ ارشاد نبوی ہوا کہ کیا پڑھتے ہو۔ عرض کیا کہ لوگ مال خیرات کررہے ہیں' میں غریب آدمی ہوں۔ مال پر قادر نہیں۔لہذا یہ پڑھ رہا ہوں **سُبْحَانَ اللّٰہِ ' وَالْحَمْدُ لِلّٰہ ' وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَللّٰہُ اَکْبَرْ**۔ارشادفرمایا کہ تمھارے لئے یہ کلمات سونا خیرات کرنے سے افضل ہیں۔

رُوح البیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے **سُبْحَانَ اللّٰہِ** حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا' عرش کی عظمت دیکھ کر۔اور سب سے پہلے **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** آدم علیہ السلام نے کہا' جب اُن میں رُوح پھونکی اور سب سے پہلے **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** نوح علیہ السلام نے کہا' طوفان دیکھ کر' اور سب سے پہلے **اَللّٰہُ اَکْبَر**' ابراہیم علیہ السلام نے کہا اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ یعنی دُنبہ دیکھ کر۔ جو یہ چاروں کلمات کہے گا وہ ان چاروں حضرات کے سائے میں رہے گا۔ (تفسیر نعیمی)

جنت کے درختوں پر تسبیح :

روایت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ شب معراج میں ہماری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ انھوں نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کو میرا اسلام فرمادیں اور انھیں بتادیں کہ جنت

کی زمین بہت زرخیز ہے وہاں کا پانی بہت شیریں ہے جنت میں سفید زمین بہت ہے وہاں کے درخت یہ کلمات ادا کرتے ہیں ۔ اللہ پاک ہے' اسی کی تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ وَلآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ** (ترمذی)

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی اور یہ گفتگو وہاں ہوئی ۔ عمومی ملاقات تو سارے انبیاء سے بیت المقدس میں ہو چکی تھی ۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے :

- ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بعد وفات میں ایک دوسرے سے بھی ملتے ہیں' اور زندہ مقبول بندوں سے بھی ۔
- دوسرے یہ کہ وہ حضرات زندوں کا سلام سُنتے بھی ہیں اور انھیں سلام کہلواتے بھی ہیں ۔
- تیسرے یہ کہ وفات یافتہ بندوں کو اور جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں اُن کو بھی سلام کہلوانا جائز ہے جب کہ اُن کو پہنچ سکے ۔ ابراہیم علیہ السلام نے قیامت تک کے مسلمانوں کو سلام کہلوایا جو حضور ﷺ کے ذریعہ ہم لوگوں تک پہنچ گیا ۔

سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ خرقان پہنچے تو لوگوں کو خبر دی کہ اس سرزمین میں سو برس کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوں گے جو اُنھیں پائے میرا سلام پہنچائے ۔ صحابہ کرام قریب الوفات صحابہ سے فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارا سلام عرض کرنا ۔

- چوتھے یہ کہ ہمیں بھی چاہیئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا کریں کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے ۔

چھری کیوں نہیں کاٹ سکی ؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جبینِ سعادت میں نورِ محمدی جلوہ طراز تھا۔ اسی کے ظہور کے ساتھ سارے عالم انسانیت بلکہ سارے جہانِ ہست و بود کی سعادتیں وابستہ تھیں۔ کوئی چھری اس کے گلے کو کیونکر کاٹ سکتی تھی اس حکم سے یہ دیکھنا بلکہ سارے جہان کو یہ دِکھانا مقصود تھا کہ نورِ محمدی کی امانت اس کے سپرد کی گئی ہے جو اس کا اہل ہے اور جو اس بارِ امانت کو اُٹھانے کی مقدرت رکھتا ہے۔ ﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (یٰس/۸۳) پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی رفتار :

حضرت جبریل علیہ السلام سدرہ سے جنت گئے اور وہاں سے مینڈھا لیا اور ابھی چُھری نے دو فٹ کا فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا کہ آپ زمین پر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ جبریل علیہ السلام کی رفتارِ پرواز بہت تیز ہے۔ علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اور علامہ عینی نے عینی شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ تم نے کبھی اپنی پوری قوت بھی صرف کی ہے؟ جبریل نے عرض کیا: چار مرتبہ میں نے پوری قوت صرف کی ہے:

(☆) پہلی مرتبہ : جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا جارہا تھا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے پھر اللہ کے خلیل آگ کی طرف جارہے تھے، میں مقامِ سدرہ پر بیٹھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جبریل ! جلدی پرواز کر۔ میرا خلیل آگ میں جارہا ہے آگ کو پَر مارکر گلزار بنادے۔

یارسول اللہ ﷺ ! میں نے سدرہ سے پرواز کی اور خلیل اللہ علیہ السلام کے آگ میں پہنچنے سے پہلے پہنچ گیا اور آگ کو گلزار بنا دیا۔

(☆) دوسری مرتبہ : میں سدرہ پر تھا۔ چُھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے کی طرف آ رہی تھی، چھری کے لئے صرف دو فٹ کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ چھری کے اس دو فٹ کے فاصلے کو طے کرنے سے پہلے پہلے میں جنت سے مینڈھا لے کر پہنچ گیا۔

(☆) تیسری مرتبہ : حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا جا رہا تھا۔ والد (سیدنا یعقوب علیہ السلام) کا پہنایا ہوا لباس اُتار دیا گیا، کھانا پھینک دیا گیا، بازو میں رسّی باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا گیا۔ آہستہ آہستہ پانی کی سطح قریب آ رہی تھی، ایک بھائی نے تلوار مار کر رسّی کاٹ دی۔ نصف راستہ طے ہو چکا تھا اور نصف باقی تھا رسّی کاٹ دی گئی اور مَیں سدرہ پر بیٹھا تھا، حکم ہوا: جبریل ! جلدی جنت جا اور یوسف (علیہ السلام) کے پانی پر پہنچنے سے پہلے پہلے جنتی تخت لے جا کر پانی پر بچھا دے۔ میں نے اپنی قوت صرف کر دی۔ سدرہ سے جنت گیا اور وہاں سے تخت اُٹھا کر زمین کی طرف آیا اور ابھی یوسف علیہ السلام پانی پر نہیں پہنچے تھے کہ میں پہلے پہنچ گیا۔

(☆) چوتھی مرتبہ : غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور خونِ مبارک کا قطرہ زمین کی طرف جا رہا تھا۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا: اے جبریل ! اگر میرے محبوب کے خونِ پاک کا قطرہ زمین پر گر گیا تو زمین جل کر راکھ ہو جائے گی (زمین سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوگی)، جلدی جاؤ، میرے حبیب پاک کا خون زمین پر نہ گرے۔ حضور ﷺ کا خونِ مبارک ابھی زمین پر نہیں گرا تھا کہ جبریل علیہ السلام پہنچ گئے اور خون کو اپنے ہاتھ پر لے لیا اور اسے ہوا میں پھیلا دیا۔
(تفسیر رُوح البیان)

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بہت بڑی قوت وَ طاقت کے مالک ہیں۔

﴿اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ﴾ (تکویر/۲۰)
بے شک یہ (قرآن) عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے۔ مالک عرش کے حضور عزت والا ہے (قوت کی نسبت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف بھی کی گئی ہے)

آپ اندازہ فرمائیں کہ اتنی بڑی طاقت والا فرشتہ جس کی پرواز کا یہ عالم ہو کہ سدرہ سے زمین پر پہنچنے میں ایک سکنڈ سے بھی کم وقت لگے' یہ فرشتہ معراج کی رات حضور سید عالم ﷺ کے پاؤں چوم رہا ہے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں بحیثیت خادم موجود تھا۔ معراج کی رات حضرت جبرئیل علیہ السلام پچاس ہزار فرشتوں کی جماعت اور جنتی براق لئے حاضر ہوتے ہیں حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ محوِ استراحت ہیں جبریل علیہ السلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر آواز دے کر جگایا تو یہ بے ادبی ہے اور یہ :

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

پروردگارِ عالم نے فرمایا: **یاجبریل قبل قدمیہ** اے جبریل ! میرے محبوب کے دونوں پاؤں چوم لے۔

حضور شیخ الاسلام رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

خدائے برتر وبالا ہمیں پتہ کیا ہے ترے حبیب مکرم کا مرتبہ کیا ہے
جبینِ حضرت جبریل پر کفِ پا ہے ہے ابتداء کا یہ عَالم تو انتہا کیا ہے

ناز سے ایک دن آپ نے یہ کہا' یہ بتا طائر سدرۃ المنتہٰی
ہے تیرے سامنے عالمِ کُن فکاں' تو نے پائی کسی میں مری شان بھی
بولے یہ حضرت جبرئیل امیں' اے نگاہِ مشیت کے زہرہ جبیں
ہو ترا مثل کوئی کبھی اور کہیں' رب نے رکھا نہیں اسکا امکان بھی

جبریل علیہ السلام نے اپنی کافوری آنکھیں اور ہونٹ حضور ﷺ کے مبارک قدموں پر رکھ دیئے سید عالم ﷺ بیدار ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی ان اللہ اشتاق الی لقائك یارسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ جن کے پاؤں کو بوسے دینے والا جبریل امین ہو' جو تمام فرشتوں کا سردار ہے......اور مشتاقِ ملاقات تمام کائنات کا خالق و مالک ہو' اس کی شان کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

جب پاؤں چومنے والے حضرت جبریل امین علیہ السلام سدرہ سے زمین پر اتنی جلدی آسکتے ہیں تو سید عالم ﷺ کا معراج سے واپس آجانا کہ زنجیر بھی ہلتی رہے' پانی بھی چلتا رہے اور بستر بھی گرم رہے' کون سی بڑی بات ہے۔

جب سید عالم ﷺ معراج سے واپس آئے تو ابھی یہاں رات کا سماں تھا' سپیدۂ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ زنجیر ابھی ہل رہی تھی' بستر گرم تھا اور وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔ (تفسیر روح المعانی)

مقصدِ قربانی :

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (حج/۳۷)

نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو اُن کے گوشت اور نہ اُن کے خون' البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمھاری طرف سے' اسی طرح اللہ جل شانہ' نے (قربانی کے جانوروں کو) تمہارے لئے مسخر کردیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی (اور قربانی کرنے کی توفیق دی) اور اے حبیب ﷺ اخلاص والوں کو (اللہ تعالیٰ کی رضا کی) خوشخبری سُنا دیجئے۔

کفار جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا خون کعبۃ اللہ کی دیواروں پر مل دیتے اور گوشت اپنے بتوں کے پاس لاکر رکھ دیتے اور خیال کرتے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے ہماری قربانی مقبول نہیں ہوتی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں کہ تم اُسے اٹھاؤ اور کعبۃ اللہ کی دیواروں پر مل کر انھیں آلودہ کر دو۔ اس کی جناب میں تمہارا اخلاص اور تقویٰ شرف قبولیت حاصل کرے گا تمہارے دل میں جتنا خلوص زیادہ ہوگا تمہارے عمل پر تقویٰ کا رنگ جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی اس کی مقبولیت زیادہ ہوگی۔

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا﴾ میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا نہ وہ مقصود قربانی ہے بلکہ مقصود اصلی اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا اور حکم ربی کی بجا آوری دِلی اخلاص کے ساتھ ہے۔ یہی حکم دوسری تمام عبادت کا ہے کہ نماز کی نشست و برخاست، روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود اصلی دلی اخلاص و محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی راہ میں دِل سے اُن کی قربانی کرکے اس بات پر اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تم کو اس طرح قربانی کرنے کی توفیق دی ہے۔ قربانی اور باقی کے سب عمل خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیّت سے اللہ کو علیم وخبیر (حاضر وناظر) جان کر جو لوگ کرتے ہیں ان کو دس گنا سے سات سو گنا تک اور زیادہ نیک نیتی کے نیک عملوں کا اس سے بھی بڑھ کر اجر دیا جائے گا۔ اگر یہ عبادات اس اخلاص و محبت سے خالی ہیں تو صرف صورت اور ڈھانچہ ہے رُوح غائب ہے مگر عبادت کی شرعی صورت اور ڈھانچہ بھی اس لئے ضروری ہے کہ حکم ربانی کی تعمیل کے لئے اس کی طرف سے یہ صورتیں متعین فرما دی گئیں ہیں۔۔ واللہ اعلم۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی صفات :

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۚ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾

(مریم/۵۵-۵۴) اور اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے' بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

قرآن مجید میں جہاں **وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ** ارشاد ہوا' وہاں معنیٰ ہوتا ہے چرچہ کرو' لوگوں کو بتاؤ۔

بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ نبوت خانوادۂ اسحٰق میں بند ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر نہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر فرما کر اُن کے زعم باطل کی بھی تردید کر دی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو صرف نبی کہا گیا اور انھیں رسول اور نبی دونوں صفتوں سے موصوف کیا گیا جس سے آپ کی علّو مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ (رسول اس کو کہتے ہیں جو صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت ہو' اور نبی اُس کو کہتے ہیں جو دوسرے پیغمبر کی کتاب اور شریعت کا پابند ہو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام علحدہ مستقل شریعت والے نبی تھے' آپ قوم جرہم کی طرف رسول تھے)۔ آپ کی صفاتِ کمال میں سے صادق الوعد ہونے کی صفت خصوصی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ جو بھی وعدہ کیا انھوں نے پورا کیا۔ سب سے اہم وعدہ وہ تھا جو آپ نے اپنی کم سنی میں اپنے والد ماجد سے کیا تھا۔ ﴿ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یعنی مجھے ذبح کرنے کا جو حکم خداوندی آپ کو ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ میں اپنے ذبح ہونے پر قطعاً کسی بےصبری کا مظاہرہ نہیں کروں گا اور دُنیا جانتی ہے کہ اس مردِ پاکباز نے اپنے اس وعدہ کو کس صدق و استقامت سے پورا کیا۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ یہ آپ کی دوسری خصوصی شان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو تبلیغ کا آغاز گھر والوں سے کرنا چاہئیے۔

ان آیتوں میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد تھے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں وہ نہایت صادق تھے۔

۲۔ وہ لوگوں سے جس بات کا وعدہ کرتے تھے اس کو پورا کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا' وہ وہاں پر نہیں آیا تو آپ نے ایک سال تک اس کا انتظار کیا۔ (تفسیر کبیر)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے کوئی چیز نبی کریم ﷺ کو فروخت کی اور آپ کا کچھ بقایا میرے پاس رہ گیا' میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ آپ کے پاس اسی جگہ آؤں گا پھر میں بھول گیا' مجھے تین دن بعد یاد آیا' دیکھا کہ آپ اسی جگہ میرا انتظار فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے شخص تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈالا۔ میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

آج مسلمانوں کو دیگر عملی بیماریوں کی عادت کے علاوہ وعدہ خلافی کی بیماری بھی شدید طریقے سے پیدا ہوتی جارہی ہے حالانکہ وعدہ خلافی اور پھر جان بوجھ کر وعدہ خلافی اکبر الکبائر گناہوں میں سے ایک گناہِ کبیرہ ہے۔ وعدہ نبھانا حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ قرض کے برابر ہے۔ فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ وعدہ نبھانا واجباتِ اسلامیہ اور اخلاقی فرائض میں شامل ہے۔ رب تعالیٰ نے اخلاقِ نبوت اور سیرت طیبہ صادق الوعد جیسی صفتِ عظیمہ کو نہایت شان واہتمام سے ذکر فرمایا۔

۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رسول، نبی ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام علحدہ مستقل شریعت والے نبی تھے، آپ قوم جرہم کی طرف رسول تھے۔

۴۔ چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اہل سے مُراد یا تو وہ لوگ ہیں جن کو تبلیغ کرنا ان پر واجب تھا تو اس میں ان کی اُمت بھی داخل ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب نماز اور زکوٰۃ سے فرض نماز فرض زکوٰۃ کا ارادہ کیا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ اہل سے مُراد ان کے اہل خانہ ہیں اور وہ ان کو نفلی نمازوں اور نفلی صدقات ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور گھر والوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے پھر اس کے بعد پورے ملک اور قوم کی اصلاح کرے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء/۲۱۴)

اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرایئے۔

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰہٰ/۱۳۲) آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمائیں اور خود بھی اس پر جمے رہیں (ثابت قدم رہیں)۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم/۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

۵۔ اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی: کہ اللہ اُن سے راضی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی سے راضی ہوتا ہے جو تمام عبادات میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکا ہو۔

اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت :

﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ہود/۷۱)

تو ہم نے اُسے (حضرت سارہ) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ (انبیاء/۷۲-۷۳)

اور ہم نے عطا فرمایا اُنھیں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد) اسحٰق (جیسا فرزند جو انبیاء بنی اسرائیل کا باپ ہے) اور یعقوب (جیسا پوتا جن کو اسرائیل کہا گیا) اور سب کو ہم نے صالح بنادیا۔ اور ہم نے بنادیا انھیں پیشوا (لوگوں کے لئے) وہ راہ دِکھاتے تھے ہمارے حکم سے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کو بھیجا گیا' انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر اُن کی اہلیہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سُناتے جائیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام تھے جو اُس وقت اکلوتے بیٹے تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت واقعہ قربانی کے بعد ہوئی ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اولاد کی خوشی قدرتاً باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی۔

لم يكن لها ولد وكان لابراهيم ولد وهو اسماعيل کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی شاخ اُمید ابھی پھول سے محروم تھی (یعنی آپ کو اولاد نہیں تھی) اس لئے زیادہ خوشی اُن کو ہی حاصل ہوئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم

سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام جیسا چندے آفتاب چندے ماہتاب فرزند عطا فرمایا ہوا تھا (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے) (تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر مدارک)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے سے اس طرف اشارہ تھا کہ سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر اتنی بڑی ہوگی کہ یہ اپنے اسحاق کے بیٹے یعقوب کو بھی دیکھیں گی۔(خزائن العرفان)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر اُس وقت نوے سال تھی، تفسیر جلالین میں ننانوے سال مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک سو بارہ سال تھی۔(مدارک)

اسی لئے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا :

﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ﴾ (ہود/۷۲)

(حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا) اے حیرانی ! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ (عجیب بات ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوگا جب کہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بوڑھے ہیں' بے شک یہ تو بہت ہی تعجب خیز بات ہے)۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ (ابراہیم/۳۹)

تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھ کو (دو بیٹے) اسمٰعیل واسحٰق (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا کروڑ کروڑ شکر ہے حمد ہے اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے عطا فرمایا مجھ کو اسمٰعیل فرزند اکبر جو میری سینکڑوں دُعاؤں کی نشانی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پہلے بیٹے کا نام بھی اپنی دُعا کی یادگار رمناتے ہوئے اسمٰعیل رکھا

جس کا ترجمہ ہے فریاد کوسُن لے یا اللہ۔ جس وقت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف (۹۹) سال تھی۔ (روح البیان)

اور جس وقت سیدنا اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف (۱۱۲) سال تھی اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام (۱۳) سال کے بچے تھے۔ صحیح روایت کے مطابق ذبح کا واقعہ ولادت سیدنا اسحٰق علیہ السلام سے تقریبا دو سال پہلے ہو چکا تھا اور تعمیر کعبہ کا واقعہ چار سال بعد ہوا۔ اس وقت آپ نے یہ دُعا مانگی بیشک میرا اللہ جو میرے سارے معاملات کا پروردگار ہے البتہ یقیناً قبولیت کا سُننے والا ہے میری دُعا کو۔

دُعا کے آداب میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے کعبۃ اللہ میں اس نعمت کا شکر ادا کیا کہ شدید بڑھاپے کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرما کر نیک وصالح اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام عطا فرمائے۔ جب میں بوڑھا ہوگیا' میری بیوی بانجھ ہوگئی اور عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا وقت گزر گیا' اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں تو نے مجھے اسماعیل اور اسحاق جیسے دو ارجمند فرزند مرحمت فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ تو اس خوگرِ لطف وعطا کو پھر بھی اپنے الطاف خسروانہ سے نوازتا ہی رہے گا۔

معلوم ہوا کہ نیک بخت اور سعادت مند اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے جس کے لئے سیدنا براہیم علیہ السلام جیسے جلیل المرتبہ نبی سراپا تشکر وامتنان بنے ہوئے ہیں۔

مقدس مقامات پر خصوصیت سے دُعائیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا چاہیے یہاں کی دُعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جو حمد وثناء بیان کی ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بچہ جو بے یار وَ مددگار چٹیل میدان میں چھوڑا ہے آپ ہی کا عطیہ ہے آپ

ہی اُس کی حفاظت فرمائیں گے۔ آخر میں حمد وثناء کا تکملہ ﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴾ سے کیا گیا یعنی بلاشبہ میرا پروردگار دُعاؤں کا سُننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

خانوادۂ خلیل کے لئے فرشتوں کی دُعا :

﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ (ہود/۷۳) (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے اس تعجب پر کہ انھیں ۹۰ سال کی عمر میں اولاد کی خوشخبری دی جارہی ہے) فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو۔ بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔

جب بیوی کی عمر (۹۰) سال کے لگ بھگ ہو اور میاں (۱۰۰) سال سے تجاوز کر چکے ہوں ان حالات میں کسی بچے کا پیدا ہونا خرقِ عادت نہ سہی تعجب خیز ضرور ہے اور ان کا حیرت زدہ ہو کر رہ جانا بالکل قدرتی بات ہے۔ قدرتِ خداوندی اتنی بے پایاں اور وسیع ہے کہ اس کے سامنے سارے تعجب اور ساری حیرتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی توجہ جب قدرتِ الٰہی کی طرف مبذول کرائی گئی تو اُن کا استعجاب یقین اور فکر مسرت میں بدل گیا۔

اہلِ بیت پر رحمتِ الٰہی کے نزول اور اس کی بے حساب برکتوں کے درود کی خوشخبری دی جارہی ہے یا دُعا کی جارہی ہے۔ ان میں کون شامل ہے؟

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت میں آپ کی زوجہ محترمہ داخل ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ کے اہلِ بیت سے ازواجِ مطہرات کو خارج کرنا کتنی نادانی ہے

اورقرآن پرزیادتی ہے یقیناً ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب/۳۳) اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے دُور کردے ہر قسم کی ناپاکی اور تمہیں پوری طرح پاک وصاف کردے۔

اس بشارت میں اولاً اور اصلاً حضور ﷺ کی ازواج مطہرات داخل ہیں اور ثانیاً دوسرے حضرات قدسی صفات رضوان الله عليهن وعليهم اجمعين۔

اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ اور آپ کی اولاد پاک کی شان رفیع میں یہ آیت تطہیر نازل فرمایا۔

صاحب خانہ یا گھر والی ہمیشہ بیوی ہی کو کہا جاتا ہے اہل البیت 'گھر والی' کا ترجمہ ہے اس لفظ کو وسعت دے کر ہم 'گھر والوں' کا لفظ بولتے ہیں اور اس کے مفہوم میں بیوی کے علاوہ بچوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں بیوی کو مستثنیٰ کر کے اہل خانہ کا لفظ کوئی نہیں بولتا۔ غرض نبی کریم ﷺ کے اہل بیت میں آپ کی ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراء، حضرت علی مرتضیٰ، حضرات حسنین کریمین (امام حسن وامام حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب داخل ہیں۔ آیات واحادیث کے جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی مذہب ہے علمائے اہلسنت کا۔

آیت تطہیر (پاکی کی آیت) میں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات رسول ﷺ کے اہل بیت ہیں اس واسطے ازواج کے ساتھ مطہرات استعمال کیا جاتا ہے۔

اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور اسماعیل علیہ السلام بڑے :

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے ہیں: حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے۔

اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرما دیا اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی یعنی اُن کی پیدائش کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔ (جمل علی الجلالین)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟

یہود اور بعض نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) کا اس مسئلہ میں الجھانا ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی ہوئی ہے یا اسحاق علیہ السلام کی ہوئی ہے۔

تاہم قوی دلائل سے یہی واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہی کی گئی' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف دلائل ذکر کئے ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '**انا ابن الذبیحین**' میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ایک اعرابی نے آپ کو **یا ابن الذبیحین** کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ دو ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: دادا حضرت عبد المطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ کام آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا۔ قرعہ حضرت عبد اللہ کے حق میں نکلا۔ آپ کے ننھیال اور کچھ اہل علم نے ایک سو اونٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا' اس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کو ذبح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں۔

(۲) حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے اصمعی ! تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو ملک شام میں ہی تھے۔ مکہ میں تو

حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے' وہی اپنے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ معظّمہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا' تو یقیناً ذبیح ہونے کا واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی دَرپیش آیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا' اسحاق علیہ السلام کو نہیں۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَ ذَاالۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ﴾ (انبیاء/۸۵)

اسماعیل' ادریس' اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یاد کرو' وہ سب صبر والے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَاذۡكُرۡ فِىۡ الۡكِتَابِ إِسۡمَاعِيۡلَ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ﴾ (مریم/۵۴)

اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو' بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا۔

ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا:

﴿سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَاۤءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡن﴾ (الصّٰٓفّٰت/۱۰۲)

اے میرے باپ! خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ (ان شآء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے)۔

جب واضح ہو گیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا' اور وعدہ سچ کر دِکھایا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا' اور وعدہ کا سچا کہا ہے تو یقیناً ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۴) حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو ان الفاظ میں بشارت دی۔

﴿فَبَشَّرۡنَاهَا بِاسۡحَاقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحَاقَ يَعۡقُوۡبَ﴾ (ہود/۷۱)

تو ہم نے اُسے (حضرت سارہ) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

اگر کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہی نہیں ہوسکتا' کیونکہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ سارہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا اسحاق (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کا بیٹا یعقوب (علیہ السلام) ہوگا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہے کہ اسحاق علیہ السلام کا بیٹا تو ابھی پیدا نہ ہوا ہے تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا' تو امتحان کیسے؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے؟ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۲)

پھر جب وہ (لڑکا' حضرت اسماعیل) ایسی عمر کو پہنچا کہ اُن (حضرت ابراہیم) کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا (ہاتھ بٹانے اور چلنے پھرنے لگا)۔

ذبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر (۱۳) تیرہ سال تھی' اس عمر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الصّٰفّٰت/۹۹)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' میں جا رہا ہوں جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔

یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہے اس سرزمین میں جانے والا ہوں' ہجرت کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دُعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۰)

الٰہی مجھے لائق (نیک وصالح) اولاد دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کی قبولیت کو ذکر کیا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۱)

تو ہم نے اُسے خوشخبری سُنائی ایک بُردبار (حلیم المزاج) لڑکے کی۔

پھر اسی بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت/۱۰۲)

پھر جب وہ (لڑکا' حضرت اسماعیل) ایسی عمر کو پہنچا کہ اُن (حضرت ابراہیم) کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا (چلنے پھرنے لگا) تو (حضرت ابراہیم نے) فرمایا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں' اب تم بھی سوچ لو (دیکھ لو کہ) تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ: اے میرے باپ! آپ کو جس بات کا حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے (ان شآء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے)۔

اب اس سارے واقعہ کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دی ہی اس لئے گئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کی بشارت دی جاچکی ہے اور بیٹا بھی عطا کردیا گیا تھا۔

گر ذبح کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر (۱۳) تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور ایک سال بعد آپ پیدا ہوئے اور اگر اُس

وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

(٦) کثیر اخبار میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دُنبہ بطور فدیہ دیا گیا اس کے سینگ کعبہ شریف کی دِیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں پیش آتا نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ (کبیر، ج:٢٦،ص:١٥٣،١٥٤)

سبحان الله ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا فعل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تا قیامت اصحاب نصاب، اہلِ ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

پوتے کی پیدائش :

﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِاسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ہود/٧١)

تو ہم نے اُسے (حضرت سارہ) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ؕ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ (انبیاء/٧٣-٧٢)

اور ہم نے عطا فرمایا اُنھیں (سیدنا ابراہیم عیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد) اسحٰق (جیسا فرزند جو انبیاء بنی اسرائیل کا باپ ہے) اور یعقوب (جیسا پوتا جن کو اسرائیل کہا گیا) اور اُن سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا اُنھیں پیشوا (لوگوں کے لئے) وہ راہ دِکھاتے تھے ہمارے حکم سے۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بیٹے کی ولادت سے انہیں بہت فائدہ حاصل ہوگا

اور پھر بیٹے کی اولاد بھی اُن کی زندگی میں ہوگی تاکہ پوتے کو دیکھ کر دونوں (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام) کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں جیسا کہ اولاد کی پیدائش اور نسل کے اجراء پر سکون وَ اطمینان حاصل ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام و سارہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں یعقوب علیہ السلام پیدا نہ ہوں گے تو یعقوب علیہ السلام کے ذکر کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ آیت قرآنی کی تخصیص حضرت اسحٰق علیہ السلام کی باقی نسل کے سوا صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کی ولادت دادا' دادی کی حیات میں ہوگی اور انہیں اس طرح خوشی وَ مسرت ہوگی جس طرح ایک باپ کو اپنے خاندان کے جاری ہونے پر ہوتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۗ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ (مریم/۴۹)

اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! سب سے پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا' مسجد حرام۔ میں نے عرض کی' پھر کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی' دونوں کے درمیان کتنا عرصہ کا دورانیہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: چالیس سال۔ میں نے عرض کی' پھر کونسی مسجد تعمیر ہوئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا' پھر جہاں تجھے نماز کا وقت ہو جائے نماز ادا کرلو' ساری روئے زمین مسجد ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی اور یہ مسجد ایلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو شرف عطا فرمایا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی اور یہ دونوں تعمیرات حضرت اسحاق علیہ السلام کے وجود کے بعد ہوئیں، اس لئے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی تو اپنی دُعا میں کہا :

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۚ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۚ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ۚ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۚ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۚ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراہیم/۴۱ - ۳۵)

<u>(اور یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب ! اس شہر (مکہ معظّمہ) کوامان والا کردے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔</u>

(انبیاء علیہم السلام بت پرستی اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دُعا کرنا بارگاہِ الٰہی میں تواضع واظہار احتیاج کے لئے ہے کہ باوجود یہ کہ تو نے اپنے کرم سے معصوم کیا لیکن ہم تیرے فضل ورحمت کی طرف دَستِ احتیاج دراز کرتے ہیں' خزائن العرفان)

<u>اے میرے رب ! بے شک بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا</u> (بہکا دیا' یعنی اُن کی گمراہی کا سبب ہوئے کہ وہ انہیں پوجنے لگے)۔

تو جس نے میرا ساتھ دیا (جو شخص میری راہ پر چلے گا) وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک بخشنے والا مہربان (کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت) ہے۔

اے ہمارے رب ! میں نے بسا دیا ہے (آباد کر دیا ہے) اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں (میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں) تیرے حرمت والے گھر (کعبہ معظّمہ) کے قریب میں۔ (ریت ٹیلوں کے ایسے پہاڑوں کے میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے شام سے سرزمین حرم میں لائے اور کعبہ مقدسہ کے نزدیک اُتارا۔ یہاں اُس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ نہ پانی (خزائن العرفان) اے ہمارے رب ! یہ اس لئے تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس کر دے لوگوں کے دِلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے اُن کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ اے رب ! تو سب کچھ جانتا ہے جو ہم چُھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ پر کچھ چُھپا ہوا نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں۔ سب خوبیاں (حمد وثناء) اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بوڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق (علیہما السلام) دیئے۔ بیشک میرا رب دُعا سننے والا ہے۔ اے میرے رب ! مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور ہماری دُعا سُن لے۔ اے ہمارے رب ! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

ایک لطیف بات اس قصّہ سے یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ جب آپ آگ میں ڈالے گئے تو آپ نے قطعاً دُعا نہ فرمائی اور اِس وقت آپ نے دُعا فرمائی۔ اِس میں یہ راز ہے کہ اگرچہ دُعا نہ کرنا اور کارسازیٔ حق پر اعتماد رکھنا بھی ایک درجہ توکل ہے جو اپنی منزل و مقام میں بہتر ہے لیکن اِس مقام سے جب بلند مقام پر عارف پہنچتا ہے

تو دُعا کرنا ہی اُس کے لئے افضل ہوتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درجات جب پہلے مقام سے بلندی پر آئے تو آپ نے دُعا فرمائی اور اِس سے ادنیٰ درجہ پر دُعا کے لئے لب بندر ہے۔ (تفسیر الحسنات' فقیہ اعظم علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری اشرفی)

انبیاء کرام علیہم السلام کی شانِ عبدیت کا تقاضا ہے کہ وہ بارگاہ ایزدی میں عاجزی تواضع اور گریہ وزاری کی کیفیت میں ڈوبے ہوئے جھکتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

'واقعہ آگ' چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لئے اس موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دُعا نہیں کی' اس موقع پر دُعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

اَمن اور سلامتی کا ایمان اور اسلام پر مقدم ہونا :

اے میرے رب ! اس شہر مکہ کو تا قیامت امن والا بنادے اور ہر ظالم فسادی' بدامنی پھیلانے والے جفا کار' تخریب پسند دہشت گرد کو یہاں کے لئے ایسا مسخر کردے کہ کسی جاندار کا دل دُکھانا تو دَرکنار یہاں کا گھاس تنکا بھی نہ اکھاڑ سکے۔اور اگر کوئی کرے تو خود ہی تباہ ہوجائے۔ یہاں تک کہ جہان کی ہوائیں فضائیں اور موسم بھی یہاں کوئی موذی امراض نہ لا سکے' نہ کبھی قحط سالی آئے۔غرض کہ چاروں طرف ہر طرح کا اَمن وَامان رہے اور دُور دُور تک یہ علاقہ حرم شریف بن جائے۔

جس شہر کی آبادی اور پرامن ہونے کی التجا کی جارہی ہے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن نہیں ہے۔اُن کی اپنی رہائش یہاں نہیں۔اُن کا مال اور اُن کی جائیداد وہاں موجود نہیں بلکہ اس شہر کے لئے یہ التجا کی جاری ہے جہاں اُن کے حقیقی معبود کا گھر ہے یعنی اے خدا وہ جگہ جو تیرے انوار کی تجلی گاہ ہے وہ وادی جہاں تیرے جلووں کا ہجوم ہے۔وہ مقام جہاں تیرا حُسن مائل بہ آشکارائی ہے وہاں سلامتی ہو'

وہاں امن ہو، وہاں کے بسنے والے تیری یاد اور تیری عبادت میں کھوئے رہیں۔ کسی تکلیف کا کانٹا اُن کے دامنِ احساس میں نہ چُبھے ۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری دُعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہوتو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جاکر مشاہدہ کرسکتا ہے۔

اَمن اور امان کا حاصل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے۔ ایمان بھی تب ہی سلامت رہ سکتا ہے جب شہر میں اَمن ہو، جان مال اور عزت محفوظ ہو۔ دیکھئے کہ جب اندلس میں اَمن نہ رہا اور مسلمانوں کی جانیں عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہیں تو کتنے مسلمانوں کو قتل کردیا گیا اور کتنے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنادیا گیا۔ اذان، نماز باجماعت اور دیگر اسلامی شعائر اسی وقت قائم کئے جاسکتے ہیں جب ملک میں مسلمانوں کو اَمن حاصل ہو۔ جہاں اَمن نہیں ہوتا وہاں مسلمانوں کی مساجد بھی محفوظ نہیں رہتیں، وندے ماترم کا ترانہ جو عقیدۂ توحید کے مغائر ہے پڑھنا پڑتا ہے۔ (آج ٦/ ڈسمبر ہے آج کے دن ہی زعفرانی دہشت گرد ہندو تنظیموں نے بابری مسجد کو شہید کیا تھا۔ ہندوستانی مسلمان اس سانحہ کو بھول نہیں سکتے) اس لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ملک میں اَمن قائم ہو، صحت بھی بہت بڑی نعمت ہے لیکن صحت کے حصول کے لئے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں تک پہنچنا بھی تب ہی ممکن ہے جب ملک وشہر میں اَمن ہو۔ ملک وشہر میں فسادات کے وقت، اَمن وامان نہ ہونے کے زمانے میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ لوگ جاں بلب مریضوں کو فوراً ہسپتال نہ پہنچا سکے، کتنی اموات کو بروقت دفنایا نہ جاسکا، کتنے لوگوں کو سامان خورد وَنوش کی ضرورت تھی اور ہڑتالوں کی وجہ سے وہ کھانے پینے کا سامان نہ خرید سکے، کئی لوگ روزمرہ مزدوری پر کام کرتے ہیں اور وہی اُن کی روزانہ خوراک کا ذریعہ ہے، کئی پردیسی لوگ بے گھر ہیں وہ صرف ہوٹلوں سے کھانا کھاتے ہیں، ہوٹل بند ہوجانے سے اور روزی نہ ملنے سے یہ تمام لوگ

مصائب کا شکار ہوئے اور یہ سب ہڑتالوں کا نتیجہ ہے' فرقہ وارانہ فسادات میں کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں' بعض گھروں میں ایک ہی شخص سب کا کفیل ہوتا ہے وہ فسادات میں مارا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پورا گھر مصائب کا شکار ہو جاتا ہے' غرض بداَمنی سے دِین کا بھی نقصان ہوتا ہے اور دُنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ ہنگاموں میں لوگ پوسٹ آفس اور بینکس جلا دیتے ہیں'بسس اور گاڑیاں جلا دیتے ہیں' ٹریفک سگنل توڑ دیتے ہیں یہ کس کا نقصان ہے؟ یہ ہمارا نقصان ہے لیکن صدمہ یہ ہے کہ ہم میں اجتماعی سوچ نہیں رہی' غرض یہ کہ اَمن نہ ہونے سے دِین اور دُنیا دونوں خطرے میں ہیں۔ دِین اور دُنیا میں کامیابی اسی وقت حاصل ہوگی جب ملک میں اَمن اور امان قائم ہو' یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی جان' اُن کا ایمان اور مال خطرہ میں ہو وہاں کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے اور اسی سبب سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعاؤں میں ملک میں اَمن اور سلامتی کے حصول کو سب پر مقدم کیا اور فرمایا: اے میرے رب ! اس شہر کو امن والا بنادے !

ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی چاند دیکھ کر دُعا کی تو اَمن اور سلامتی کا ذکر ایمان اور اسلام سے پہلے کیا۔ **اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام ربى وربك الله** اے اللہ ہمیں اس چاند میں اَمن اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ رکھ۔ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

<u>سلامتی مومن کی فطرت میں ہے</u>: اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اَمن کا نام لو اور فساد کا کام کرو۔ سلامتی والا وہی ہوگا جو اسلام والا ہو اور اَمن والا وہی ہوگا جو ایمان والا ہو۔ دیکھو ہمارے کتنے پیارے نام ہیں۔ مسلم' صرف سلامتی والا۔ مومن' اَمن والا۔ جسکے اندر سلامتی وَامن ہو۔ ہمارا نام ہی ایسا دیا گیا ہے کہ فساد کا تصوّر رہی نہ آئے۔ ہم ہی سلامتی والے ہیں۔ ہم ہی امن وشانتی والے ہیں۔

<u>سلامتی مسلمان کا مزاج ہے</u> : اسلام صلح وسلامتی کا دین ہے۔ اسلام اَمن وشانتی کا دین ہے۔ سرکار رسالتﷺ مومن کی نشانی بیان فرماتے ہیں: **المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ** مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے۔ نہ تم اپنے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہونچاؤ اور نہ اپنی زبان سے کسی کو اذیت پہونچاؤ۔ تمہارے ہاتھوں سے بھی مسلمان محفوظ رہیں اور تمہارے زبانوں سے بھی مسلمان محفوظ رہیں......سلامتی تمہارے مزاج کے اندر ہے۔

حضور نبی کریمﷺ اپنی اُمت کو دُعا کی تعلیم دے رہے ہیں کہ اے میرے اُمتی ! اپنی نماز کے اختتام پر اپنے دائیں بائیں **السلام علیکم ورحمۃ اللہ** کہا کرے، ایک طرف کہنے سے دائیں طرف کی ساری اُمت اور دوسری طرف کہنے سے بائیں طرف کی ساری اُمت اس دُعا میں شامل ہوجاتی ہے۔

سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دُعا مانگ رہا تھا **اللھم ارحمنی** 'اے اللہ مجھ پر رحم فرما' حضور رحمۃ للعالمینﷺ میرے پاس سے گزرے اور میرے دُعائیہ کلمات سماعت فرمائے اور مجھے قریب آکر تھپکی دی پھر فرمانے لگے: اے علی ! اللہ کی رحمت کو تنگ کیوں کرتے ہو؟ کیوں نہیں کہتے کہ اے اللہ ! حضورﷺ کی ساری اُمت پر رحم فرما۔ اس لئے کہ سب کے لئے دُعا مانگنے میں اپنی ذات تو خود بخود ہی آجاتی ہے، مزید فرمایا: بے شک دُعا کو سب کے لئے عام کرنے اور محض اپنے لئے خاص کرنے میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین کی وسعتوں میں۔ سلامتی کی دُعا میں حضورﷺ کی پوری اُمت شامل کرلی جائے اور جب تک ایسا نہیں ہوگا، عبادت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی اور مکمل نہیں ہوتی۔

بندہ جب تک دوسروں کے لئے سراسر پیکر رحمت نہ بن جائے اس وقت تک اس کی بندگی اتمام وکمال کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی۔ بندے کا کام دوسروں کی بھلائی چاہنا ہے

اب دوسروں کے لئے بُرا چاہنا' اُن کو اذیت دینا' تکلیف پہنچانا یا کسی کی مجبوری سے بے جا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کسی کو پریشان کرنا کہاں کی مسلمانی ٹھہری؟

اسلام اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اپنے جملہ ارکان کے ذریعے سلامتی کا آئینہ دار ہے بالفرض اگر کوئی شخص نمازیں بھی پڑھے' روزے رکھے' حج وزکوٰۃ بھی ادا کرے لیکن اس کا عمل یہ ظاہر کرے کہ وہ حضور نبی مکرم ﷺ کی اُمت کے حق میں مہربان اور شفیق نہیں بلکہ انہیں گزند اور بے جا تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کا کوئی عمل عند اللہ اور عند الرسول قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ نیک اعمال تو تب قبول کئے جاتے ہیں جب انسان مخلوق خدا کے لئے بھی پیکر رحمت وشفقت بن جائے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں مقبولیت تب ہوتی ہے جب حضور ﷺ کے حکم کے مطابق پوری اُمت کو بھلائی میں شامل کرلیا جائے۔

السلام علیکم ورحمة الله کہہ کر نماز سے خارج ہونے کا سبق یہ بھی ہے کہ انسان نماز سے فارغ ہوکر جب دنیوی زندگی کی طرف نکلتا ہے تو اس کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اے بندے ! ابھی تو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر پوری اُمت کے لئے رحمت مانگ کر آیا ہے اور اگر تو اس کے بعد بھی کلمہ گو مسلمان بھائی کو اپنے عمل سے تکلیف' دھوکا یا فریب دے گا تو تیری وہ نماز تیرے منہ پر ماردی جائے گی کہ جس کا اختتام تونے **السلام علیکم ورحمة الله** کے ذریعے سلامتی کی دُعاؤں پر کیا اس طرح زبان سے دُعا اور عمل سے تکلیف دے رہا ہے۔ تیرے قول وَعمل میں اس قدر تضاد ساری عبادتوں قیام' رکوع' سجود وغیرہ کے اثرات کو ختم کردیتا ہے۔

<u>اسلام ہی امن وسلامتی کا ضامن ہے</u>: سرکار رسالت ﷺ مومن کی تعریف بیان فرماتے ہیں: 'مومن وہ ہے جسکا پڑوسی اسکے خطرات سے مأمون رہے' یعنی اس کے شر سے محفوظ رہے امن میں رہے۔ اگر تم پوری دُنیا میں اَمن لانا چاہتے ہو تو اسلام کی کم از کم ایک بات مان لو۔ ایک صالح انقلاب لانا ہے تو پورے اسلام کو ماننا ہوگا۔

اَمن وشانتی کی فضاء قائم کرنے کے لئے اگر اسلام کی پوری بات نہ قبول کر سکے تو بس اتنی سی بات مان لو کہ ہم اپنے پڑوسی کو نہیں ستائیں گے۔ تمہارے پڑوسی چاروں طرف ہیں' اُن کے پڑوسیوں کے بھی کچھ پڑوسی۔ اس طرح پورا محلّہ ہوگیا۔ اس لحاظ سے اس محلّہ کا دوسرا محلّہ پڑوسی۔ چند محلے مل گئے تو گاؤں ہوگیا۔ اس گاؤں کا دوسرا گاؤں پڑوسی۔ چند گاؤں مل گئے تو تعلقہ ہوگیا۔ اس تعلقہ کا دوسرا تعلقہ پڑوسی۔ چند تعلقے مل گئے تو ضلع بن گیا۔ اس ضلع کا دوسرا ضلع پڑوسی۔ چند اضلاع مل گئے تو صوبہ ہوگیا۔ اس صوبہ کا دوسرا صوبہ پڑوسی۔ چند صوبے ایک ہوگئے تو ایک ملک بن گیا۔ اس ملک کا دوسرا ملک پڑوسی۔ چند ملک مل گئے تو براعظم بن گیا' تو اس براعظم کا دوسرا براعظم پڑوسی۔ اگر یہی ایک بات مان لو کہ ہم پڑوسی کو نہیں ستائیں گے تو ساری دُنیا میں امن ہوجائیگا۔ ساری دُنیا میں شانتی ہوجائے گی۔

<u>سلامتی ہی سلامتی</u> : تم مسلمان ہو' تمہارے دین کا نام اسلام ہے' تمہارے خدا کی صفت سلام۔ تمہارا رسول' رسول السلام۔ سلامتی تو وہاں سے شروع ہوئی ہے یہاں ساتھ دے رہی ہے۔ مومن کا لفظ یہ بھی خدا نے اپنے لئے استعمال کیا ہے **اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلَامُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ**۔ اللہ تعالیٰ بھی مومن' رسول بھی مومن' اے ماننے والو ! تم بھی مومن۔

اللہ تعالیٰ مومن ہے یعنی پیغام اَمن کا نازل کرنے والا۔ رسول بھی مومن یعنی پیغام اَمن کے لانے والے ہیں اور ہم مومن ہیں یعنی پیغام اَمن کے ماننے والے ہیں۔

توحید پر قائم رکھنے اور بت پرستی سے محفوظ رکھنے کی دُعا :

اے کریم ! میرے بیٹوں کو بھی دُور رکھ اس بات سے کہ ہم سے کوئی کبھی پتھر لکڑی لوہے یا چاند سورج ستاروں یا آگ کے بتوں کو پوجیں۔ اور اتنا دُور کر دے کہ دِل میں بھی خیال نہ آئے' نہ کسی کی محبت پیدا ہو' نہ اُن کی تعظیم ہی ہم کرسکیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی دُعا میں صرف یہ عرض نہیں کر رہے ہیں کہ ہمیں بتوں کی عبادت سے بچا۔ التجا یہ ہے کہ ہمیں اُن سے بہت دُور رکھ' ہمارے خیال میں بھی اُن کا تصور نہ آنے پائے۔ بیشک ان بتوں نے اپنے وجود کے سبب یا اپنی چمک دمک خوبصورتی سے متاثر کر کے یا اپنی تیزی' گرمی' جاہ وَ جلال سے مرعوب کر کے بہت سے احمق بیوقوف ظالم جاہل لوگوں کو گمراہ کر دیا' سیدھے راستے (صراط مستقیم) سے بھٹکا دیا۔ اے میرے پرور دِگار ! ان بتوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت مجازاً ہے کیونکہ وہ گمراہی کا سبب ہیں۔ (جو چیز گناہ کا سبب ہو اُس کو مجرم قرار دینا یا ایسے شخص کو سزاءِ شرعی کا مستوجب گردانا شرعاً جائز ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گمراہی کا مجرم بتوں کو قرار دیا حالانکہ پتھر کے بُت تو کسی کو گمراہ ہونے کا حکم یا مشورہ نہیں دیتے ...... نبی کی زبان قانونِ الٰہی کی زبان ہوتی ہے لہذا والد اگر اولاد کو' اُستاذ اپنے شاگردوں کو' خطیب و امام اپنے مقتدیوں کو' پیر اپنے مُریدوں کو' والدہ اپنے بیٹوں کو' بادشاہِ اسلام اپنی رعایا کو' مالک اپنے ملازمین کو نیک تربیت نہ دے تو شرعی مجرم ہے کہ وہ ذریعہ بن رہا ہے ان اپنوں اپنوں کی بے راہ روی کا۔

گناہ گاروں کے لئے شفاعت کی دُعا :

اے اللہ ! تیرے حکم کے مطابق ان تمام انسانوں کو اپنی قوم کو تیری شریعت بتاتا' سُناتا' سمجھاتا رہوں گا پھر اس میری تبلیغ کو سُن کر جس نے میری اتباع فرمانبرداری کی' میرے طریقے کو اپنایا اور نیک پاک مومن مخلص ہو گیا تو بیشک وہ مجھے یعنی میرے اُمتیوں میں سے ہے (پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہو گا)۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان مسلمانوں کی شفاعت کی جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور وہ بغیر توبہ کے مر گئے' اس سے مراد مسلمان ہیں۔

اوراے اللہ ! جس نے میری ہرطرح نافرمانی، مخالفت اورمخاصمت کی۔اس طرح کہ یہ شریعت پرعمل کیا نہ دِین قبول کیا، نہ متقی بنے، نہ مخلص۔یا بدعمل ہوئے یا منکر ۔ (تو اُس کا معاملہ تیرے سُپرد ہے) نافرمانوں کا معاملہ اور برتاؤ تیرے سُپرد کرتا ہوں۔ جب تک نافرمانی کرتے رہیں گے میرا اُن سے کوئی رابطہ، تعلق اور قومی رشتے داری نہ ہوگی۔میں ہزاروں ایسے رشتوں کو تیرے رشتہ محبت پرقربان کردوں گا (کافرکواپنا سمجھنا شرعاً حرام ہے اگرچہ اپنا قرابت دار یا اولاد ہو، نافرمانوں اور بے دینوں کو اپنا نہ فرمایا گیا)۔ بیشک تو غفور ورحیم ہے۔(توبہ کی توفیق دے کر بخشنے والا، معاف فرمانے والا ہے اور ایمان کی توفیق دے کر دُنیا وآخرت میں رحم فرمانے والا ہے)۔

کیا پیاری بات ہے جو لبِ خلیل کو ہی زیب دیتی ہے کہ جو میرے فرمانبردار ہوں گے وہ تو میرے گروہ میں شامل ہی رہیں گے لیکن جنھوں نے میری نافرمانی کی (اُن کے لئے یہ نہیں کہا کہ تو اُن کو بخش دے بلکہ کہا کہ) تو غفور ورحیم ہے تیرا کام ہی مغفرت کرنا اور رحم کرنا ہے۔ مقصد بھی پورا ہوگیا اور بارگاہِ صمدیت کے آداب کا بھی پوری طرح پاس رہا۔نیز ازراہِ تادّب **من عصاك** (جس نے تیری نافرمانی کی) نہیں کہا بلکہ **من عصانی** (جس نے میری نافرمانی کی) کہا ہے۔عصیاں سے مُراد اگر گناہ ہوں تو بات واضح ہے اور اگر کفروشرک مراد ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو ہدایت کی توفیق مرحمت فرما۔ان کی توبہ قبول کر، کیونکہ جس کی موت کفر پر ہو، اس کے لئے نہ مغفرت ہے اور نہ اس کے لئے طلب مغفرت کی اجازت ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک روز غمگسار عاصیاں اور چارہ ساز بیکساں ﷺ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قول کو پڑھا ﴿**رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**﴾ (ابراہیم/۳۶) (اے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو

گمراہ کر دیا ہے جنھوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہوں گے اور جنھوں نے میری نافرمانی کی تو تُو غفور رحیم ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جُملہ کو دُہرایا ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾
(الانعام/ ۱۱۸)

(اگر تو اُن کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں بخش دے تو تُو ہی **عزیز وحکیم** ہے) پھر حضور علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی **اُمتی اُمتی ثم بکی** اے میرے رب میری اُمت کو بخش دے۔ میری اُمت کو بخش دے۔ پھر حضور نبی مکرم ﷺ زارو قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' **یا جبرئیل اذهب الی محمد فقل له انا سنرضیك فی اُمتك ولانسؤك ۔** اے جبرئیل میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو۔ اے حبیب ہم تجھے تیری اُمت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔۔ حضور نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہے راضی نہ ہوں گا۔ آیت کریمہ صاف دَلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسول راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اسی میں ہے کہ سب گنہگاران اُمت بخش دیئے جائیں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی اُمت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب

مجھ سے پوچھے گا کیا آپ راضی ہوگئے ہیں؟ میں عرض کروں گا۔ ہاں میرے پروردگار میں راضی ہوگیا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں قرآن کریم میں سب سے زیادہ امید افزا آیت ﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى﴾ ہے۔

نسلِ اسماعیل علیہ السلام کے لئے دُعا :

﴿ رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ﴾ (ابراہیم/۴۱)

(اور یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب ! مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور ہماری دُعا سُن لے۔

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دُعا میں یہ عرض کردیا کہ میں نے ان لوگوں کو اس بیت اللہ کے پاس اس لئے آباد کیا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ تو اب اُسی کے لئے توفیق کی دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے میرے پروردگار جو میرا کام اور ارادہ تھا وہ میں نے کردیا۔ تیرا کام ان کو نیک، متقی، مومن، مخلص نمازی بنانا ہے۔

اقامت کا ایک معنیٰ حفاظت کرنا ہے **ذرّیت** کا معنٰی آئندہ نسل ہے۔ **من** فرما کر بعض اولاد کو شامل کیا، کیونکہ آپ کو اپنے علمِ غیب سے معلوم ہوگیا تھا کہ میری نسل میں کچھ لوگ کافر بھی ہوں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول فرمائی کہ فرزندِ اسماعیل علیہ السلام سے لے کر پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ تک پوری لڑی کو مومن موحد بنایا۔ حضور اقدس ﷺ کے تمام آباء حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سارے ہی مومن موحد ہوئے کیونکہ یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ دُعا بعض کے لئے ہے اور یہ ثابت ہے کہ دُعا قبول بھی ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اولادِ ابراہیم

اور بنی اسماعیل ہیں تو اس دُعا کا مستحق نبی کریم ﷺ کی اصل اور حسب نسب والی لڑی سے زیادہ کون ہوسکتا ہے گویا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی ہی اصلِ مصطفیٰ کے لیے تھی اور بعض سے مراد یہی تمام اصول تھے۔ اس دُعا کو مزید مضبوط فرمانے کے لئے عرض کیا: اے رب ہمارے ! اور قبول فرما میری یہ دُعا۔

اس میں یہ تعلیم ہے کہ بندہ اپنی دُعائیں کرنے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرے کہ اللہ ان سب دُعاؤں کو قبول فرمائے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ دُعائیں مانگی :

(۱) ہجرتِ ہاجرہ کے وقت (۲) تعمیرِ کعبہ کے دوران (۳) تعمیر کعبہ کے بعد۔

ان تینوں دُعاؤں کی نسبت صرف سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرف ہی ثابت ہوتی ہے۔ سیدنا اسحٰق علیہ السلام کے لئے کوئی دُعا ثابت نہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کسی دُعا کے لئے قبول ہوجانے کی فریاد نہ فرمائی لیکن جب اپنی بعض اولاد کے ایمان تقوے اور نماز کی دُعا مانگی تو فوراً التجا کی کہ اے اللہ میری یہ دُعا ضرور قبول فرما۔ سب دُعاؤں کی قبولیت کی التجا نہ فرمائی' اس سے ثابت ہوا کہ ساری دُعاؤں میں یہ دُعا زیادہ اہمیت والی ہے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس دُعا کا تعلق احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے آباءوَاجداد سے ہے یہ خاندانِ مصطفیٰ کے ایمان وَتقوے کی دُعا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد بالکل شامل نہیں کیونکہ پہلے فرمایا گیا کہ اقامتِ نماز کے لئے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑا جارہا ہے اور یہاں بھی اقامتِ نماز کی دُعا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کے اس پیارے انداز سے تاقیامت لوگوں کو بتادیا کہ پیارے مصطفیٰ کے آباءوَاجداد میں کوئی کافر منافق بلکہ فاسق تک نہ ہوگا بلکہ عابد زاہد اولیاءاللہ ہوں گے۔

حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے :

﴿وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ (مریم/۴۹)

اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيّاً﴾ (مریم/۵۰)

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور اُن کے لئے سچی بلندی ناموری رکھی۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اتنی لمبی ہوئی کہ آپ نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا اور اس آیت سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرنے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے، پوتے اور مال و دولت سے نوازا۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيْلَ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيّاً ۚ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيّاً﴾ (مریم/۵۴-۵۵)

اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو، بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا، غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو بھی وعدہ کیا اُسے ضرور پورا فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ اور آپ کا ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے تو شہر کے قریب پہنچ کر آپ کے ساتھی نے کہا یہاں میں بیٹھتا ہوں اور تم شہر جا کر کھانا خرید کر لاؤ یا تم بیٹھو اور میں کھانا خرید کر لاتا ہوں آپ نے فرمایا: میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا اور تم ہی چلے جاؤ، کھانا خرید لاؤ۔ وہ گیا اور بھول گیا۔ تین دنوں کے بعد اُسے یاد آیا، یا بعض روایات میں ہے کہ ایک سال کے بعد وہاں لوٹا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں موجود تھے۔ اُس نے تعجب

سے پوچھا: تم ابھی تک یہاں ہی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں ! وعدے کے مطابق منتظر تو رہنا ہی تھا۔ (حاشیہ جلالین)

قبیلہ جرہم کی آبادی اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی :

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا زمزم کے چشمہ کے قریب گزر بسر فرما رہی تھیں کہ ان ہی دنوں یمن کے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ اُن کے پاس سے گزرا۔ اس قافلہ میں کچھ لوگوں نے ادھر کا رُخ کرلیا اور مکہ کے کسی نشیبی علاقہ میں اس قبیلے نے آ کر پڑاؤ کرلیا۔ تھوڑے فاصلے پر انہوں نے پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا' کہنے لگے یہ پرندے پانی پر چکر لگا رہے ہیں (لہذا یہ پانی کے موجود ہونے کی علامت ہے) حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ وادی پانی سے خالی ہے۔ یمن کے قبیلہ جرہم کے لوگوں نے اپنے آدمی اس طرف بھیجے تاکہ وہ پانی کی خبر لائیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک پانی کا چشمہ ہے اور اُس کے قریب ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے' انہوں نے واپس آ کر پانی کے موجود ہونے کی اطلاع دی۔ قبیلہ کے افراد چل پڑے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کے پاس تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کرلیں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں تم قیام کر سکتے ہو لیکن پانی کی ملکیت میں تمہارا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں پانی میں شریک کرو تو ہم تمہیں اپنے جانوروں کے دودھ میں شریک کریں گے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے اس شرط پر معاہدہ کرلیا۔ (قصص الانبیاء)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا انس ورفاقت کو پسند کرتی تھیں (اور چاہتی تھیں کہ کوئی آ کر آباد ہو) لہذا انہوں نے اس چیز کو پالیا۔ یمن کے قبیلہ جرہم نے کچھ

لوگوں کو بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہل خانہ کو بھی بلالیا۔ اسی طرح باہمی انس وَمحبت کے ساتھ بنا کر رہنے لگے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے' جب عالمِ شباب میں تھے تو آپ کی وجاہت وَ بشاشت نے یمن کے قبیلہ جرہم کو بڑا متاثر کیا۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کی ایک لڑکی کا نکاح حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کر دیا۔ اسی دوران حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں۔ (رُوح المعانی) حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا خانہ کعبہ میں احاطہ حطیم میں مدفون ہیں۔ (سیرتِ رسولِ پاک بروایت ابن اسحاق)

بعض موَرخین نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل کو عرب **مستعربہ** یا عرب **متعرّبہ** قرار دیا ہے۔ یہ عدنانی ہیں۔ انہوں نے ان کو **متعرّبہ** یا **مستعربہ** اس لئے قرار دیا کہ اُن کی رائے کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام سریانی یا عبرانی زبان بولتے تھے۔ جب قحطانی نسل کے بنو جرہم مکہ مکرمہ آئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ بنو جرہم میں ہوگئی۔ اس طرح آپ اور آپ کی اولاد نے عربی زبان سیکھ لی۔ گویا وہ اصل عرب نہ تھے بلکہ بعد میں عربی بنے' لہذا انہوں نے آپ کو عرب **مستعربہ** قرار دیا ہے۔ عربوں کی اکثریت انہی میں سے ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں یا حجاز کے علاقوں میں صحرائے شام تک رہتے ہیں' البتہ آخر میں 'مأ رب' کا بند ٹوٹنے کے بعد یمنی عرب بھی انہی کے علاقوں میں رہنے لگے۔ لیکن یہ عرب **مستعربہ** یا **متعرّبہ** والی بات ایک داستان اور کہانی ہے جسے بعض موَرخین نے بیان کر دیا اور یہ بات رواج پا گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا دور خالص عربی دَور تھا۔

اس کا سریان اور یہود کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں اور علمی طور پر وہ دَورقوم ابراہیم' قوم یعقوب (اسرائیل)' قوم موسیٰ یہودیوں اور عبرانیوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے (مفصل العرب والیهود فی التاریخ' ص : 88 وما بعد ۔ اطلس القرآن 'ص: 41 وما بعد)

586 ق م میں جب بخت نصر یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا اور یہودیوں نے اپنی کتاب تورات کو دوبارہ مدون کیا تو اُن کے بنیادی مقاصد دو تھے:

(۱) اپنی تاریخ کو عظیم الشان ظاہر کرنا اور اپنے آپ کو تمام انسانی نسلوں میں سے برتر اور اعلیٰ ثابت کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے بھی سب قوموں میں سے منتخب قرار دے کر پسند فرمایا ہو۔ ظاہر ہے یہ مقصد تبھی پورا ہوسکتا تھا جب وہ اپنے آپ کو کسی عظیم الشان قدیم شخصیت کی طرف منسوب کریں' جن کی شہرت اپنے دور اور مابعد میں چہار وانگ عالم میں پھیل چکی ہو۔ یہ شخصیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے' اس لئے یہودیوں نے بڑی چالاکی اور مہارت کے ساتھ تاریخ کو اپنے دل پسند مقاصد کے مطابق مدون کیا اور اس کو مذہبی رنگ بھی دے دیا تاکہ لوگ آسانی سے اُسے قبول کرسکیں۔ اس طرح انہوں نے اپنی تاریخ کا تعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے پوتے سیدنا یعقوب علیہ السلام سے جوڑ دیا اور قوم موسیٰ کو بنی اسرائیل کا نام دے دیا' حالانکہ یہ لوگ حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) سے تقریباً چھ سو سال بعد ظہور پذیر ہوئے۔

(۲) اُن کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ فلسطین کو اپنا اصل وطن ظاہر کریں حالانکہ تورات میں یہ بات صراحت اور تاکید کے ساتھ مذکور ہے کہ علاقہ فلسطین سیدنا ابراہیم علیہ السلام' سیدنا اسحاق علیہ السلام' سیدنا یعقوب علیہ السلام کے لئے یہ اجنبی علاقہ تھا۔

دراصل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام آرامی عربی قبائل کی طرف منسوب ہیں اور یہ قبائل تو اسرائیلیوں' موسویوں اور یہودیوں سے کئی صدیاں قبل کے تھے' لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دور خالص اور مستقل عربی

دَور تھا جس کا دَورِ یہود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید نے بھی اس طرف واضح اشارہ فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَاكَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ (آل عمران/ ۶۸-۶۵)

اے کتاب والو ! ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو‘ توریت انجیل تو نہ اُتری مگر اُن کے بعد (توریت و انجیل اُن کے زمانہ کے بہت بعد نازل کی گئی) تو کیا تمہیں عقل نہیں؟ سُنتے ہو یہ جو تم ہو‘ اس میں جھگڑتے جس کا تمہیں علم تھا۔ (تمیں غلط اور جھوٹی باتوں کا علم ہے‘ تم من گھڑت اور حقیقت کے برعکس جھوٹی سُنی ہوئی باتوں کو سچ مانتے ہوئے حجت کرتے ہو) اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو (ہر باطل دین سے الگ) خالص مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے

لہٰذا رسول عربی سیدالانبیاء محمد بن عبداللہ ﷺ کا نسب ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ خالص مسلمان تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا اسمٰعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لانا :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے احوال معلوم کرنے کے لئے آیا کرتے تھے‘ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں بھی ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے تھے اور اُس وقت حکم ہوا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ ابوجہم کی حدیث

میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لئے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دوپہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے۔ امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔ ایک عام انسان سے بھی یہ متصور نہیں ہے کہ وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو کسی سُنسان چٹیل میدان، غیر آباد اور بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئے اور سالہا سال تک اُن کی خبر نہ لے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی کے متعلق یہ گمان کیا جائے۔

متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُس وقت آئے جب حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام (ملک شام سے) اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آجاؤں گا، سواری سے نہیں اُتروں گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب آئے تو اتفاق سے اُس وقت گھر پر حضرت اسماعیل علیہ السلام موجود نہ تھے۔ بہو (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی) سے ملاقات ہوئی، اُس سے دریافت کیا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ اُس نے کہا وہ حصولِ رزق کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں، پھر آپ نے بہو سے معاشی اور معاشرتی زندگی (گذرِاوقات) کے متعلق پوچھا: اُس نے کہا: اچھا گذارا نہیں، تنگدستی ہے صرف شکار پر گذرِاوقات ہو رہی ہے، ہم مصیبت کا شکار ہیں، شکوہ وَ شکایت شروع

کر دی (مہمان کا استقبال اور مہمان نوازی کی بجائے شوہر کے شکوے شکایت شروع کر دیئے تو) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا:

'جب تمہارے شوہر واپس آ ئیں تو انہیں میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ وہ پیغام دے گئے ہیں کہ اپنے گھر کے دروازے کی دہلیز (گھر کی چوکھٹ) اچھی نہیں ہے اُسے بدل ڈالو'

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو آپ نے نبوت کی خوشبو محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی بزرگ تشریف لائے تھے؟ (یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے رہے ہوں اور وہ ان کے جسم کی خوشبو سے مانوس ہوں) بیوی نے کہا کہ ہاں' فلاں وضع وقطع اور وجاہت کے بزرگ آئے تھے' آپ کے بارے میں انہوں نے پوچھا اور سلام کہہ کر گئے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا انہوں نے کوئی وصیت تو نہیں کی؟ بیوی نے کہا: ایک پیغام دے کر گئے ہیں کہ اپنے گھر کے دروازے کی دہلیز (گھر کی چوکھٹ) اچھی نہیں ہے اُسے بدل ڈالو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیوی سے فرمایا کہ وہ میرے والد گرامی تھے اور اُن کا حکم ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں لہذا تو اپنے ماں باپ کے ہاں واپس لوٹ جا' پھر آپ نے اُسے طلاق دے دی اور دوسری شادی کر لی۔ وجہ یہ تھی کہ اُس نے رب تعالٰی کی ناشکری کی تھی' نبی کی زوجہ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے' بلکہ صابر رہے۔

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ ناشکری' غربت ومفلسی کا اظہار' شکوہ اور شکایت کرنے والی عورت قابلِ طلاق ہوتی ہے' آپ نے یہی پیغام کے ذریعہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔ ناشکری بہت بڑا گناہ' مصیبت اور عذاب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ عید گاہ کو تشریف لے گئے۔ راستے میں عورتوں کے ایک گروہ سے گزرتے ہوئے اُن سے فرمایا کہ تم خوب خیرات (صدقہ خیرات اور

نیک اعمال) کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ تم زیادہ دوزخ والی ہو۔ انھوں نے عرض کیا حضور یہ کیوں؟ فرمایا تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو۔ شوہر کی ناشکری (مصیبت کا شکوہ کرنے والی) ہو۔ (بخاری ومسلم)

لعن طعن کرنا، بدّ عا دینا، کوسنا، غصہ کی حالت میں منہ سے لعنت بھیجنا کہ مٹی میں ملے، مُردہ نکلے، کفن پہنو، کفن میں جاؤ، واپس نہ آؤ، اس طرح کی گفتگو عورتوں کی عادت وَ فطرت بن چکی ہے۔ شوہروں کی ناشکری (مصیبت کا شکوہ اور شکایت) بھی عورتوں میں بڑھتی جارہی ہے۔ اگر شوہر عمر بھر ناز برداری کرے اور ایک بار کچھ کوتاہی کردے تو کہتی ہو کہ تم نے میرے ساتھ کچھ کیا ہی نہیں۔ جو بندے کا ناشکرا ہے خدا کا ناشکرا ہے۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنی اصلاح کریں ہمیشہ خیر خواہی نیکی اور بھلائی کی باتیں کریں اور قناعت پسند، شاکر و صابر بن کر شوہروں کی دلجوئی کرتی رہیں۔ عورتیں آپس میں مسابقت اور جھوٹی شان دِکھانے کا رُجحان ختم کردیں۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاری رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے۔ میں اس وقت اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ تھی۔ حضور ﷺ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا: محسنوں کی ناشکری اور ناقدری سے بچو' تم میں سے ایک اپنے والدین کے ہاں عرصہ تک بے بیاہی بیٹھی رہتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اُسے شوہر کی نعمت سے ہمکنار فرماتا ہے' پھر اُس کے ہاں اولاد کی چہل پہل ورونق ہوتی ہے (ان تمام خوبیوں واحسانات کے باوجود) اگر کبھی کسی بات پر شوہر سے معمولی سی رنجش ہوجاتی ہے تو (عورتیں اس لمبی رفاقت ومحبت اور محنت و جفا کشی کو نظر انداز کر کے بالکل طوطا چشمی اور بے وفائی سے) بول اُٹھتی ہیں کہ میں نے تو تجھ سے کبھی آج تک اچھا سلوک دیکھا ہی نہیں اور نہ کوئی بھلائی دیکھی۔ (یہاں پر عورت کے ایک خاص مزاج وفطرت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کبھی شوہر سے تھوڑی سی بدعنوانی وناراضگی ہوجائے تو اس پر کہہ دیا کرتی ہیں کہ ہم نے تجھ سے آج تک کوئی فائدہ نہیں دیکھا' ایک لمحہ میں اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے اور ساری محنت کو زیر خاک کر دیتی ہے اور یہ عادت آج کل اکثر عورتوں کے اندر پائی جاتی ہے یہ انتہائی قابلِ مذمت حرکت ہے) (صحیح بخاری)

بالعموم عورتوں کی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے مرد رشوت خوری اور ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر عورتیں نت نئے فیشن کے مطابق لباس اور زیورات

پہننے کا شوقِ فضول ترک کر کے سادگی کو اپنا لیں تو مرد کو حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقعوں پر عورتیں ہی تمام بے ہودہ رسم و رواج کرنے پر مَردوں کو آمادہ کرتی ہیں اور یوں حدودِ شریعت کی پامالی کے ساتھ بے پناہ اخراجات کا باعث بنتی ہیں۔ جب کہ یہ آج کل ایک عذاب اور وَبالِ جان بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح زندگی کے اور شعبوں میں بھی عورت کی حشر سامانیاں محتاجِ وضاحت نہیں ۔۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے محفوظ رکھے (آمین)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ کے توقف کے بعد دوبارہ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اُس وقت بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی تھی)۔ بہو سے ملے' بیٹے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ وہ تلاشِ رزق کے لئے تشریف لے گئے ہیں' فرمایا تم کیسی ہو؟ اور تمہارے معاشی حالات کیسے ہیں؟ عرض کی بحمدہ تعالیٰ خیریت و کشادگی سے مالا مال ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اچھا وقت گذر رہا ہے' زمزم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے۔ پوچھا کہ تم کھاتے کیا ہو؟ عرض کی گوشت۔ پوچھا کہ پیتے کیا ہو؟ کہا پانی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے لئے دُعا فرماتے ہوئے کہا :

اللهم بارك لهم فى اللحم والماء

اے الٰہ العالمین اُن کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس اس کے علاوہ کوئی دانہ بھی نہ تھا' اگر ہوتا تو آپ اس میں بھی برکت کے لئے دُعا فرماتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں یعنی گوشت اور پانی (آبِ زمزم) کی مکہ مکرمہ میں کبھی کمی نہیں آئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس جانے لگے تو آپ کی بہو نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے گھر رُکیں، لیکن آپ نے کہا: مجھے سواری سے اُتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں۔ آپ کی بہو نے کہا کہ آپ اپنے پاؤں اِس پتھر پر رَکھیں تا کہ میں اُن کو دُھودوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ 'مقام ابراہیم' ہی تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے برکت کی دُعا فرما کر کہا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو میری جانب سے سلام کہہ کے پیغام دینا کہ اپنے دَروازے کی دہلیز (گھر کی چوکھٹ) اچھی ہے اُسے قائم رکھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو خوشبوئے نبوت کومحسوس فرما کر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی بزرگ تشریف لائے تھے؟ بیوی نے عرض کی کہ ہاں بڑے حسین وجمیل ایک بزرگ تشریف لائے تھے پھر اُن کی تعریف کی۔ انہوں نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ میں نے بتایا کہ وہ تلاشِ رزق کے لئے تشریف لے گئے ہیں' پھر معاشی حالات کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ بحمدہ تعالیٰ ہم آسودہ حال ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ ان بزرگ شخصیت نے کوئی حکم بھی دیا تھا؟ بیوی نے عرض کیا کہ ہاں انہوں نے برکت کی دُعا فرما کر کہا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو میری جانب سے سلام کہہ کے پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز (گھر کی چوکھٹ) اچھی ہے اُسے قائم رکھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری بیوی ! وہ میرے والد گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے اور اُن کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی زَوجیت میں برقرار رکھوں۔ (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شکل وصورت اور اُن کا حلیہ بیان کیا تو وہ پہچان گئے اور کہا کہ وہ میرے والد ہیں ورنہ اگر انہوں نے دودھ پینے کے زمانہ سے لے کر اب تک انہیں نہ دیکھا ہوتا تو صرف حلیہ سُن کر کیسے پہچان لیتے کہ

وہ میرے والد ہیں' یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے رہے ہوں)

پھر کچھ عرصہ کے توقف کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام (تیسری مرتبہ) تشریف لائے تب حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے اپنے تیر کو تراش رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جونہی والد گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چہرۂ انور کو ملاحظہ فرمایا تو کھڑے ہو گئے' دونوں (باپ' بیٹا) نے پھر ایک دوسرے کے ساتھ وہی انداز محبت وشفقت اختیار کیا جو انداز باپ بیٹے کی ملاقات کے دوران باہمی طرفین سے ہوتا ہے (یعنی دست بوسی' معانقہ' مصافحہ اور پیشانی کا چومنا وغیرہ) [اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دودھ پینے کے ایام کے بعد اب پہلی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ہوتا تو دیکھتے ہی کیسے جان لیتے کہ یہ میرے والد ہیں اور فوراً اُن کی تعظیم کے لئے کیسے کھڑے ہو جاتے ......اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے اور احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ ہر ماہ ان سے ملنے کے لئے آتے تھے تو پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سَن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں ذبح کر دیں] پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ فرمانبردار بیٹے نے عرض کی کہ جو حکم خداوندی آپ کو ملا ہے آپ اُسے پورا فرما دیجئے۔ پوچھا' بیٹا ! کیا تم میری معاونت کرو گے؟ عرض کی ابا حضور ضرور میں آپ کی معاونت کروں گا۔ فرمایا: بیٹا ! مجھے حکم ملا ہے کہ میں یہاں ایک گھر تعمیر کروں۔ گرد ونواح کا جائزہ لے کر آپ نے ایک نمایاں اور بلند جگہ کی طرف اشارہ فرما دیا کہ فلاں مقام اس کی تعمیر کے لئے مختص ہے' تب باپ بیٹا بیت اللہ کی بنیادوں کو اُٹھانے لگے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام انہیں چنتے جاتے حتیٰ کہ جب دیواریں بلند ہوگئیں تو ایک مخصوص

پتھر لے کر آ ئے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرمانے لگے‘ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر پکڑاتے رہے دورانِ تعمیر یہ الفاظ دونوں کے وِردِ زبان رہے

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (البقرۃ/۱۲۷)

اے ہمارے پروردِگار ! تو ہم سے یہ خدمت قبول فرما‘ بیشک تو ہی سُنتا جانتا ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا وصال : حبرون نامی بستی میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں بوقت وصال حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر ایک سو ستائیس (۱۲۷) برس تھی۔ آپ کی وفات پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہوا۔

الخلیل یا حبرون غرب اردن (مغربی کنارہ) کے علاقے میں ہے جس پر غاصب اسرائیلیوں نے جون 1967ء کی جنگ سے قبضہ کر رکھا ہے۔ الخلیل کی آبادی 75 ہزار سے زیادہ ہے۔ الخلیل کو حبری اور مسجد ابراہیمی بھی کہتے ہیں۔ یہ جبل نصرۃ کی سطح مرتفع کے درمیان ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع ہے۔

الخلیل بیت المقدس سے 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب تقریباً چار ہزار برس پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے تھے اور انہی کے لقب سے الخلیل موسوم ہے۔ یہاں ایک غار (مغارہ مکفیلہ) میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام‘ سیدنا اسحٰق علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام وحی الٰہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنا دی۔ (معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں پر قبہ نما چھت بنانا انبیاء کی سُنّت ہے) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام‘ ربقہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام‘ ایلیا رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قبیلہ بنوحیث کے ایک آدمی عفرون بن صوحار الحبشی سے زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نقرئی درہموں میں خریدا تھا۔ اور اس میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا تھا۔

حضرات ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام بڑے طاقتور اور روشن دل تھے :

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَاالْكِفْلِ ۝ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ﴾ (ص/ ۴۷-۴۵)

اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کو۔ بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ حضرات ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمایئے اسمٰعیل، یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آلِ پاک کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے۔ یہ حضرات بڑی قوتوں والے تھے۔ اُن کو جسمانی قوتوں کے ساتھ ساتھ یقین کی قوت، اعمالِ صالحہ بجالانے کی قوت اور رُوحانی قوت عطا فرمائی گئی تھی اس کے علاوہ انھیں دِین کی بصیرت اور معرفتِ الٰہی بھی عنایت کی گئی تھی۔ وہ ذکرِ آخرت اور ذکرِ خدا کے سوائے دُنیا کی طرف توجہ ہی نہ رکھتے تھے۔

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ' یہ کرہَ ارضی کا وسط اور اُس کا درمیانی مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاکیزہ شہر کو اپنے مقدس گھر کے لئے منتخب فرمایا' حضور نبی آخر الزماں سرور دو عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کی پیدائش اور آپ کی بعثت کا شرف عظیم بھی اس مبارک شہر کو حاصل ہے۔ مکہ مکرمہ کو ایسی حُرمت واَمنیت سے سرفراز فرمایا گیا ہے کہ جو بھی اس حرم پاک میں داخل ہو جاتا ہے وہ محفوظ وَ مامون ہو جاتا ہے۔ یہی وہ باعظمت شہر ہے جس کی حرمت کی قسم رب ذوالجلال نے دو مرتبہ ارشاد فرمائی ہے جس کا ذکر سورۂ بلد اور سورۂ تین میں ہے' اسی شہر کی مسجد حرام میں ایک نماز کا اجر وثواب ایک لاکھ گنا ہے اسی بابرکت شہر میں وہ قبلہ ہے جس کی جانب رُخ کرنا تمام نمازوں میں ضروری ہے اور قضائے حاجت کے وقت اس کی طرف رُخ کرنا یا پشت کرنا جائز نہیں ہے' اس شہر کو یہ امتیازی شان بھی حاصل ہے کہ کسی بُرے کام کے محض ارادے پر بھی اللہ کی جانب سے سزا کی وعید ہے' یہاں گناہ کی نحوست اور اس پر عتاب بھی زیادہ ہوتا ہے' یہ ایسا پُرکشش شہر ہے جو دِلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے' یہ ایسا شیریں چشمہ ہے جس سے سیرابی ہوتی ہے مگر دِل نہیں بھرتا' جتنا اس کی زیارت کی جائے اتنا ہی شوق بڑھتا جاتا ہے۔ اس شہرِ امن کی یہ امتیازی خصوصیت بھی ہے کہ قیامت کے قریب جب فتنوں کا ظہور ہوگا تو اس شہر کی حفاظت فرشتے کریں گے اور یہاں دجّال داخل نہیں ہو سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شہر ایسا نہیں جہاں دجّال نہ پہنچے سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے کہ ان کے ہر راستہ پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہو کر ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ (صحیح بخاری)

مکہ مکرمہ مملکت سعودی عربیہ کی مغربی سمت سرزمین حجاز کی ایک ایسی وادی کے دامن میں واقع ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں' مکہ مکرمہ کا ہموار نشیبی علاقہ 'بطحاء' کے نام سے موسوم ہے مکہ شہر کے وہ علاقے جو بیت اللہ سے بھی نشیب (گہرائی) میں ہیں' مسفلہ (نشیبی) کہلاتے ہیں اور فراز (اونچائی) والے علاقوں کو المعلاۃ یا المعلیٰ (بلند جگہ) کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اہل معلاۃ میں سے ہیں' وہیں آپ کی جائے پیدائش ہے' اور وہیں پر آپ ہجرت سے پہلے تک قیام پذیر رہے۔ معلاۃ کا علاقہ حجون کے نام سے بھی معروف ہے حجون دراصل ایک پہاڑ ہے جس کے دامن میں جنت المعلاۃ مشہور قبرستان ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ المعلیٰ کی جانب ہی سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔اس سے آٹھ سال پہلے 622ء میں جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ چھوڑ کر جانے لگےتو آپ نے شہر کی جانب رُخ کر کےفرمایا تھا:

'اے مکہ ! مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر تجھ سے محبت ہے مگر تیرے مکین مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے' (کاش تیرے مکینوں نے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں نہ نکلتا)۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شہر کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت سے حرمت والا قرار دیا ہے جب سے آسمان وزمین کی تخلیق فرمائی ہے۔اللہ کی طرف سے یہ حرمت وتقدس قیامت تک کے لئے ہے اس کے کانٹے کو بھی توڑا نہیں جائے گا' نہ کسی شکاری جانور کو پریشان کیا جائے گا' اس کے راستہ میں گری ہوئی چیز کو اُٹھانا جائز نہیں ہے' ہاں کوئی اس لئے اُٹھائے کہ مالک تک پہنچانے کی کوشش کرے اور لوگوں میں اس کا اعلان کرے' اور اس شہر کی (خورد) گھاس کو کاٹنا بھی ناجائز ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں 'شکاری جانور کو پریشان نہ کرنے' کا مطلب یہ ہے کہ کسی جانور کو سایہ سے ہٹا کر خود سایہ میں بیٹھ جانا۔

قرآن میں مکہ مکرمہ کے نام :

١۔ مکہ : ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ﴾ (الفتح/۲۴) اور وہی تو ہے جس نے مکہ کی سرحد میں ان کافروں پر تم کو قابو یافتہ کر دینے کے باوجود ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے روک دیا۔

مکہ کے معنی ختم کر دینے' مٹا دینے کے ہیں' اور یہ نام پورے حرم مکی کے لئے استعمال ہوا ہے اس لئے کہ یہ شہر گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ختم کر دیتا ہے' یا یہ کہ مکہ کے معنی ہلاک کر دینا ہے تو جو بھی یہاں ظلم کرے یہ سرزمین اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔

٢۔ بَكَّةَ : ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (ال عمران) بیشک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے عبادت کے لئے مقرر ہوا ہے جو مکہ میں ہے' وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

بکّہ کے معنی پھاڑ نا ختم کر دینا' چُور چُور کر دینا کہ یہ شہر ظالم و جابر لوگوں کے غرور کو توڑ دیتا ہے اور متکبرین کے تکبر کو ختم کر دیتا ہے۔

۔ بکّہ یہ لفظ' بکاء (رونے) سے بنا ہوا اور چونکہ یہاں آ کر لوگ یادِ خدا میں اور خوفِ خدا سے بہت روتے ہیں اس لئے اس کو بکّہ کہتے ہیں۔

۔ بکّہ سے مُراد وہ مخصوص جگہ ہے جہاں کعبہ شریف ہے۔

۔ بکّہ سے مُراد خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ ہے اور مکہ کا اطلاق اس کے علاوہ پر ہے۔

- بکّہ سے مُراد بیت اللہ اور مسجد حرام ہے اور مکہ سارے حرم کا نام ہے۔
- بکّہ اور مکہ دونوں ہی اس شہر کے نام ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔
- بکہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ لوگ تمام اطراف سے اس کی طرف حاجی بن کر آتے ہیں۔
- بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اس میں عورتیں اور مرد بھیڑ کرتے ہیں۔
- بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہاں لوگ ایک دوسرے سے دھکم پیل کرتے ہیں یہاں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو کہیں اور جگہ نہیں جاتے۔
- بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ تاریکیوں کو دور کرتا ہے۔
- بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لوگوں کو جمع کر دیا تھا' یہاں عورتیں مردوں کے آگے نماز پڑھتی ہیں جب کہ یہ امر کسی اور شہر میں جائز نہیں۔

۳۔ اُمُّ القُریٰ : ﴿**وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا** ......﴾ (الانعام/۹۲) اور یہ ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی بابرکت ہے' اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈراویں۔

اُم القریٰ سے مُراد مکہ مکرمہ ہے' اس شہر باعظمت کا نام اُم القریٰ ہونے کی چار وجوہ علماء نے ذکر کی ہیں:

- یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے بقیہ زمین کو پھیلایا گیا' جدید وقدیم تحقیقات کی رُو سے یہ خشک زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ مشرفہ زمین کا مرکز ہے۔
- قدیم ترین شہر ہونے کی وجہ سے اُم القریٰ یعنی بستیوں کی ماں کہا گیا ہے۔
- چونکہ یہ قبلہ ہے سارے عالم کے انسانوں کا' اس لئے سب نمازی اس کی جانب نمازوں میں اپنا رُخ کرتے ہیں' اُم کے معنی قصد کرنے کے بھی آئے ہیں۔

۔ اس کا مرتبہ ومقام دوسری بستیوں کے مقابل ویسے ہی بلند و بالا ہے جس طرح ماں کا مرتبہ ومقام بلند ہوتا ہے۔

۴۔ **البلد** : ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ (ابراہیم/۳۵)

(اور یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب ! اس شہر (مکہ معظّمہ) کوامان والا کردے۔

۵۔ **البلد الامین** : ﴿وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ (التین/۳)

اور قسم ہے اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی۔

زمانہ جاہلیت ہو کہ زمانہ اسلام، خوف و ہراس میں مبتلا ہر شخص یہاں امن پا تا ہے، اہل عرب آمن کو امین سے تعبیر کرتے ہیں۔

٦۔ **البلدۃ** : ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هَـذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ (النمل/۹۱) بس مجھ کوتو یہی حکم ملا ہے میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کے پروردگار (مالک حقیقی) کی عبادت کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے۔ (بلدۃ سے مراد مکہ معظّمہ ہے)

۷۔ **حرم آمن** : ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا﴾ (القصص/۵۷)

کیا ہم نے اُن کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی؟

یہ کعبہ کی ہی فیض آفرینی ہے کہ حدود حرم میں وہ جانور بھی امن سے رہتے ہیں جن کا دوسری جگہوں پر شکار کرلیا جاتا ہے بلکہ سرزمین کعبہ میں لگنے والے درخت کٹنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

یہ شہر پُر امن تاریخ کے ہر دَور میں اَمن وامان کا گہوارہ رہا ہے، باوجودیکہ اس شہر پر مختلف مذاہب کے پیروکاروں کی اجارہ داری رہی ہے مگر اس کی امن وسلامتی کی ہر فرقہ نے پاسداری کی ہے، احرام کی حالت ہی میں اس میں داخل ہونا مشروع رہا ہے،

جب کبھی لوگ خوف سے دوچار ہوئے تو امن وسلامتی کی فضاء انہیں اسی حرم پاک میں میسر ہوئی' نیز اس حرمت والے شہر کی یہ حرمت نہ صرف بنو آدم کے لئے ہے بلکہ حیوانات ونباتات بھی اس حرمت میں انسان کے شانہ بشانہ ہیں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

'اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے حرمت والا قرار دیا ہے جب سے آسمان وزمین کو تخلیق بخشی' اور یہ حرمت قیامت تک کے لئے ہے' نہ کسی جھاڑ جھنکاڑ کو کاٹنا جائز ہے اور نہ کسی جانور کو پریشان کرنا۔

نہ کوئی اضطراب ہے نہ کوئی انتشار ہے ... سکون ہی سکون ہے قرار ہی قرار ہے
نظر کے سامنے زہے نصیب وہ دیار ہے ... لطافتوں پر جس کی جانِ عاشقاں نثار ہے
اگر نگاہ تیز ہے تو دل سرور خیز ہے ... ہوا بھی عطر بیز ہے فضاء بھی خوش گوار ہے
بگولے راہ شوق کے بلند ہو کہ بول اُٹھے ... خزاں نہیں خزاں نہیں' بہار ہے بہار ہے

۸۔ وادی غیر ذِی زرع :

﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ ...... ﴾ (ابراہیم/۳۷)
اے ہمارے رب ! میں نے بسا دیا ہے (آباد کردیا ہے) اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں (میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں)۔

بے آب وگیاہ وادی سے مراد مکہ مکرمہ ہے کہ اس میں سبزہ تھا نہ پانی۔

۹۔ معاد : ﴿اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ...... ﴾ (القصص/۸۵) بے شک جس ذات پاک نے آپ پر قرآن کے احکام (تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو ضرور آپ کے اصلی وطن (مکہ) میں پھر پہنچائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: معاد سے مراد مکہ ہے کہ وہ آپ کو مکہ واپس فرمادے گا۔

۱۰۔ قریۃ :﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىٓ اَخْرَجَتْكَ ﴾
(سورۃ محمد/۱۳) اور اے حبیب ﷺ ! بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے باشندوں نے آپ کو جلاوطن کیا ہے۔
آیت مبارکہ میں 'آپ کی بستی' سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

مکہ مکرمہ اور مواقیت کا درمیانی فاصلہ (تقریباً)

قرن المنازل (مسجد سیل کبیر)	80 کلومیٹر	خلیج کے باشندوں اور ریاض وطائف کے راستہ سے آنے والوں کے لیے میقات ہے۔
ذات عرق (ضریبہ)	90 کلومیٹر	اہل عراق اور اس سمت سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے میقات ہے۔
یلملم	100 کلومیٹر	اہل یمن اور جنوب کی سمت سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے میقات ہے۔
جُحفہ	187 کلومیٹر	مصر، شام سے آنے والوں کے لیے میقات ہے
ذوالحلیفہ (بیر علی)	410 کلومیٹر	مسجد نبوی ﷺ سے 10 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے مدینہ منورہ کے باشندوں اور اس سمت سے مکہ مکرمہ جانے والوں کے لیے میقات ہے۔

میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے مکہ معظّمہ جانے والے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔ ان جگہوں کو بغیر احرام کے گذرنے سے دَم (جرمانے کے طور پر جانور کی قربانی) لازم آتی ہے۔ یہ جگہیں حضور سید المرسلین ﷺ نے خود متعین فرما دی ہیں۔ ان میں ردوَبدل کا اب قیامت تک کسی کو اختیار نہیں۔ مختلف راستوں سے آنے والوں کے لئے الگ الگ میقات مقرر ہے جو اُوپر ذکر کردی گئیں ہیں۔

مسجد حرام اور حرم کی حدود کا درمیانی فاصلہ :

تنعیم (مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا)	7.5 کلومیٹر	یہ حرم کی قریب ترین حد ہے
وادی نخلہ	13 کلومیٹر	یہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے اسے نخلہ یمانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا نخلہ شامیہ ہے جس کا نام مضیق بھی ہے وہ 45 کلومیٹر دور ہے
اَضاة لبن (عكيشيه)	16 کلومیٹر	
جعرانه (مستوفره)	22 کلومیٹر	
حديبيه (شميسى)	22 کلومیٹر	
جبل عرفات (ذات السلیم) یہ مشعر ہے (عظمت والی جگہوں میں سے ہے) البتہ حد حرم سے خارج ہے اور مسجد حرام کے جنوب مشرق میں ۲۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے	22 کلومیٹر	عرفہ کے معنی پہچاننے کے ہیں حضرت آدم وحضرت حواء علیہما السلام جنت سے زمین پر اُترے تو دونوں ایک دوسرے سے دُور تھے‘ بالآخر اس میدان میں پہنچ کر انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا تھا‘ اس مناسبت سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا‘ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام حج سکھائے اور یہاں آ کر پوچھا‘ هــل عــرفــت ؟‘ کیا آپ نے متعلقہ احکام ومقامات کو پہچان لیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات

میں جواب دیا‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسی وجہ سے اس اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں پر لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کرتے ہیں اس لئے اس کو عرفات کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ حج کی مرکزی عبادت عرفات کی حاضری ہے جہاں حجاج کرام دُعائیں مانگتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں۔

حرم کی حدود سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق مقرر فرمائیں اور پتھر نصب فرمائے۔ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمیم بن اسد خزاعی کو بھیجا تو انہوں نے حرم کی حدود کی تجدید کی۔ حرم کے نشانات کی تعداد 943 تھی جن میں سے کچھ پہاڑوں پر تھے کچھ گھاٹیوں پر۔ اکثر نشانات مٹ چکے ہیں۔ حرم کا کل رقبہ 550 مربع کلومیٹر ہے۔ (تاریخ مکہ المکرّمہ)

مکہ معظّمہ کے چاروں طرف میلوں تک اس کی حدود ہیں اور یہ زمین حرمت و تقدس کی وجہ سے حرم کہلاتی ہے اس سرزمین پر غیر مسلم کا داخلہ ممنوع ہے۔

(بدعقیدہ اور بدمذہب عناصر اپنے کفریہ عقائد چُھپاتے ہوئے، اپنے گمان میں خود کو مسلمان سمجھ کر اور مسلمان ظاہر کرتے ہوئے حدود حرم میں داخل ہو جاتے ہیں)۔ ہر جانب حرم کی حدود پر نشان لگے ہیں۔ حرم کے حدود میں شکار کھیلنا، درخت کاٹنا، جانور کو گھاس چرانا ممنوع و حرام ہے۔ جو لوگ حدود میں رہتے ہیں ان کو اہل حرم کہتے ہیں۔ منیٰ اور مزدلفہ حدود حرم میں ہیں البتہ عرفات حرم میں داخل نہیں ہے۔

اہل مکہ اور حدود حرم میں رہنے والوں کے لئے حج کا احرام باندھنے کے لئے ساری زمین میقات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بیت اللہ میں احرام باندھنا افضل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بیت اللہ میں حطیم کے قریب خاص کر میزاب رحمت کے نیچے افضل ہے۔

عمرہ کے لئے حلّ کی ساری زمین میقات ہے جس میں افضل تنعیم (مسجد عائشہ) ہے مکہ معظّمہ والے عمرہ کا احرام، حرم شریف کی حدود سے باہر آ کر باندھیں گے اور حج کا احرام گھر (بیت اللہ) سے، کیونکہ عمرہ مکہ معظّمہ میں ادا ہوتا ہے اور حج بیرون حرم عرفات میں ادا ہوتا ہے تو کچھ سفر کرانے کے لئے شریعت نے مکہ کے عمرہ کے لئے یہ پابندی لگائی ہے۔

مسئلہ : اگر آفاقی شخص مکہ مکرمہ پہنچ گیا اور عمرہ کر کے حلال ہوگیا تو اب اس کی میقات مکہ معظّمہ والوں کی طرح ہے یعنی حج کا احرام، حرم سے اور عمرہ کا حلّ (تنعیم مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا۔ مسجد عمرہ) سے باندھے۔

کعبہ مشرفہ

قرآن کریم میں کعبہ کے نام

۱۔ الکعبہ : ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاسِ﴾ (المائدہ/۹۷)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو محترم مکان اور لوگوں کے لئے قیام کا سبب بنایا۔

عربی میں کعبہ کے معنی چوکور، بلند، اور منفرد کے ہیں، کعبہ کی سطح سمندر سے بہت اونچی ہے یا چونکہ اس کا ذکر، اس کا چرچا دُنیا میں بہت بلند ہے...... یہ سب معانی کعبہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ کعبہ، بلند، چوکور اور منفرد بیت ہے جس کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے مکہ معظّمہ میں بنایا۔

اوّل پیدائش کے وقت سے تا روزِ قیامت اللہ نے کعبہ کو ذریعہ بقا بنایا اور کعبہ کی یہ عظمت کسی بندے کی دی ہوئی نہیں بلکہ بلا واسطہ رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہے لہذا کوئی بھی اس کی عظمت ختم کرسکتا جیسے سورج کی روشنی کسی کے بجھائے نہیں بجھ سکتی۔

۲۔ البیت الحرام : اسی آیت میں کعبہ کو **البیت الحرام** بھی کہا گیا ہے۔

حرام، عظمت واحترام کے معنی میں ہے یعنی عزت والا گھر۔ یہ حرام، حِلّت کا مقابل یعنی بمعنی ناجائز نہیں۔

۳۔ **بیت اللہ** : ﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ (البقرۃ)

اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اس کی عظمت بیان کرنے کے لئے۔

بیت اللہ کا زیارت گاہ ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے، چونکہ اس مقام پر گھر کی شکل میں عمارت بنانے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں اس لئے اس کا **بیت** کی شکل میں مرجع خلائق ہونا اُن کے وقت سے ہوا۔

۴۔ **البیت العتیق** : ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ (الحج/۲۹)

عتیق کے مختلف معنی ہیں: بڑے مرتبے والا، پہلا گھر، بہت قدیم گھر، غرق نہیں ہوگا، جابر حکمرانوں سے آزاد ہے، کسی مخلوق کی ملکیت نہیں، جو بھی اس کو نقصان پہنچانا چاہے گا ہلاک ہو جائے گا، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس مسلمانوں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے۔

۵۔ **قبلۃ** : ﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ...... ﴾ (البقرۃ/۱۴۲)

تو ہم اسی قبلہ کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ (حضور نبی کریم ﷺ کو کعبہ کا قبلہ بنایا جانا پسند خاطر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دیا) قبلہ کے معنی جس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔

کعبہ شریف کے تعمیر کنندگان :

۱	فرشتے	۷	قصی بن کلاب
۲	سیدنا آدم علیہ السلام	۸	قریشِ مکہ
۳	سیدنا شیث علیہ السلام	۹	حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۶۵ھ
۴	سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام	۱۰	حجاج بن یوسف ۷۴ھ
۵	قوم عمالقہ	۱۱	سلطان مُراد ترکی ۱۰۴۰ھ
۶	قبیلہ جرہم	۱۲	شاہ فہد بن عبدالعزیز ۱۴۱۷ھ (۱۹۹۶ء) (ترمیم و توسیع)

کعبہ کی عمارت اور اس کے ابعاد :

- ☆ کعبہ شریف کی بلندی 14 میٹر
- ☆ ملتزم کی جانب کعبہ کی لمبائی 12.84 میٹر
- ☆ حطیم کی جانب کعبہ کی لمبائی 11.28 میٹر
- ☆ رکن یمانی اور حطیم کا فاصلہ 12.11 میٹر
- ☆ رکن یمانی اور رکن جنوبی کے مابین فاصلہ 11.50 میٹر

کعبۃ اللہ کی پہلی تعمیر

کعبۃ اللہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب سے پہلے فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کی۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی تعمیر

ابن عساکر وغیرہ سے تفسیر عزیزی میں نقل کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پرتشریف لائے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا :

اے اللہ ! میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح وتکبیر سُنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت گاہ دیکھتا ہوں جیسے آسمان میں بیت المعمور دیکھتا تھا جس کے اردگرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

' جاؤ جہاں ہم نشان بتاتے ہیں' وہاں کعبہ بنا کر اُس کے اَردگرد طواف کرلو اور اُس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔'

سیدنا آدم علیہ السلام کا جنت سے دُنیا میں نزول تو کسی اور مقام پر ہوا مگر جب تعمیر کعبہ کا حکم ہوا تو آپ موجودہ مکہ معظّمہ کے مقام پر پہونچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی رہبری کے لئے اُن کے ساتھ چلے اور انہیں وہاں (پوری دُنیا کے وسط میں) لائے جہاں سے زمین بنی تھی' یعنی کعبۃ اللہ کی جگہ سے ہی سب سے پہلے پانی پر جھاگ' پھر جھاگ سے زمین کی ابتداء ہوئی۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے وہاں اپنا پَر مار کر ساتویں زمین تک بنیاد ڈال دی' جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا(کوہ لبنان' کوہ طور' جودی' حرا' اور طور سینا سے) بنیاد بھر کر نشان کے لئے ہر چار طرف کو دِیوار اُٹھا دی اور اس میں حجر اسود کو جو حضرت جبریل علیہ السلام جنت سے لائے تھے نصب کیا۔ اس طرف منہ کر کے سیدنا آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو حج وطواف کے آداب وطریقے سکھائے اور ایک پہاڑی پر اپنے ساتھ لے جا کر حج کی تکمیل کرا دی۔ اسی دوران حضرت حوّا علیہا السلام بھی حضرت آدم علیہ السلام کو تلاش کرتی ہوئی وہاں پہنچیں اور شریک حج

ہوئیں۔آپ دونوں کی ملاقات چونکہ اس پہاڑی پر ہوئی تھی اس لئے اس پہاڑی کا نام ’عرفات‘ پڑ گیا۔اسی نسبت سے اس کے آس پاس کے میدان کو میدانِ عرفات کہنے لگے۔اب اس پہاڑ کو جبل رحمت کہتے ہیں عرفات سے چل کر دونوں نے رات کے وقت مزدلفہ کے مقام پر قیام کیا۔ آج بھی حاجی عرفات سے چل کر مزدلفہ میں شب کو قیام کرتے تھے (یہ حج کے واجبات سے ہے) پھر وہ منیٰ ہوتے ہوئے مکہ معظّمہ آئے اور طواف کیا‘ چنانچہ آج تک سیدنا آدم علیہ السلام کی محبوب اداؤں پر عمل ہوتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی تیسری تعمیر حضرت شیث علیہ السلام نے فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان سے عمارت گر گئی۔طوفانِ نوح میں کعبہ کی جگہ اُونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی‘ لوگ یہاں آتے رہے اور برکت کی دُعا مانگتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے اور فرض نبوت ادا کرنا شروع کیا۔

کعبۃ اللہ کی چوتھی تعمیر حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام دونوں نے مل کر فرمائی۔

تذکرہ تعمیر کعبہ :

ارشادالٰہی ہے: ﴿وَاِذْ بَوَّانَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّاتُشْرِكْ بِىْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾

(الحج/۲۷۔۲۶) اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں‘

اور نماز میں قیام اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا' اور (سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا عام اعلان کردے' (کہ وہ لوگ) تمہارے پاس حاضر ہوں گے (حج کو چلے آئیں گے)' پیادہ (پیدل) بھی اور دُبلی اونٹنی (مختلف سواریوں) پر بھی جو کہ دُور دَراز راستوں (ملکوں اور شہروں) سے پہنچی ہوں گی ۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب تعمیر کعبہ کا حکم ملا تو اب انھیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کونسی وہ مخصوص جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ گھر تعمیر کیا جائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص جگہ پر مطلع فرما دیا اور آپ اپنے فرزندار جمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ قدیم بنیاد پر تعمیر کعبہ میں مشغول ہو گئے ۔

تعمیر کعبہ کے ساتھ ایک حکم یہ دیا گیا کہ یہاں شرک کرنے کی قطعاً ممانعت کردی جائے ۔ یہ گھر صرف اللہ تعالیٰ وحدہ' لاشریک کی عبادت کے لئے بنایا جارہا ہے۔ یہاں کسی جھوٹے خدا کی عبادت کو ہرگز ہرگز روانہیں رکھا جاسکتا' نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میرا گھر کیونکہ میرے انوار کی تجلی گاہ ہے اس لئے اس کی ظاہری صفائی کا بھی پورا اہتمام کیا جائے ۔فرش آئینہ کی طرح چمک رہا ہو' دیواریں صاف اور اُجلی ہوں تاکہ میری یاد کرنے والے جب یہاں آئیں تو رُوحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری نظافت سے ان کی طبیعتوں میں نشاط ہو اور اُن کے ذوق وشوق میں اضافہ ہو۔اسی سے مساجد کی صفائی اور اُن کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ دُنیا بھر کی ہر مسجد کو پاکیزہ' صاف ستھرا رکھنا' اُس کو روزانہ صفائی کرنا' جوتے اُتار کر آنا واجب ہے اگر چہ نئے جوتے ہوں ۔ مسجد کے اندر جوتے پہن کر آنا مسجد کی بے ادبی گستاخی ہے کیونکہ جوتا بذاتِ خود اپنے نقشے میں معیوب وحقیر ہے اس لئے حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور سابقہ مغفورین مومنین اُمتیں ہمیشہ ہر وادی

مقدس و پاکیزہ مقامات میں جوتا اُتار کر ہی گئے۔ اسی طرح کسی مسجد میں تھوکنا یا وضو کے چھینٹے ڈالنا ٹپکانا گناہِ کبیرہ ہے۔ طہارت کے بغیر اسلامی شریعت میں کوئی عبادت قابل قبول نہیں، طہارت نصف ایمان ہے، طہارت اسلامی عبادات کا پہلا درس ہے۔ دُنیا کے تمام مذاہب، اسلام کے جامع نظامِ طہارت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۚ فِيۡهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

(ال عمران/ ۹۷ ۔ ۹۶) بیشک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے عبادت کے لئے مقرر ہوا ہے جو مکہ میں ہے، وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے (ہدایت کا سرچشمہ ہے) اس میں کھلی نشانیاں ہیں (منجملہ ان کے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں آئے امان میں ہو، اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے (یعنی مکہ معظّمہ پہونچنے کی طاقت رکھنے والے پر حج فرض ہے)، اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز (غنی ۔ بے پرواہ) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بنایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا تو اس وقت یہ سفید جھاگ تھا۔ زمین اس کے نیچے ایسی تھی گویا وہ چھوٹا گول جزیرہ ہو، زمین اس کے نیچے سے پھیلائی گئی۔
(تفسیر طبری بحوالہ تفسیر درمنثور)

کعبہ زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بنایا گیا تھا جب کہ یہ زمین کا حصہ ہے۔ یہ کعبہ پانی پر ایک چٹان کی مانند تھا اس پر دو فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے

جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنانے کا ارادہ کیا تو اسی سے اسے پھیلا دیا تو اسے زمین کے وسط میں کر دیا۔ (تفسیر درمنثور)

بیت اللہ کا زیارت گاہ ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے' چونکہ اس مقام پر گھر کی شکل میں عمارت بنانے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں اس لئے اس کا **بیت** کی شکل میں مرجع خلائق ہونا اُن کے وقت سے ہوا۔

آیت مذکورہ میں یہود کے اعتراض کا جواب ہے' وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر' جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس افضل ہے کیونکہ وہ انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے اور ارض مقدسہ ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ (بیت المقدس سے) کعبہ افضل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ عبادت کا پہلا گھر مکہ میں کعبہ ہے لہذا وہی افضل ہے۔ بیت المقدس میں مقام ابراہیم نہیں۔ بیت المقدس میں داخل ہونے والا امان میں نہیں ہوتا اور بیت المقدس کی طرف حج کے لئے نہیں جایا جاتا۔ (تفسیر درمنثور)

اس کی برکتوں کا کیا کہنا۔اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ختم قرآن کیا جائے تو لاکھ ختم کا ثواب ملتا ہے۔ نیز اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں' اس کے گرد طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

برکت کا دوسرا معنٰی دوام اور بقاء ہے اور چونکہ روئے زمین پر ہر وقت کسی نہ کسی جگہ نماز کا وقت ہوتا ہے اس لئے ہر وقت کعبہ کی طرف توجہ کر کے عبادت کی جاتی ہے

اور خود کعبہ میں بھی ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لئے کعبہ کی طرف منہ کر کے اور خود کعبہ میں دائماً عبادت کی جاتی ہے۔

یہود وَ نصاریٰ اور مشرکین مکہ سب کا سلسلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے اس لئے انہیں سب مانتے تھے لیکن اُن کے طریقہ پر کوئی نہ تھا۔

یہود و نصاریٰ میں سے ہر فرقہ اس کا مدعی تھا کہ وہ مِلّتِ ابراہیم پر ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ مِلّتِ ابراہیم میں حج کعبہ ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں حج نہیں کرتے لہذا دونوں میں سے کوئی بھی مِلّتِ ابراہیم پر نہیں ہے۔ صاحبِ تفسیر اشرفی، حضور شیخ الاسلام رئیس المحققین سلطان المشائخ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی فرماتے ہیں:

'صرف ایمان والوں پر اس بیت اللہ کا حج کرنا اور اس کا قصد کرنا عمر میں ایک بار فرض ہے جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی۔ یعنی جسے زادِ راہ، سواری، صحت بدنی اور امن طریق حاصل ہو، اسی کو استطاعت کہتے ہیں۔ کعبہ کا حج مِلّتِ ابراہیمی کا ایک اہم شعار ہے تو پھر یہودیوں اور عیسائیوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ دعویٰ کریں کہ وہ مِلّتِ ابرہیمی والے ہیں، اس لئے کہ کعبہ کے حج کے دونوں ہی منکر ہیں۔ تو صرف مسلمان ہی مِلّتِ ابراہیمی والے ہیں۔

اے محبوب ! سُنا دو (اور) سب کو خبردار کردو کہ جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا یا صحت جسمانی اور کشادگی رزق......الغرض......استطاعت کے باوجود حج کا فریضہ نہ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے دُنیا بھر سے۔ وہ نہ دُنیا والوں کی عبادت کا محتاج ہے اور نہ ہی دُنیا والوں کی شکر گزاری سے اُسے کوئی فائدہ ہے۔......الغرض......کسی کے کفر و ناشکری سے ذاتِ خداوندی کو کوئی

نقصان نہیں پہنچتا' بلکہ ترکِ حج کا سارا وبال تارکِ حج ہی کے لئے ہے۔ حج فرضِ عین ہے' اس کی فرضیت پر پَردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ (تفسیر اشرفی)

تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایتیں ہیں' ان کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے پہلے تو مِلّتِ ابراہیمی پر اپنے آپ کو بتلایا اور جب مِلّتِ ابراہیمی کے موافق حضور نبی کریم ﷺ نے اُن سے حج ادا کرنے کو کہا تو حج سے انہوں نے انکار کیا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرما دیا کہ جو لوگ اللہ کے حکم کے تابع ہیں استطاعت کی حالت میں ان پر حج فرض ہے۔ اور اہلِ کتاب کی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منکر ہیں اللہ کو ان کے انکار کی کچھ پروا نہیں۔ مگر اللہ ان کے کاموں سے غافل نہیں ہے وقت مقررہ پر اپنے کئے کی سزاء پائیں گے۔ اس آیت میں اہل کتاب کو یہ بھی تنبیہ ہے کہ وہ توریت وانجیل پر ایمان لانا اگرچہ بیان کرتے ہیں لیکن ان کا بیان غلط ہے کیونکہ اگر ان کا بیان صحیح ہوتا تو ان کتابوں میں نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کی جو آیات تھیں اُن کو چھپا کر ان آیاتِ الٰہی اور نبی آخر الزماں ﷺ کے منکر کیوں ہوتے؟

کعبۃ اللہ سب جہانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے کیونکہ یہ اُس نبی کا کعبہ ہے جو رحمۃ للعالمین ہے۔ اس لئے اس کا کعبہ بھی سارے جہان کا قبلہ' سارے عالمِ بشریت کی عبادت گاہ ہے اور اس سے جو پیغام دُنیا کو سُنایا گیا اس میں سب کے لئے رُشد و ہدایت کی روشنی ہے۔ کعبہ تمام روئے زمین کے نماز پڑھنے والوں کے لئے قبلہ ہے اور وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لئے کعبہ تمام جہان والوں کے لئے سمت قبلہ کی ہدایت ہے۔ کعبہ' اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور کعبہ میں جو عجائب اور غرائب ہیں وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے صدق اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اس اعتبار سے کعبہ تمام جہان والوں

کے لئے ہدایت ہے۔ کعبہ تمام جہان والوں کے لئے جنت کی ہدایت دیتا ہے جو خلوصِ نیّت سے کعبہ کی زیارت کرے، کعبہ کا طواف کرے اور اس میں نمازیں پڑھے کعبہ اُن کو جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

﴿فِيۡهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ﴾ (اس میں کھلی نشانیاں ہیں ...... ایک اور نشانی وہ (مقام ابراہیم) وہ مقدس پتھر جس پر کھڑے ہوکر معمارِ حرم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس میں ٹخنوں تک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ثبت ہیں اور یہود ونصاریٰ کی عداوت اور بغض کے باوجود اس پتھر کا تین ہزار سال سے محفوظ چلا آنا زبردست نشانی ہے۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا۔

اس بیت کے بیت اللہ ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ بیت، غیر آباد بیابان میں بنایا گیا جس کے اطراف میں پھلوں اور کھیتوں کا نام ونشان بھی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رہنے والوں کے لئے رزق پہنچانے کا بہترین انتظام کردیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر والوں کے لئے پھلوں کے حصول کی دُعا کی تھی، سو تمام دُنیا کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجابت دُعا کا ثمر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری دُعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہوتو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جاکر مشاہدہ کرسکتا ہے۔

اس بیت میں اس بات کی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ یہی وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا تھا، اسی مقام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے بعد اپنی رہائش کے لئے منتخب فرمایا، اسی کے پاس صفا اور مروہ کی وہ پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بے قراری سے دوڑ رہی تھیں، یہیں پر زمزم

نام کا وہ کنواں ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے اور حضرت جبریل کے پَر مارنے سے جاری ہوا تھا' حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس بہتے ہوئے چشمہ کو روکنے کے لئے زمزم کہا تھا اسی نام سے یہ کنواں آج تک موسوم ہے اس کے پاس منیٰ ہے جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے' یہیں پر وہ جمرات ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی روشن نشانیاں ہیں مثلاً آج تک جس ظالم نے اس گھر کی توہین کرنے کا قصد کیا قہر الٰہی نے اُسے نیست و نابود کر دیا۔ چند سال پیشتر ابرہہ کا جو ہولناک انجام ہوا تھا وہ عرب کے بچہ بچہ کو معلوم تھا۔ دورِ جہالت میں جب ہر طرف کشت وخون کا بازار گرم تھا اور کسی کو کہیں گوشئہ عافیت میسر نہیں تھا اُس وقت بھی حرم حرمِ کعبہ کی حدود میں جو داخل ہو جاتا ہر قسم کی بالا دستی اور گرفت سے محفوظ ہو جاتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جو کہ بعد میں آنے والے انبیاء کرام کے والد اور اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کے جنہوں نے آپ کی اقتدا کر کے اور آپ کے طریقہ پر عمل پیرا ہو کر باطل دِینوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا' اُن کے امام و پیشوا کی تعمیر ہے۔

کعبۃ اللہ کی افضلیت: کعبۃ اللہ شریف اوّل ہے یعنی بیت المقدس سے پہلے ہے۔ سب سے اوّل کعبہ مقرر ہوا' کعبہ ہی مبارک ہے' کعبہ ہی جہان والوں کا ہادی ہے' کعبہ تعمیر ابراہیمی ہے' کعبہ معظّمہ کے پاس مقام ابراہیم پتھر موجود ہے' کعبہ ہی کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے جاری ہونے والا زمزم کا پانی موجود ہے' کعبہ کے حطیم میں حضرت اسماعیل و ہاجرہ کی قبریں ہیں' کعبہ کے مطاف میں (چارسو) انبیائے کرام کے مزارات ہیں' اسی کعبہ میں حجر اسود و رکن یمانی ہے' اسی کے پاس صفا مروہ پہاڑ ہیں جو شعائر اللہ ہیں۔ اسی کعبہ کا شہر یعنی مکہ مکرمہ دار الامان ہے' اسی کا شہر

مکہ مکرمہ آخری پیغمبر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت گاہ ہے' اسی کے قرب میں منیٰ' مزدلفہ' اورعرفات متبرک مقامات ہیں' اسی کا ہمیشہ حج ہوا اور ہوتا رہے گا' اسی کا عمرہ ہوا اور ہوتا رہے گا' اسی کا طواف ہوا اور ہوتا رہے گا۔ یہیں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے' اس کعبہ پر سواء بیمار کے اور کوئی پرندہ نہیں اُڑتا' اسی کعبہ کی حفاظت کے لئے ابابیل سے ہاتھی مروائے گئے' اسی کعبہ کی طرف لوگوں کے دل قدرتی طور پر کھنچتے ہیں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں پیداوار کوئی نہیں لیکن وہاں کبھی قحط نہیں پڑا اور نہ کوئی قحط سے مرا' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ ہر سال چالیس پچاس لاکھ حاجی وہاں پہنچ جاتے ہیں لیکن نہ وہاں دانہ میں کمی آتی ہے نہ پھلوں میں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں ہر سال حج کے موقعہ پر چالیس پچاس لاکھ جانور ذبح ہو جاتے ہیں مگر جب بچے ہوئے واپس لوٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک بھی ذبح نہ ہوا ......غرضکہ اس جیسی ہزاروں ایسی آیات بینات (کھلی نشانیاں) ہیں جو بیت المقدس میں نہیں ہیں۔ بیت المقدس کچھ عرصہ کے لئے قبلہ رہا پھر تم کس منہ سے کہتے ہو کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے۔ جیسے ہمارے محبوب ﷺ بے مثال محبوب ہیں ایسے ہی اُن کا کعبہ بے مثال قبلہ ہے۔ اے مسلمانو ! تم یہود کی باتیں نہ سنو' کبھی وہم بھی نہ کرو کہ بیت المقدس' کعبہ سے افضل ہے' تم کعبہ کے حج کے لئے تیار رہو' جس میں طاقت ہو وہ ضرور حج کعبہ کرے۔ خیال رکھو کہ اگر تم باوجود طاقت کے حج کو نہ گئے یا حج کا انکار کر کے کافر بن گئے تو تم سے تو کیا' ہم سارے جہان سے بے پرواہ ہیں' ہمارے کعبہ کی آبادی اور وہاں کا حج تم پر موقوف نہیں' وہاں ہمیشہ رونق کے میلے لگے ہی رہیں گے' ہاں تم ایک بڑی نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

(حج کے تفصیلی فضائل ومسائل ہماری کتاب 'عورتوں کا حج وعمرہ' میں ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ : قبرانور کا وہ حصہ جو جسم پاک سرکار سے متصل ہے وہ کعبہ معظّمہ بلکہ عرش معلّٰی سے بھی افضل ہے۔ (شامی)

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝﴾ (البقرۃ ۱۲۹۔۱۲۳)

<u>اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کے پروردگار نے کچھ باتوں میں آزمایا</u> (امتحان لیا) <u>تو انہوں نے وہ پوری کر دکھائیں</u> (مان کر پورے طور پر بجا لائے)۔ (اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن سے) <u>فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی اور میری اولاد سے۔ فرمایا: میرا عہد ظالموں</u> (خلاف ورزی کرنے والوں) <u>کو نہیں پہنچتا</u>۔ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول فرمائی کہ فرزند اسماعیل علیہ السلام سے لے کر پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ تک پوری لڑی کو مومن موحد بنایا۔ حضور اقدس ﷺ کے تمام آباء حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سارے ہی مومن موحد ہوئے کیونکہ یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ دُعا بعض کے لئے ہے اور یہ ثابت ہے کہ دُعا قبول بھی ہوئی اور

یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اولادِ ابراہیم اور بنی اسماعیل ہیں تو اس دُعا کا مستحق نبی کریم ﷺ کی اصل اور حسب نسب والی لڑی سے زیادہ کون ہوسکتا ہے گویا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی ہی اصلِ مصطفیٰ کے لیے تھی اور بعض سے مراد یہی تمام اصول تھے۔ اس دُعا کو مزید مضبوط فرمانے کے لئے عرض کیا: اے رب ہمارے ! اور قبول فرما میری یہ دُعا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے باعمل اہل علم کو یہ منصب سونپنے کے لیے مخصوص فرمایا، ظالموں کو اس سے محروم و مایوس کردیا۔ جو ظالم کافر ہیں وہ امام کا منصب نہ پائیں گے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کافر مسلمانوں کا پیشوا امام نہیں۔ اس کا اتباع مسلمانوں پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ظالموں سے نہیں، یہاں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عنداللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم ومشرک ہوں گے ان کی شقاوت ومحرومی کو دُور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا یہود ونصاریٰ اپنے اولاد ابراہیمی ہونے کو نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے اس آیت میں بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ کے بعض اولاد ظالم بھی ہوگی اور وہ دینی پیشوا نہ بن سکے گی لہذا چونکہ تم ظالم ہو، تم لوگوں کے سردار تو کُجا، عذاب سے نجات بھی نہیں پاسکتے ...... لہذا تمہیں چاہئیے کہ نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تاکہ تمہاری عظمت برقرار رہے)

اور (یادکرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امان بنایا۔

(کعبۃ اللہ کی ایک خصوصیت ثواب کی جگہ اور بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوجاتا ہے دوبارہ، سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت 'امن کی جگہ' یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی)

۔ **اور ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ** (جب ہم نے کعبہ کو یہ عظمت اور جلالت عطا کی کہ اس کو مشرق اور مغرب سے لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ بنادیا، اور اس کو تمہارے لئے عبادت اور امن کی جگہ بنادیا اور اس کو تمام روئے زمین کے نمازیوں

کا قبلہ بنا دیا تو جس شخص نے اس عظیم کعبہ کو بنایا ہے اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کو تم اپنا مصلی بنالو)۔ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو (خوب پاک رکھا کرو) طواف کرنے والوں، اعتکاف میں بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ اور جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب اس شہر کو امان والا کردے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو کہ ان میں سے اللہ اور پچھلے دنوں (روزِ قیامت) پر ایمان لائیں۔ (حق تعالیٰ نے) فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اُسے بھی دوں گا۔ پھر اُسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کردوں گا اور وہ بہت بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔ (کفار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر وسرکشی کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے) اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) اس گھر (کعبۃ اللہ) کی بنیادیں اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی، یہ کہتے ہوئے: اے رب ہمارے! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ بیشک تو ہی ہے سُنتا جانتا۔ اے رب ہمارے! اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا (مطیع وفرمانبردار بنا) اور ہماری اولاد میں سے ایک (ایسی جماعت) اُمت (پیدا فرما جو تیری) فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ بیشک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے۔

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود کعبہ کی دِیواریں چُن رہے ہیں، بلند اقبال فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا اُٹھا اُٹھا کر لا رہے ہیں۔ نسیمِ رحمت کے جھونکوں سے دِلوں کے غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔ کیف وسُرور کی ایک نا قابلِ بیان کیفیت طاری ہے۔ اُس وقت اللہ کے یہ دونوں مقبول بندے اپنے ربِّ کریم سے مانگ رہے ہیں اور وہ دیئے چلا جا رہا ہے۔ دامنِ طلب پھیلا ہوا ہے اور

دستِ کرم مصروف جُو دَ عطا ہے ۔ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اتنا ہی مانگا کہ لذّت نیاز اور ملے ۔ لُطفِ عبادت میں اَور اضافہ ہو **مسلمین لك** اور **امة مسلمة لك** کہہ کر گویا سب کچھ ہی مانگ لیا)

اے ہمارے رب ! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسُول انھیں میں سے تاکہ پڑھ کر سُنائے انھیں تیری آیتیں اور سکھائے انھیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک کر دے انھیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے، رسول، منتخب، خلیل، باطل دِین سے جُدا ہونے والوں کے امام وپیشوا اور انبیاء کرام کے والد گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر فرماتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قدیم گھر بیت اللہ کی تعمیر کی اور یہ پہلی عبادت گاہ ہے جسے عوام الناس کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریزی کے لئے تعمیر کیا گیا اور اس کی رہنمائی اللہ جل شانہٗ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خود دی تھی ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد کرہ ارض پر انسانیت کے لئے عبادت کے مرکز وَ مرجع کعبۃ اللہ کی تعمیر بھی آپ ہی نے فرمائی ۔ امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وحی الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو رہنمائی ملی تھی ۔

بیت المعمور : جس طرح زمین پر کعبہ شریف، اللہ کا گھر ہے اسی طرح اس کے مقابل آسمان میں بھی بیت المعمور ہے جس کا مرتبہ وَ مقام آسمان میں وہی ہے جو زمین پر خانہ کعبہ کا ہے جیسا کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہَ طور کی آیت (**وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ**) کی تفسیر میں منقول ہے کہ بیت معمور کعبہ کی سیدھ میں آسمان پر ایک گھر ہے جس کا تقدس آسمان میں ایسا ہے جیسا زمین میں

خانہ کعبہ کا' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے حاضر ہوتے ہیں جن کو پھر کبھی حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۔ جس کعبہ کا ہم طواف کرتے ہیں اور جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں وہ بیت المعمور کی سیدھ میں اس کے نیچے ہے۔

۔ بیت المعمور کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی قسم ارشاد فرمائی ہے: (**وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ**) اور بیت المعمور کی قسم۔

۔ فرشتے' اللہ کے برگزیدہ مخلوق ہیں لیکن انہیں بھی ایک دفعہ سے زیادہ بیت المعمور کی حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا جب کہ جنّ وانسان کے لئے کعبہ کی حاضری پر یہ پابندی نہیں ہے۔

نام نہاد اہلحدیث غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری نے **بیت المعمور** کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں' تحریفِ قرآنی کا یہ ایک نمونہ ہے۔ ثناء اللہ امرتسری کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی نے خوب شہرت پائی۔ اہل حدیث کے مُسلم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے جو اُن کے نزدیک قابلِ اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں اُن کے تاثرات یہ ہیں :

> ' الفاظ غلط' معانی غلط' استدلالات غلط' بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی'
> (عبدالحق غزنوی۔ الاربعین (لاہور پرنٹنگ پریس) ص۳)

اہل حدیث کے وکیل محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں :

> ' تفسیر امرتسری کو تفسیر مرزائی کہا جائے تو بجا ہے' تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے ...... اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد وتحریف میں پورا مرزائی' پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے'
> (عبدالحق غزنوی۔ الاربعین (لاہور پرنٹنگ پریس) ص۴۳)

﴿والبیت المعمور﴾ (الطّور/۴)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی : اور بیت معمور کی قسم !

حضور محدث اعظم ہند : اور بیت المعمور کی قسم !

غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری (لکھتے ہیں) بیت المعمور سے مراد مساجد ہیں۔

غیر مقلد امرتسری کی یہ تفسیر جمہور مفسرین کے خلاف ہے۔ حدیث صحیح میں ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیت معمور ساتویں آسمان پر ہے روزانہ اس میں ستر ہزار (70,000) فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتے ایک بار داخل ہوجاتے ہیں وہ دوبارہ داخل نہیں ہوتے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ (مشکوٰۃ)

بیت المعمور کے معنی ہیں آباد گھر۔ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے، فرشتوں کا قبلہ جو حضور ﷺ نے معراج میں ملاحظہ فرمایا۔ (نور العرفان)

ثناء اللہ امرتسری کی یہ تفسیر دراصل قدیم مفسرین کی تفاسیر اور احادیث صحیحہ میں وارد تفسیروں کے خلاف ہے۔ درحقیقت یہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ اہل زمین کے لئے بالکل ویسا ہی کعبہ تعمیر کرو جیسا آسمان کے ملائکہ کے لئے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت کعبۃ اللہ کے لئے جس جگہ کا تعین کیا گیا اس متعین جگہ کی رہنمائی بھی اللہ جل شانہ نے فرمادی۔ صحیحین میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے اس شہر (مکہ معظّمہ) کو حرمت وَعزت والا بنادیا تھا، تا قیام قیامت اللہ کی حرمت کی وجہ سے یہ شہر قابل احترام اور اعزاز رہے گا۔

روئے زمین پر سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے عبادت کے لئے مقرر ہوا ہے کعبہ شریف (بیت اللہ) ہے جو پوری دُنیا کے وسط میں واقع ہے اور ساری دُنیا کے مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ مسلمان اسی کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں

اور کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ (کعبۃ اللہ کے چاروں طرف سات چکر لگانا طواف کہلاتا ہے۔طواف' حجرِاسود کے سامنے سے شروع کیا جاتا ہے اور حجرِاسود پر پہونچ کر ایک چکر مکمل ہوتا ہے' ساتواں چکر حجرِاسود پر مکمل ہوگا)

کعبۃ اللہ کی جگہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک جملہ انبیاءِکرام کے نزدیک قابلِ تعظیم وتکریم تھی۔

مِلّتِ ابراہیمی (دِینِ اسلام) :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایسی شخصیت ہے کہ تمام ادیان اور مذاہب کے پیروکار اُن کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں (یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ سب کا سلسلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے اس لئے انہیں سب مانتے تھے لیکن اُن کے طریقہ پر کوئی نہ تھا) اور مشرکین مکہ بھی اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور خدام حرم ہیں' اور یہود ونصاریٰ بھی اُن کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور اُن کی اولاد سے ہونے کا شرف ظاہر کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے دِین کا اُن سب پر حجت ہونا لازم آتا ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں :

۱۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے دِین کی خصوصیت حج بیت اللہ ہے' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بیت اللہ کا حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار رہے اور اس کا داعی صرف اسلام ہے اس لئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے ہیں ان پر دِین اسلام کو ماننا واجب ہے۔

۲۔ جب کعبہ کو قبلہ بنادیا گیا تو یہود نے اس کا بُرا مانا' اللہ تعالیٰ نے اُن پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے ہو اور یہ کعبہ اُن

ہی کا بنایا ہوا ہے تو اس کے قبلہ بنائے جانے پر تو تمہیں ناراض ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہئیے۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی اُس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اُن کا تعلق بدن کی صفائی اور پاکیزگی سے تھا اور یہ طہارت صرف دینِ اسلام میں ہے' اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ دینِ اسلام کو مانیں۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج' چاند اور ستاروں کی خدائی کا انکار کیا اور بُت پرستی کا رَدّ کیا اور اسلام بھی اسی کا داعی ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کرا دیا' اور اس تاریخ کو سُنّتِ ابراہیم کے مطابق قربانی کرنا صرف دینِ اسلام میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم کی سُنّت۔ (سنن ابن ماجہ)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش :

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کے پروردگار نے کچھ باتوں میں آزمایا (چند انتہائی دشوار اُمور میں امتحان لیا) تو انہوں نے وہ پوری کر دِکھائیں (مان کر پورے طور پر بجالائے)۔

یہ آزمائش اس لئے نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ وہ تو علیم وخبیر ہے بلکہ اپنے مقبول بندے کے جذبۂ صدق وَاخلاص سے لوگوں کو آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بے خبر لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ ان پر جو فضل وکرم ہو رہا ہے یونہی ہو رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بلکہ اُنھیں

علم ہو جائے کہ وہ اس لُطف عمیم کے ہر طرح مستحق ہیں۔ نیز اس لئے بھی کہ ہر بُو الہوس ان مقاماتِ رفیعہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے بلکہ اُسے معلوم ہو کہ آزمائش و ابتلا کا آتشیں سمندر موجزن ہے اور ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

خیال رہے کہ یہاں سخت امتحان کے موقع پر ربُّہ' (اُن کا پَروردِگار) فرمایا گیا جس میں بتایا گیا کہ بندوں کا امتحان لینا انہیں بلاؤں' آفتوں میں گھیر دینا بھی رب کی ربوبیت مطلقہ کا تقاضا ہے جس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ وہ آرام دے تو اس کی مہربانی اور تکلیف بھیجے تو اس کا کرم۔ اگر باپ تربیت کے لئے بچے کو مارے پیٹے تو بھی اس کی مہربانی ہے۔

امورِفطریہ :

وہ امتحانات جن سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا کیا تھے؟ ذبحِ اسماعیل' آتشِ نمرود اور عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں اپنی زوجہ اور ننھے بچے کو حکم الٰہی کے مطابق چھوڑ آنا اور ان کے علاوہ تمام احکامِ شریعت پر کاربند ہونا ہے جس میں ناخنوں کے تراشنے' دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج و زکوٰۃ کے جملہ مناسک داخل ہیں۔

رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند انتہائی دشوار اُمور سے آزمایا یا اُن کو سخت احکام سے آزمایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر بڑی آزمائشیں (۷) آئیں :
(۱) آفتاب اور چاند سے آزمائش (۲) سلطنت نمرودی کا مقابلہ (۳) بڑی عمر میں ختنہ (۴) آگ میں ڈالا جانا (۵) لاڈلے فرزند کا ذبح کرنا (۶) اللہ کی راہ میں ترک وطن کرنا (۷) اپنی پیاری بیوی اور اکلوتے فرزند کو بحکم الٰہی جنگل میں چھوڑ آنا۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت طیبہ :

﴿وَاِذِ ابۡتَلٰٓی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کے پروردگار نے کچھ باتوں میں آزمایا (انتہائی دشوار اُمور میں امتحان لیا) تو انہوں نے وہ پوری کر دِکھائیں (مان کر پورے طور پر بجالائے)۔

اس میں دس طہارتوں کے ذریعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا' جن میں سے پانچ طہارتوں کا تعلق سَر کے ساتھ اور پانچ کا تعلق جسم کے ساتھ تھا۔

وہ پانچ طہارتیں جن کا تعلق سَر کے ساتھ ہے وہ یہ ہیں :

(۱) مونچھوں کو تراشنا (۲) کلی کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) سَر میں مانگ نکالنا۔

جن پانچ طہارتوں کا تعلق جسم سے ہے وہ یہ ہیں :

(۱) ناخن کاٹنا (۲) زیرناف بال صاف کرنا (۳) ختنہ (۴) بغلوں کے بال صاف کرنا (۵) بول وَبراز سے فراغت کے بعد پانی سے استنجا کرنا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امور فطریہ پانچ ہیں: (۱) ختنہ کرنا (۲) شرم گاہ کے بال مونڈنا (۳) مونچھوں کو تراشنا (۴) ناخن کاٹنا (۵) بغلوں کے بال صاف کرنا۔ (صحیحین)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں اُمور فطریہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) ڈاڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک پانی سے اچھی طرح صاف کرنا (۵) ناخن کاٹنا (۶) اُنگلیوں کے جوڑ دھونا (۷) بغلوں کے بال صاف کرنا (۸) زیرناف بال مونڈنا (۹) ختنہ کرنا (۱۰) پانی سے استنجاء کرنا۔

☆ مسواک کرنا سُنّت ہے، مسواک پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو، پھل دار یا پھول والے درخت کی نہ ہو، ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو۔

مسواک کرنا سُنّت ہے وضو میں، قرآن شریف پڑھتے وقت، دانت پیلے ہونے پر، بھوک یا دیر تک خاموشی یا بےخوابی کی وجہ سے منہ سے بو آنے پر۔ احناف کے ہاں مسواک سُنّتِ وضو ہے نہ کہ سُنّتِ نماز۔ لہٰذا باوضو آدمی نماز کے لئے مسواک نہ کرے۔

مسواک کو بغیر دھوئے مسلسل استعمال کرتے رہنا، یا پھر چلتے پھرتے منہ میں پھیرتے رہنا، یا محفلوں میں بیٹھ کر دوسروں پر تھوک اُڑاتے ہوئے مسواک کرتے رہنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ ایسی حرکتوں سے بھی نفرت اور گھن پیدا ہو جاتی ہے۔ مسواک کو بغیر دھوئے پھیرتے رہنے سے منہ میں مسواک کے ریشے اور تھوک جمع ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پاس بیٹھنے والوں کو کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام نظافت اور نفاست کی تعلیم دیتا ہے۔ وضو کے وقت اور حسبِ ضرورت مسواک کرتے رہیں اور پھر دھو کر رکھ دیں۔

☆ ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سُنّت اور غسل میں فرض ہے۔

☆ اس قدر مونچھ کٹوانا سُنّت ہے جس سے ہونٹ کا پورا کنارہ کھل جائے، مونچھ منڈاونا منع ہے۔

۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے اُن کی مشابہت سے یقیناً بچنا چاہیئے۔

۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور <u>ڈاڑھی بڑھاؤ</u> اور مجوس (آتش پرست) کی مخالفت کرو۔ (صحیح البخاری)

۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کم کرو اور <u>ڈاڑھیاں بڑھاؤ</u>۔ (صحیح مسلم)

[نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) چونکہ فہم و فراست اور شعور سے محروم ہوتے ہیں اس لئے وہ <u>ڈاڑھی بڑھاؤ</u> کے مفہوم کو سمجھ نہ پائے اور ڈاڑھی کو بغیر کوئی شرعی حد مقرر کئے آدھا گز اور آدھا میٹر تک بڑھانے لگے کہ اکثر کھانے کی پلیٹ میں ڈاڑھی پہنچ جاتی ہے]

☆ ڈاڑھی ایک مشت بھر رکھنا واجب ہے' مشت سے زائد کاٹنا بہتر ہے' اس سے کم رکھنا فسق اور حرام ہے۔

خلاف سُنّت حد شرع سے زیادہ' لمبی لمبی' ناف تک نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) کا ڈاڑھی رکھنا' مضحکہ خیز حرکت اور بدعت ہے۔ غیر مقلدین صفائی پسند نہیں ہوتے' اُن کے مزاج میں نفاست نہیں بلکہ نجاست ہوتی ہے۔ اپنی حالت کو نہ ہی سنوارنا چاہتے ہیں اور نہ ہی نکھارنا چاہتے ہیں۔ **الله جميل ويجب الجمال** اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ اہلحدیث غیر مقلدین اپنی حالت وہیت کو وحشتی ہیبت ناک اور خوفناک بنائے گھومتے ہیں ڈاڑھی چاروں طرف سے بڑھتے بڑھتے پیٹ سے نیچے پہونچ جاتی ہے لیکن یہ کٹوانے سے گریز کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ریچھ کی طرح غیر مقلدین کی صرف ناک اور پیشانی نظر آتی ہے۔ بہرحال یہ کراہیت زدہ' تنفر اور گھناؤنی حالت میں گھومتے رہتے ہیں۔ اسلام سے متعلق اقوام عالم کو یہ غلط تاثرات پیش کررہے ہیں اُن کے بھیانک رُوپ سے غیر قومیں متاثر تو نہیں ہوسکتیں بلکہ اسلام سے بدظن ہو جاتی ہیں۔

۔ عورت کو ڈاڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا نوچنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ کہیں اس کے شوہر کو اس سے نفرت نہ پیدا ہو۔ (ردّالمحتار)

☆ ناخن کٹوانا سُنّت ہے۔ جو شخص جمعرات کے دن عصر کے بعد ناخن اس طرح کاٹے کہ داہنے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی سے شروع کرکے چھینگلیا پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرکے انگوٹھے پر ختم کرے اس کے بعد دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹ لے' اسی ترتیب سے پاؤں کے ناخن کاٹے' ان شآء اللہ تنگدستی' دُنیوی پریشانی اور آنکھ کی خرابی سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر رُوح البیان)

۔ جنابت (Impurity) کی حالت میں (یعنی غسل فرض ہونے کی صورت میں) نہ کہیں کے بال مونڈیں نہ ہی ناخن تراشیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

۔ ہر جمعہ کو اگر ناخن نہ تراش سکے تو پندرہویں دن تراشے اور اس کی انتہائی مدت چالیس دن ہے۔ (حدیث شریف)

کچھ لڑکیوں میں ناخن بڑھانے ،نوکیلے بنانے اور اُن پر نیل پالش کرنے کا شوق بڑھتا جا رہا ہے۔ ماں باپ اور گھر کے بڑوں کو چاہیئے کہ اس بیماری اور افلاسی حرکت کو جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے سختی سے مٹادیں۔

۔ دانت سے ناخن نہ کاٹنا چاہیئے کہ مکروہ ہے اور اس میں مرض برص (Vitiligo) پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔(عالمگیری) اور مشہور ہے کہ اس سے برکت جاتی اور نحوست پھیلتی ہے۔

۔ لمبے ناخن شیطان کی نشست گاہ ہیں یعنی ان پر شیطان بیٹھتا ہے۔(کیمیائے سعادت)

۔ ناخن یا بال وغیرہ کاٹنے کے بعد دفن کر دینا چاہیئے۔ بیت الخلاء یا غسل خانہ (حمام) میں ڈال دینا مکروہ ہے کہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ (عالمگیری)

☆ ختنہ (Circumcision) سُنّت ہے اور یہ شعارِ اسلام (اسلام کی نشانیوں) میں سے ہے کہ مسلم وغیر مسلم میں اس سے امتیاز ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ ختنہ بھی کر دیا جائے' آسانی اور آرام ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا جس سے زخم بڑھا لینے کا خوف نہیں ہوتا۔

☆ موئے زیرناف دُور کرنا سُنّت ہے' بہتر جمعہ کے دن ہے۔ پندرہویں دن کرنا بھی جائز ہے۔ چالیس دن سے زیادہ گزار کے کرنا مکروہ وممنوع ہے۔ غسل ضروری ہو تو ایسی حالت میں نہ بال مونڈے اور نہ ناخن ترشوائے کہ یہ مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

۔ موئے زیرناف اُسترے سے' بال صفا پاؤڈر سے یا کریم سے بھی نکالنا جائز ہے۔

۔ موئے زیرناف کا ایسی جگہ پھینکنا جہاں دوسروں کی نظر پڑے ناجائز ہے کیونکہ یہ ستر کے بال ہیں۔جس طرح ستر دوسروں کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے یہی حکم ان بالوں کا بھی ہے۔

۔ موئے زیرناف کو ناف کے عین نیچے سے مونڈنا شروع کریں۔

☆ سَر کے بالوں میں مانگ نکالنا سُنّت ہے۔

۔ کنگھا کرنے یا سر دھونے میں جو بال سر سے جدا ہوں، یونہی عورت پاؤں کے ناخن کاٹے تو عورتوں پر لازم ہے کہ انہیں زمین میں دفن کر دیں یا کہیں چھپا دیں یا ایسی جگہ ڈال دیں کہ ان پر کسی اجنبی کی نظر نہ پڑے۔ (دُرِّ مُختار)

۔ عورت کو سر کے بال کٹوانے ناجائز وَ گناہ ہے اور اس پر لعنت آئی ہے۔ شوہر نے ایسا کرنے کو کہا جب بھی یہی حکم ہے کہ عورت ایسا کرنے میں گناہ گار ہوگی کیونکہ شریعت کی نافرمانی کرنے میں کسی کا کہنا نہیں مانا جائے گا۔ (دُرِّ مُختار)

۔ عورت کا بالوں کا جوڑا بنا کر سر پر اونٹ کی کوہان کی طرح رکھنا بھی حرام ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دوزخیوں کی دو قسمیں ارشاد فرمایا۔ ایک وہ قوم جس کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور ایک وہ عورتیں جو ظاہری لباس پہننے والی ہوں گی۔ لیکن پھر بھی وہ ننگی ہوں گی۔ ان کے جسم ان کے کپڑوں سے نظر آتے ہوں گے۔ وہ مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی۔ ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان۔ وہ نہ ہی جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلہ سے محسوس ہوتی ہوگی۔ (مسلم شریف)

☆ مرد کے لئے سَر کے بالوں کا کانوں کی لو تک یا کندھے تک رکھنا سُنّت ہے انہیں مونڈنا بھی جائز ہے مگر سَر کے اطراف سے مونڈنا اور درمیان میں گچھا کی طرح بڑھے رکھنا خلافِ سُنّت' یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

۔ آج کل عورتیں اَبرو کے بال نچوا کر انہیں باریک بناتی ہیں، یہ ممنوع ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ بھوؤں اور ابروؤں کے بال نوچنا از روئے طب بھی سخت نقصان دہ ہے۔ آنکھوں کی بینائی کمزور ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو بالوں کے ساتھ مُثلہ (بال بگاڑنا) کرے اللہ عزوجل کے یہاں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ (طبرانی)

۔ انسان کے بالوں کی چوٹی بنا کر عورت اپنے بالوں میں گوندھے یہ حرام ہے۔ (انسانی بالوں کا چٹلہ حرام ہے) حدیث میں اس پر لعنت آئی بلکہ اس پر بھی لعنت جس نے کسی عورت کے سر میں ایسی چوٹی گوندھی۔ اور اگر وہ بال جس کی چوٹی بنائی گئی خود اسی عورت کے سَر کے ہیں جس کے سر میں جوڑی گئی جب بھی ناجائز ہے۔ اُون یا سیاہ تاگے کی چوٹی بنا کر لگائے تو اس کی ممانعت نہیں۔ سیاہ کپڑے کا موباق باندھنا بھی جائز ہے۔ (دُرِّ مختار)

☆ بغل کے بال اُکھیڑنا سُنّت ہے انہیں مونڈنا بھی جائز ہے۔

☆ اگر نجاست مقدار ایک درہم مخرج نجاست سے پھیلی نہ ہو تو ڈھیلوں کے بعد پانی سے استنجا کرنا سُنّت ہے اور اگر مخرج سے قدر درہم تجاوز کر جائے تو پانی سے استنجا کرنا فرض ہے۔

(یاد رہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی کے گڑھے کی مقدار مساحت میں اور ساڑھے چار ماشہ وزن میں مقدار درہم ہے، پتلی نجاست میں مساحت کا اور ٹھوس نجاست میں وزن کا اعتبار رہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام للّٰہیت اور خلوص کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت الٰہیہ میں منہمک ہو جانے کے ساتھ ساتھ اپنے بدن کی اصلاح اور صفائی کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ ہر عضو جس قدر اصلاح اور خوبی کا مستحق تھا اس کا پورا اہتمام فرماتے اور جو بھی چیز پراگندہ محسوس فرماتے مثلاً بالوں کا بڑھنا، ناخنوں کا بڑھنا، دانتوں کا عیب دار ہونا یا جسم پر میل ہونا......اُن کو دُور کر کے

منزا اور مصفی ہو جاتے ۔ یہ جملہ باتیں توصیف ابراہیمی اور فرمان الٰہی کی تصدیق کرتی ہیں: ﴿وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى﴾ (النجم/۳۷) اور ابراہیم (علیہ السلام) جو پورے احکام بجالایا۔

اُمور فطریہ کی ادائیگی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار زیب تن کی، سب سے پہلے بالوں میں مانگ نکالی اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے زیر ناف بالوں کو صاف کیا اور سب سے پہلے ہیں جنہوں نے قدوم آلے کے ساتھ ختنہ کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور اس کے بعد اسّی (۸۰) سال تک آپ حیات رہے اور آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی اور آپ سب سے پہلے شخص ہیں جن کے بال سفید ہوئے۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمانوں کی میزبانی کی اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور سب سے پہلے آپ نے ہی مونچھیں کاٹیں اور سب سے پہلے آپ ہی بوڑھے ہوئے۔ جب بڑھاپے کو دیکھا تو عرض کی الہ العالمین یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ عزت و وقار ہے۔ عرض کی، اس وقار میں اضافہ فرما۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑا، اور یہاں آبادی ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ کی تعمیر کرو ! ایک بادل کا ٹکڑا

بھیج کر کعبہ کی حد کو واضح کیا گیا اور جبرئیل علیہ السلام نے خط کھینچ دیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی بنیادوں پر ہی تعمیر فرمائی۔

[[﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ﴾ اے ہمارے رب ! میں نے بسا دیا ہے (آباد کر دیا ہے) اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں (میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں) تیرے حرمت والے گھر (کعبہ معظّمہ) کے قریب میں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا اس وقت کی جب آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ چکے تھے۔ اور اس آیت میں لفظ ﴿عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ﴾ (تیرے محترم گھر کے پاس) سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ بیت اللہ کا وجود سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قبل تھا' گوکہ عمارت کا ڈھانچہ منہدم ہو گیا تھا لیکن بنیادیں باقی تھیں اور اتنی مضبوط تھیں کہ ہزار ہا سال گذر جانے کے بعد بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پر دوبارہ عمارت کھڑی کی: ﴿وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰھٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ﴾ اور جب اُونچی کر رہے تھے (اُٹھا رہے تھے) ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر (کعبۃ اللہ) کی بنیادیں......

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی تعمیرات بھی انہیں بنیادوں پر کی جاتی رہیں۔ اندازہ لگایئے اس بنیاد کی پائیداری کا کہ اگر صرف اس مدت کو شمار کریں جو عہد ابراہیمی سے آج تک ہے تو وہ بھی پانچ ہزار سال ہوتے ہیں (جبکہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کی مدت طول کا علم اللہ ہی کو ہے) اس طویل ترین تاریخی دور میں اس بنیاد نے نہ جانے کتنے طوفانوں اور سیلابوں کا سامنا کیا ہوگا۔ یہ اس دین حنیف اور توحید خالص کا زندہ جاوید معجزہ نہیں تو کیا ہے؟]]

کعبہ شریف کی بلندی نو ہاتھ، رکن اسود سے رکن شامی تک ۳۳ ہاتھ، رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ، رکن یمانی سے رکن اسود تک ۲۰ ہاتھ، رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ ہاتھ۔ یعنی کعبہ اُس وقت مستطیل تھا لیکن طول اور عرض کی ایک ایک دیوار معمولی چھوٹی تھی دروازے دو بنائے گئے تھے جو زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ اس کی نہ چھت تھی' نہ کواڑ زنجیر اور نہ چوکھٹ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور اسماعیل علیہ السلام پتھر گار وغیرہ دیتے تھے۔ سبحان اللہ ! کس شان سے اللہ کا گھر تعمیر ہوا؟ اللہ کا نبی ہی معمار اور اللہ کا نبی ہی معاون۔

ذوالقرنین کا ایمان قبول کرنا :

سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہا السلام جب تعمیر کعبہ فرما رہے تھے تو روئے زمین کے بادشاہ ذوالقرنین کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں اس کی تعمیر کا کس نے حکم دیا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ جل شانہ نے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ آپ کے قول پہ مجھے آگاہی کیسے ہوسکتی ہے؟ اُس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قول کی شہادت پانچ مینڈھوں نے دی۔ ذوالقرنین مینڈھوں کی گواہی سُن کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوگئے اور پھر ذوالقرنین نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ (قصص الانبیاء)

مسجد حرام (مسجد کعبۃ اللہ) :

وہ مسجد جس میں کعبۃ اللہ واقع ہے۔ بیت اللہ شریف مسجد حرام (حُرمت والی مسجد) کے بیچ میں واقع ہے۔ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف مسجد کی جگہ اور عمارت کو مسجد حرام کہا جاتا ہے اور یہ مسجد' دُنیا کی تمام مساجد سے افضل ہے۔ مسجد حرام میں

ایک نماز کا اجر وَ ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (مسجد حرام میں ایک نماز پچپن سال چھ ماہ' بیس رات کی ان نمازوں کے برابر ہوتی ہے جو عام مساجد میں پڑھی گئیں ہوں' یہ بات واضح رہے کہ اجر وَ ثواب کی زیادتی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز کی ادائیگی ایک سے زائد نمازوں کے قائم مقام بن سکتی ہے' نیز ایک نماز کی ادائیگی پُرانی نمازوں کی قضاء نہیں بن سکتی' لہٰذا اگر کسی کے ذمہ دو نمازوں کی قضاء تھی اور اُس نے ایک نماز کی قضاء مسجد حرام میں پڑھی تو یہ ایک نماز ہی کی ادائیگی ہوئی' دوسری نماز کی قضاء باقی رہے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ صرف اجر وَ ثواب کی زیادتی ہے اصل تعداد کی نہیں۔)

<u>دِیدارِ کعبۃ اللہ</u> : طواف شروع کرنے سے پہلے کعبۃ اللہ کا اچھی طرح دِیدار کر لیں۔ یہ دیکھ لیں کہ حجرِ اسود کہاں نصب ہے کیونکہ طواف کی شروعات حجرِ اسود سے ہوتی ہے رُکن یمانی' بابِ کعبہ' ملتزم' ' میزابِ رحمت' مستجاب (رکن یمانی اور رکن اسود کے بیچ کی جنوبی دیوار...... یہاں ستر ہزار فرشتے دُعا پر آمین کہنے کے لئے مقرر ہیں' اس لئے مظہر امام اعظم محی الحنفیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس مقام کا نام مستجاب یعنی دُعا کی قبولیت کا مقام رکھا۔ مقام ابراہیم' زمزم کا کنواں' صفا و مروہ کو دیکھ لیں۔ حطیم کو بھی بغور دیکھ لیں کیونکہ یہ کعبۃ اللہ کا ہی حصہ ہے اور طواف کے دوران اس میں سے نہیں گذرتے۔

رُکن :

کعبہ شریف کے گوشے یا کونے (کارنرس) کو رکن کہتے ہیں۔ یہ چار ہیں:

ا۔ جنوب مغرب کا گوشہ جو یمن کی طرف ہے اُسے رُکن یمانی کہتے ہیں۔ یہ رکنِ یمانی' حجرِ اسود کے برابر والا کونہ ہے' یہ کونہ ان بنیادوں پر قائم ہے جن پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی تھی اس لئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے۔ حضور ﷺ نے رکن یمانی کو ہاتھ لگا کر استلام کیا' لہذا یہ عمل سُنّت ہے۔ طواف کے دوران لوگوں کو اور خود اپنے کو تکلیف ونقصان کا خوف نہ ہو تو رُکن یمانی کا چھونا یا بوسہ دینا چاہیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام گناہوں کا کفارہ ہے۔

۲۔ شمال مغرب کا گوشہ جو ملک شام کی طرف ہے اُسے رکن شامی کہتے ہیں۔

۳۔ شمال مشرق کا گوشہ جو عراق کی طرف ہے اُسے رکن عراقی کہتے ہیں۔

۴۔ جنوب مشرقی کونا جس میں جنتی پتھر یعنی حجر اسود ہے اسے رکن اسود کہتے ہیں۔

حجراسود :

جب کعبۃ اللہ کی بنیادیں بلند ہوگئیں اور رکن تک پہنچ گئے تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک خوبصورت پتھر نصب کرنا چاہا تو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسا پتھر تلاش کرو جو لوگوں کے طواف کا نشان بن جائے اور جہاں سے طواف کعبہ کا آغاز کیا جائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایسے نمایاں پتھر کی تلاش میں چل پڑے' اُس وقت حضرت جبریل علیہ السلام ہند سے اسود لے کر آئے جو کہ اُس وقت شتر مرغ کے پَروں کی طرح سفید یاقوت تھا جسے سیدنا آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لے کر آئے تھے۔ لوگوں کی خطاؤں کو چوسنے کی وجہ سے اب یہ سیاہ ہو چکا ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ایک اور پتھر لے کر رُکن کے پاس پہنچے تو پتھر کو موجود پا کر عرض کی اے میرے والد گرامی ! یہ پتھر کون لے کر آیا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے یہ پتھر لایا ہے۔

یہ مبارک پتھر (حجر اسود) کعبۃ اللہ کی دیوار کے ایک کونے میں زمین سے چار فٹ کے اُوپر نصب ہے اور بیضوی شکل میں چاندی کے حلقے سے گھرا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حجر اسود جب جنت سے دُنیا میں لایا گیا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا' پھر آدمیوں کے گناہوں کی وجہ سے کالا ہو گیا۔ (ترمذی'احمد)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک پتھر کا وہ حصہ جو دِیوار کے اندر ہے وہ سفید ہی ہے جیسا کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کی غرض سے منہدم کیا تو میں نے دیکھا کہ حجر اسود کا وہ حصہ جو دِیوار کے اندر تھا' وہ سفید ہے۔معلوم ہوا کہ گناہوں کے سبب صرف بیرونی حصہ سیاہ ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس کو' حجر اسود' کہا جاتا ہے۔ مقامِ عبرت ہے جب گناہوں کے اثر سے پتھر کا رنگ سیاہ ہو گیا تو دِل پر گناہوں کا اثر کتنا اثر انداز ہوتا ہوگا؟ لہٰذا گناہوں سے بچنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دِل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔

گناہوں کی وجہ سے بلائیں' آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ گناہوں سے آخرت کا نقصان اور عذابِ جہنم کی سزائیں اور قبر میں قسم قسم کے عذابوں میں مبتلا ہونا' اس سے تو ہر مسلمان واقف ہے مگر یادرکھو کہ گناہوں کی نحوست سے انسان کو دُنیا میں بھی طرح طرح کے نقصان پہونچتے رہتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :

(۱) روزی کم ہونا (۲) بلاؤں کا ہجوم ہونا (۳) عمر گھٹ جانا (۴) دل میں اور بعض مرتبہ تمام بدن میں اچانک کمزوری پیدا ہو کر صحت خراب ہو جانا (۵) عبادتوں سے محروم ہو جانا (۶) عقل میں فتور پیدا ہو جانا (۷) لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جانا (۸) کھیتوں اور باغوں کی پیداوار میں کمی ہو جانا (۹) نعمتوں کا چھین جانا

(۱۰) ہر وقت دِل کا پریشان رہنا (۱۱) اچانک لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہوجانا (۱۲) اللہ تعالیٰ اوراس کے فرشتوں اوراس کے نیک بندوں کی لعنتوں میں گرفتار ہوجانا (۱۳) چہرے سے ایمان کا نور نکل جانے سے چہرے کا بے رونق ہوجانا (۱۴) شرم وغیرت کا جاتا رہنا (۱۵) ہرطرف سے ذلتوں رُسوائیوں اورناکامیوں کا شکار ہوجانا (۱۶) مرتے وقت منہ سے کلمہ نہ نکلنا...... وغیرہ۔ (ہماری کتاب' گناہ اورعذاب الٰہی')

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود کو اللہ تعالیٰ' قیامت کے دن ایسی حالت میں اُٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اوراس شخص کے بارے میں گواہی دے گا کہ جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ (ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا: **لَوْ لَا اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہ وَسَلَّمَ قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ** (بخاری کتاب المناسک)

'اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔'

مقدمہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجر اسود کو چوم کر فرمایا کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان (اس سے مراد یہ تھی کہ حجر اسود بالذات نفع ونقصان نہیں پہنچاتا یعنی ذاتی طور پر)۔۔ اُس وقت حضرت سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سُنا کہ قیامت میں اس کی آنکھیں اور منہ ہوں گے اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔ (الحاکم)

(☆) ایک ہے ذاتی طور پر بذات خود نفع ونقصان دینا' وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک ہے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے نفع ونقصان دینا' یعنی عطائی طور پر اللہ کے اذن سے' اس قسم کا نفع ونقصان اللہ کے مقبول ومحبوب بندے اور

حجراسود و دیگر متبرک اشیاء دے سکتی ہیں۔ اس کے متعلق قرآن وحدیث میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ (’حقیقت شرک‘ اور ’حقیقت توحید‘ ہماری ان دو کتابوں کا مطالعہ کریں)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا اس لئے تھا کہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے‘ کہیں جاہل و نادان لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام میں بھی پتھروں کی تعظیم کا ویسا ہی تصور ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں تھا کہ وہ پتھر کے بتوں کی تعظیم اور پرستش کرتے تھے‘ اور حجراسود کا بوسہ لینا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے‘ کسی احتمال کے درجہ میں اس قسم کے تصورات کو ختم کرنے کے لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بوسہ لینا حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع اور آپ کی سُنّت پر عمل کی غرض سے ہے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اُمور دینیہ اور اسلامی احکام میں اصل چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع ہے خواہ ان احکام کی علّت وحکمت معلوم نہ ہو۔

گھومتا ہوں میں کعبہ کے چاروں طرف　　　چومنا حجرِ اسود مرا کام ہے

حجراسود کی گواہی : رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حجراسود کے سامنے جائیں گے تو حجراسود گواہی دے گا بارگاہ خداوندی میں ایمان والوں کے ایمان کی اور کافروں کے کفر کی اور منافقوں کے نفاق کی بھی گواہی دے گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ حج کے لئے تو ایمان والے ہی جاتے ہیں‘ مکہ معظّمہ میں تو مشرکین پر پابندی ہے‘ قدم بھی رکھنے نہیں دیا جاتا۔ وہاں تو سب حج کرنے والے مومن ہی ہیں تو بتاؤ حجراسود پھر کافروں کی گواہی کیسے دے گا؟ معلوم ہوا کہ ایمان والوں ہی کے نام سے کچھ اور لوگ جاتے ہوں گے جس کو ہم نہیں جانتے مگر یہ پتھر جانتا ہے۔

طواف حجرِ اسود سے شروع کیا جاتا ہے اور اسی پر ایک چکر (شوط) مکمل ہوتا ہے
حجرِ اسود کا بوسہ اس طرح لیں کہ ہونٹوں سے آواز پیدا نہ ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ
نے اسے بوسہ لیا ہے۔ بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ کے ہونٹ بھی وہاں تک پہونچے
لیکن اگر دوسروں کو اور خود کو تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو دونوں ہاتھوں یا صرف داہنا
ہاتھ حجرِ اسود پر رکھ کر چوم لیں اور ہاتھ نہ پہونچے تو دُور ہی سے ہتھیلیوں کو حجرِ اسود کی
طرف کر کے اس کو چوم لیں۔ حجرِ اسود کا بوسہ لینے یا ہاتھ یا لکڑی سے چھو کر چومنے یا
ہتھیلیوں کو حجرِ اسود کی طرف کر کے ان کو بوسہ لینے کا نام استلام ہے۔

بابِ کعبہ (کعبہ شریف کا دَروازہ) :

رُکنِ اسود اور رُکنِ عراقی کے درمیان کی مشرقی دیوار میں زمین سے کافی بلند
سونے کا دروازہ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی تو کعبہ کے دو
دَروازے زمین کے برابر بنائے تھے لوگ مشرقی دَروازہ سے داخل ہوتے اور مغربی
دَروازہ سے باہر آجاتے، واضح رہے کہ دونوں دَروازوں پر کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ان
کو بند کیا جاسکے تا آنکہ یمن کے ایک بادشاہ اسعد تبع ثالث نے ایک پَٹ کا دروازہ
لگوادیا جو بوقتِ ضرورت کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ قریش نے جب کعبہ شریف کی تعمیر
کی تو اس میں مغربی سمت کا دروازہ بند کردیا، اور مشرقی دروازہ کو زمین سے بلند
کر کے دو پَٹ کا دروازہ لگادیا، جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے
رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ دروازہ اونچا کیوں ہے؟ حضور ﷺ نے
فرمایا: تمہاری قوم کے لوگوں نے ایسا کیا تاکہ جس کو چاہیں داخلہ کی اجازت دیں اور
جس کو چاہیں روک دیں۔ اگر تمہاری قوم جاہلیت کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی، اور
مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے دل کسی تبدیلی کو قبول نہ کریں گے تو میں حطیم کو بیت اللہ
کی تعمیر میں شامل کر دیتا، اور دَروازہ بھی زمین کے برابر کر دیتا۔ (صحیح بخاری)

مطاف :

مطاف سے مراد بیت اللہ شریف کے چاروں طرف کھلا ہوا صحن ہے جس میں طواف کعبہ کے چکر لگائے جاتے ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ (البقرۃ)

اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ (ہر آلائش سے ہر آلودگی سے اسے پاک صاف رکھو۔ اس گھر کو گندگیوں یعنی پیشاب، پاخانے وغیرہ اور گھنونی چیزوں تھوک وخون کوڑا وغیرہ سے پاک وصاف رکھنا اس کا فرش غبار سے، اس کی دیواریں بدنما دھبّوں سے اور اس کی چھتیں مکڑی کے جالوں سے نہ اَٹی رہیں، بلکہ اُجلا فرش، شفاف آئینہ دار دیواریں اور پاک وصاف چھتیں ہوں تاکہ عبادت کرنے والوں کو دِلجمعی نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں۔ جب ظاہری پاکیزگی کا اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو کفر وشرک کی غلاظت وعفونت سے اسے پاک رکھنا کتنا اہم ہوگا۔ اسی دلیل سے ہر مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے)۔

حضور نبی کریم ﷺ کے ظاہری زمانہ میں مسجد حرام اسی قدر تھی۔ اب منبر اور اذان کی جگہ کو بھی مطاف سے منتقل کر دیا گیا، اس طرح مطاف کی توسیع ہوگئی کہ بڑی تعداد میں لوگ طواف کر سکتے ہیں، آخری توسیع کے دوران مطاف میں ایسا عمدہ پتھر لگایا گیا ہے جو ٹھنڈا رہتا ہے اور دھوپ کی تپش اس پر اثر انداز نہیں ہوتی، اب طواف کرنے والے شدید سے شدید دھوپ میں بھی ننگے پاؤں طواف کر سکتے ہیں۔

مطاف میں زمزم کے تہہ خانہ کی دِیواریں اژدھام کے وقت طواف کرنے والوں کے لئے رکاوٹ بنتی تھیں لہذا تہہ خانے میں داخلہ کی جگہ کو مسعیٰ سے باہر مشرقی صحن میں منتقل کر دیا گیا ہے' اس سے مطاف میں مزید وسعت ہوگئی ہے۔

مسجد حرام اپنے تاریخی ادوار میں ہمیشہ کھلی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبیلہ بنوعبد مناف کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: 'اے عبد مناف کی اولاد ! اگر میرے بعد تم ذمہ دار بنا دیئے جاؤ تو دن رات میں کسی بھی وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے کو نہ روکنا' (مجمع الزوائد)

ملتزم :

بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار کا حصہ ہے اسے ملتزم کہتے ہیں' (یہ حصہ تقریباً دو میٹر ہے)۔ ملتزم کے معنٰی ہیں لپٹنے کی جگہ' یہاں پر لوگ لپٹ لپٹ کر دُعائیں کرتے ہیں اسی وجہ سے اس کا نام ملتزم پڑا۔ اس مقام پر سُنّت یہ ہے کہ بیت اللہ کی دِیوار سے اس طرح چمٹ کر دُعائیں کی جائیں کہ رُخسار' سینہ اور ہاتھ چمٹے ہوئے ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دُعا قبول ہوتی ہے۔ (حصن حصین)

حطیم :

حطیم سے مراد بیت اللہ سے ملحق وہ جگہ ہے جو نصف دائرہ کی شکل میں ہے' یہ حصہ قریش کی تعمیر کے دوران کعبہ سے علحدہ کیا گیا تھا۔

رُکن شامی اور رُکن عراقی کے درمیان مدینہ طیبہ کی جانب قوس کی شکل میں ایک جگہ ہے جو آمد و رفت کا راستہ چھوڑ کر سنگ مرمر کی تقریباً پانچ فٹ بلند دیوار سے گھری

ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کعبہ شریف کی محراب' مدینہ منورہ کی طرف گر گئی ہے۔ مظہر امام اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی　　اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

حدیث شریف میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرا دِل چاہتا ہے کہ کعبہ شریف کے اندر جا کے نماز پڑھوں' تو حضور نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ جب تیرا دِل کعبہ میں داخل ہونے کو چاہے تو یہاں آ کر نماز پڑھ لیا کر' یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے' تمہاری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی اس حصہ کو (خرچ کی کمی کے سبب) کعبہ سے باہر کر دیا۔ (ابوداؤد)

جس کسی کو کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا شوق ہو وہ حطیم کے اس حصہ میں نماز پڑھ لے جو کعبۃ اللہ کی دِیوار کے قریب ہے تو گویا اس نے خانہ کعبہ کے اندر ہی نماز ادا کی ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ میں حطیم میں نماز پڑھوں یا بیت اللہ کے اندر۔

میزابِ رحمت :

کعبہ معظّمہ کی چھت میں ایک سونے کا پرنالہ ہے اسے میزاب رحمت کہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو کعبہ معظّمہ کی چھت کا پانی اسی پرنالہ سے حطیم کے اندر گرتا ہے۔ قریش نے سب سے پہلے بیت اللہ پر چھت بنائی تو اس میں پَرنالہ نصب کیا' ورنہ اس سے قبل نہ چھت تھی نہ پَرنالہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص میزاب رحمت کے نیچے دُعا کرے اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ (درمنثور)

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا اپنے مزار فائض الانوار میں چہرۂ نور بار' میزاب رحمت کی طرف ہے۔ میزاب رحمت کے عین سامنے آپ دیکھیں گے تو مسجد شریف

کے ایک ستون پر بڑے بڑے حروف میں **محمد**ﷺ لکھا ہوا نظر آئے گا۔ اسی کی سیدھ میں 'باب المدینۃ المنورہ' ہے اس سے باہر آ جائیں تو سیدھا مدینہ روڈ ہے۔

مستجاب :

رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان جنوبی دیوار کو مستجاب کہتے ہیں۔ یہاں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے دُعا پر آمین کے لئے مقرر ہیں اس لئے اس کا نام مستجاب رکھا گیا مستجاب یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کے دوران ہر چکر میں یہ دُعا پڑھی جاتی ہے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ۝ وادخلنا الجنة مع الابرار یا عزیز یا غفار یا رب العالمین ۝

اے ہمارے رب ! ہمیں دِین و دُنیا میں بھلائی اور بہتری عطا فرما۔ اور ہم کو جہنم کی آگ سے بچا اور ہمیں جنت میں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرما۔ اے غالب ! اے مغفرت فرمانے والے ! اے تمام عالم کے پروردگار !

زَم زَم :

اسی طرح کچھ تشنگی کو بڑھائیں
کریں آبِ زمزم کے پینے کی باتیں

آبِ زمزم جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ یہ سب سے پہلا انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے بعد اُن کو عطا فرمایا۔ یہ مبارک کنواں بھی اس شہر کے آباد ہونے کا سبب بنا۔ یہ حرم شریف کے احاطہ میں اللہ تعالیٰ کی زندۂ جاوید نشانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایسا چشمہ ہے جس سے ہر زائر سیراب

ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ روئے زمین پر یہ پانی سب سے عمدہ، افضل اور خیر و برکت والا ہے۔ یہ چشمہ ایک مقدس فرشتہ حضرت جبریل امین کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ اسی مبارک پانی سے سرورِ کائنات ﷺ کا قلب اطہر ایک سے زیادہ مرتبہ دھویا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا لعاب دہن اس پانی میں ڈالا۔ اس مبارک پانی میں یہ وصف ہے کہ بھوکے کے لئے کھانا ہے اور بیمار کے لئے شفاء ہے، سَر درد میں مفید ہے، بینائی کو جلا بخشتا ہے، جس کارِ خیر کی نیّت سے اس کو پیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتا ہے۔ اس کو شکم سیر ہو کر پینا ایمان کی علامت اور نفاق سے براءت کی نشانی ہے، نیکوکاروں کا مشروب ہے، احباب و اقرباء کے لئے بہترین تحفہ ہے، ضیافت کے لئے ایک عمدہ چیز ہے، جسم و جان کو توانائی بخشتا ہے، کثیر مقدار میں استعمال ہونے کے باوجود اس میں کمی نہیں ہوتی، تقریباً پانچ ہزار سال سے یہ چشمہ جاری ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ روئے زمین پر یہ سب سے قدیم کنواں ہے۔
(تاریخ مکہ مکرمہ، ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی)

مکہ معظّمہ کا وہ مقدس کنواں جو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے عالم طفولیت میں آپ کے ننھے ننھے مبارک قدموں کی رگڑ سے جاری ہوا تھا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی کے اَرد گرد بند باندھ کر ایک حوض کی شکل دے دی، وہ پانی جوش مار رہا تھا۔ آپ نے خود بھی پیا، بچہ کو بھی پلایا اور پانی کو کہا: 'زم زم' رُک جا۔ اس طرح یہ کنواں وجود میں آیا اور اس کا نام زم زم پڑ گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '**یرحم الله ام اسماعیل لو ترکت زمزم او قال لولم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا**' اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے، اگر آپ زمزم کو اسی طرح رہنے دیتیں یا آپ نے فرمایا اگر آپ اس سے جلدی سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم جاری چشمہ ہوتا۔

یہی چشمہ اب تک جاری ہے جسے کنوئیں کی شکل میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ لاکھوں کڑوڑوں لوگ یہ پانی پیتے ہیں اور تبرکاً کثیر مقدار میں ساتھ بھی لے جاتے ہیں اس کے باوجود کوئی کمی نہیں آئی۔شدت کی گرمی میں بھی یہ کنواں اُبلتا رہتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے آبِ زمزم کے بارے میں فرمایا:

انها مبارکة انها طعام طعم وشفاء سقيم یہ بڑا ابا برکت پانی ہے یہ بھوکے کی غذا اور مریض کی شفایابی کا ذریعہ ہے۔

آب زمزم روئے زمین کا سب سے افضل پانی ہے۔

آب زمزم کا دیکھنا، پینا اور بدن پر ڈالنا ثواب اور بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جس نیّت سے پیا جائے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ زمزم کا پانی خوراک ہے شکم سیری کے لیے، اور شفاء ہے بیماری کے لئے۔(یعنی اسے پینے سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اور وہ کھانے کے قائم مقام ہوتا ہے)

یہ مبارک کنواں مقام ابراہیم سے جنوب میں واقع ہے۔ زمزم کا کنواں پہلے مطاف میں تھا، طواف میں دشواری کی وجہ سے اسے نچلے حصے میں لے جایا گیا ہے۔ الیکٹرک کے ذریعہ اس کا پانی کھینچ کر باہر بنے ہوئے نلوں میں پہونچایا جاتا ہے۔ جس سے آب زمزم کے حصول میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی ہے۔

کہیں حجرِ اسود، کہیں ملتزم ہے　　　کہیں آبِ زمزم کی دھار، اللہ اللہ

زمزم پینے کے آداب : زمزم پینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے پیئے، قبلہ رو ہو، پینے سے پہلے **بسم الله الرحمن الرحيم** پڑھے، اس مبارک پانی کو کھڑے ہوکر پینا مسنون ہے جب کہ عام پانی بیٹھ کر ہی پینا سُنّت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک ڈول آب زمزم لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے کھڑے کھڑے ہی نوش فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

زمزم تین سانس میں پیئے، خوب سیر ہو کر پیئے، پینے کے بعد الحمد للہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ یہ مبارک پانی پینے کے بعد دُنیا و آخرت کی خیر و برکت کی دُعا کرے کہ یہ وقت دُعا کی قبولیت کا ہے۔

نام نہاد اہلحدیث کہتے ہیں کہ یہ اُمور سُنّت سے ثابت نہیں ہیں لہذا ناجائز ہیں :

☆ ثواب کی نیّت سے غار حرا یا غار ثور کا سفر کرنا آثارِ صحابہ سے ثابت نہیں۔

☆ حصول برکت کے لئے آب زمزم میں کپڑے یا کفن بھگونا سُنّت سے ثابت نہیں۔

☆ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کی مٹی کو خاک شفا سمجھنا، اسے کھانا اور اپنے ساتھ لانا سُنّت سے ثابت نہیں۔

(حج و عمرہ کے مسائل۔ محمد اقبال کیلانی، مکتبہ بیت السلام الریاض)

حضور نبی کریم ﷺ نے آبِ زمزم کے بارے میں فرمایا: **انها مباركة انها طعام طعم وشفاء سقيم** یہ بڑا بابرکت پانی ہے یہ بھوکے کی غذا اور مریض کی شفایابی کا ذریعہ ہے۔

نام نہاد اہلحدیث وادی ضلالت کی پستی میں گر چکے ہیں، یہ لوگ ایمان کی لذت سے محروم، آزاد مزاج، آوارہ فکر، بے لگام اور اَدب سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اہلحدیث کے یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے احادیث کی صحت وضعف کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس حدیث کو چاہا ضعیف بنا دیا۔ اہلحدیث کو

اُن کے مزاج وعقیدہ کے خلاف کوئی حدیث شریف دکھائی دے تو من مانی انداز میں ضعیف یا موضوع یا باطل قرار دیکر احادیث مبارکہ کا انکار کر دیتے ہیں لہذا یہی اولین درجہ کے 'منکرینِ حدیث' ہیں۔ اس کی وجہ قرآن خود بتلا تا ہے ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اُن کے دِلوں میں مرض ہے۔ اُنھیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے اُن کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں، سب ضعیف ہی ہیں، صرف قرآن کو مانو۔ (معاذ اللہ)

مقام ابراہیم :

مقام ابراہیم، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیات بینات) میں سے ایک نشانی ہے۔ '(مقام ابراہیم) وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی، تو اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشان پڑ گئے۔ اس مبارک نشان کی برکت سے آج تک وہ پتھر بے نشان نہ ہوسکا، یہاں تک کہ آج کل جو قوم آثار و منسوبات کی دشمن ہے اور ہر ہر برکت والے نشانوں کو مٹا دینے کے دَر پے ہے، وہی قوم اس اثر ابراہیمی کی حفاظت کر رہی ہے۔......الغرض...... کثرتِ اعدا کے باوجود وہ مبارک پتھر محفوظ ہے'۔ (تفسیر اشرفی)

مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے، جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اُونچا ہوتا جاتا تھا۔ یہ پتھر آپ کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہو جاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ کے قدموں کو تکلیف نہ ہو، اسی لئے آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے۔ یہ اُس پتھر کی کرامت، رب تعالیٰ کی قدرت کا ظہور اور قدمِ ابرہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

بزرگوں کی چیزوں کی تعظیم کرنا اور اس سے برکت لینا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ساری اُمت کا اس پر عمل۔ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے اس کی یہ تعظیم صرف اسی

لئے نہیں ہے کہ وہ جنتی ہے بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پر قدمِ خلیل علیہ السلام پڑے ہیں اسی لئے زمانہ ابراہیمی سے پہلے اس کی وہ تعظیم نہ ہوتی تھی جواب ہے کہ تمام لوگوں کے سَر مقامِ ابراہیم کی طرف جھکتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے اس پتھر کو مقام ابراہیم کہا' نہ کہ جنت کا پتھر۔ تا کہ معلوم ہو کہ اس پتھر کی تعظیم وتوقیر اس لئے ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا جائے قیام ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور اُن سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاؤں سے چُھو جانے کا شرف حاصل ہو وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ اُمتِ مصطفوی (ﷺ) کو حکم دیا جارہا ہے کہ اُسے اپنی جائے نماز بنائیں۔

مقام ابراہیم کے قریب نماز ادا کرنا اس کی عظمت اور شرف کی وجہ سے ہے' اس کی عظمت اور شرف کا لحاظ عین نماز میں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صاحب لولاک ﷺ کی عظمت اور شرف سب عظمتوں سے بڑھ کر ہے اس لئے نماز کی حالت میں حضور سید الاکرمین ﷺ کی عظمت کا لحاظ نماز کو مزید محبوب تر اور کامل تر بنا دے گا۔

کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر جبل بوقبیس پر سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ جب آپ کھڑے ہوئے تو یہ پتھر (مقام ابراہیم) بلند ہوا حتیٰ کہ تمام پہاروں سے بلند ہو گیا۔ پس آپ نے نیچے دیکھا اور فرمایا: اے لوگو اپنے رب کا حکم قبول کرو' پس لوگوں نے اس کو قبول کیا۔ پس لوگوں نے کہا **لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ**' پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اثر اس پتھر پر تھا جب اللہ نے ارادہ فرمایا تھا۔ پس آپ دائیں بائیں دیکھتے تھے اور کہتے تھے لوگو! اپنے رب کا حکم قبول کرو۔ اے اللہ کے بندو حج کے لئے آؤ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاَذِّنْ فِیْ النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴾ (الحج/۲۷) اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کردے' اور تیرے پاس حاضر ہوں گے' پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ ہر دُور کی راہ سے آتی ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس آواز کو اللہ کے حکم سے زمین و آسمان' مشرق ومغرب' شمال وجنوب میں رہنے والی مخلوق نے سُنا۔ یہ آواز سارے عالم میں گونج گئی۔ نہ صرف دُنیا میں موجود انسانوں کے کانوں تک یہ دِلرُبا اور ایمان افروز آواز پہنچی بلکہ عورتوں کے ارحام اور مردوں کے اصلاب میں جو بچے تھے انہوں نے بھی یہ آواز سُنی۔ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی رُوحوں نے بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ اعلان سُنا۔ جس نے اس دعوتِ ابراہیمی پر لبیک کہی' اُسے ہی حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ جتنی بار جس نے لبیک کہی' اتنی بار وہ حج کرے گا۔ (تاریخ مکہ' روح البیان)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اِس آواز کو معجزہ بنادیا' اس لئے یہ آواز پوری کائنات میں پھیل گئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد اُن تمام لوگوں نے لبیک کہا جنھیں بھی حج کرنا تھا۔ جس کو جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی مرتبہ ہی لبیک کہہ دیا، ماؤں کے رَحموں میں آباء کی پشتوں میں سے تا قیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔ (تفسیر نعیمی)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک بار فرمادیا کہ حج کے لئے آؤ' تا قیامت اس کے جواب میں 'لبیك' کہا جائے گا۔

حضور ﷺ نے ایک دفعہ حج وداع کے موقعہ پر پوچھا کہ تم رب سے میرے متعلق کیا کہو گے؟ اب تا قیامت مسلمان کہتے ہیں یارسول اللہ ﷺ آپ نے تبلیغ کردی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جب مقام ابراہیم کی عظمت کو بیان کیا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ہم اس کے پیچھے نماز ادا کرلیا کریں؟ (جب یہ پتھر اتنا معظم ہے تو ہم اسے مصلیٰ کیوں نہ بنالیں؟ یعنی اس کے سامنے کھڑے ہوکر کعبہ کو رُخ کر کے نماز کیوں نہ پڑھیں) تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا (وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی) تب آفتاب ڈوبنے سے پیشتر ہی اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہوگیا۔ (تفسیر مدارک واحمدی)

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ/۱۲۵)

اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کونماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اُتریں۔ اس آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نہ تو برکات بزرگان کے خلاف تھے نہ انہیں مٹانا چاہتے تھے۔ دیکھو مقام ابراہیم جو ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور ان کا تبرک ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے سے عظمت والا اور مصلیٰ بنا۔ بیعۃ الرضوان کا درخت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت گم ہوگیا تھا' لوگوں نے دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی۔ آپ نے اس غلط فہمی کو دُور کرنے لئے وہ دوسرا درخت کٹوایا۔ (دیکھو بخاری شریف)

حضور ﷺ فرماتے ہیں **اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله** مومن کی دانائی وفراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

غالبًا اسی حدیث کے مفہوم کو علامہ اقبال نے یوں بیان فرمایا ہے:

تقدیرِ اُمم کیا ہے' کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہوتو کافی ہے اشارہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: **لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب** (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے)۔

حضور سید عالم ﷺ کے زمانہ ظاہری جس میں نزولِ قرآن ہوا کرتا تھا اُس مبارک ومقدس زمانے میں بھی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجاویز' رائے ومشوروں اور فیصلوں کو حضور ﷺ کی تائید و پسندیدگی حاصل تھی اور قرآن مجید میں کئی مقامات پر تجاویز مشوروں اور فیصلوں کی حمایت وتائید میں آیات کا نزول ہوا ہے۔

مقام ابرہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ پتھر معظم ہے ہم اسے کیوں نہ مصلّٰی بنالیں؟ یعنی اس کے سامنے کھڑے ہو کر کعبہ شریف کو رُخ کر کے نماز کیوں نہ پڑھیں؟ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ تب آفتاب ڈوبنے سے پیشتر ہی آیت کریمہ۔ ﴿**وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى**﴾ نازل ہوگئی۔ ('اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ')

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نیک واَحسن رائے اور تجویز کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی خواہش کے مطابق تائید میں آیت کریمہ نازل فرمائی۔

جنگ احزاب سے بیشتر تک عام معاشرہ کا یہ حال تھا کہ مسلمان عورتیں اپنی پوری زِینت اور آرائش کے ساتھ بے حجاب پھرتی تھی۔ مسلم گھرانوں میں غیر مَردوں کے داخلہ پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ بے حجابی اور بے حیائی کا دَور دَورہ عام تھا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ مسلمان عورتیں گھروں میں ٹھہری رہیں اوراُن پر پَردہ کی پابندی عائد کی جائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے یہ گذارش کی کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے اچھے بُرے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں' کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ﷺ انہیں پَردہ کا حکم صادر فرما دیں ...... **فانزل الله اٰية الحجاب** اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی اس خواہش پرآیۂ حجاب (پَردہ کے حکم والی آیت) نازل فرمائی۔

شرک اور تبرک کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ تبرک' اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی قدرت پر ایمان کو پختہ کرتا ہے اور اعمال صالحہ کے آثار کے باقی وجاری رہنے پر دلالت کرتا ہے۔

اہلِ ایمان ہمیشہ سے آثار مبارکہ (تبرکات) مقدس مقامات (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں) کی زیارت کو اپنی خوش نصیبی یقین کرتے ہیں۔

مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کے یہ معنٰی ہیں کہ اس کو سامنے لے کر طواف کے نفل ادا کرو جیسا کہ آج بھی حاجی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر کو نبی کی قدم بوسی حاصل ہو جائے اس کی عظمت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز کی حالت میں غیر اللہ کی تعظیم جائز ہے کہ مقام ابراہیم کا احترام نماز میں ہوتا ہے لہذا عین نماز کی حالت میں حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم نماز کو ناقص نہ کرے گی بلکہ کامل بنائے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پتھر نبی کے قدم لگنے سے عظمت والا ہو گیا تو حضور نبی کریم ﷺ کے ازواج مطہرات واصحاب کرام کی عظمت کا کیا پوچھنا ہے۔اس سے تبرکات کی تعظیم کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام کا مقام کس قدر بلند ہے اور آثار انبیاء سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب 'آثار مبارکہ اور تبرکات نبوی ﷺ)

مسئلہ : مقام ابراہیم پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔
طواف کعبہ کے بعد طواف کی رکعتیں اسی مقام ابراہیم کے پیچھے (دو رکعت) نماز پڑھو' طواف کعبہ کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کعبہ کی دو رکعت مسجد حرام میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا جائے۔
(تفسیر بتیان القرآن' شارح بخاری ومسلم علامہ غلام رسول سعیدی)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک یہ پتھر کعبہ کی دیوار سے متصل اپنی اسی قدیم جگہ پر جہاں اسے استعمال کیا گیا تھا رکھا رہا پھر آپ نے اُسے دیوار سے تھوڑا سا ہٹا دیا تا کہ طواف کعبہ کرنے والے اور اس کے نزدیک نماز ادا کرنے والوں کے لئے باعث رکاوٹ نہ ہو۔ (قصص الانبیاء)

اب اس پتھر کو دروازہ کعبہ کے سامنے ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے جسے ہر حاجی اور عمرہ ادا کرنے والا طواف کے دوران بآسانی دیکھتا ہے۔

مقام ابراہیم کی فضیلت :

۱۔ سب سے بڑا شرف اس پتھر کو یہ حاصل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس پتھر کے قریب نماز کی جگہ بنالیں' چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے میرے دِل کی آرزو پوری کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا اچھا ہوا گر آپ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں؟ اور آیت شریفہ ﴿**وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى**﴾ نازل ہوگئی۔ (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ (صحیح بخاری)

۲۔ **جنت کا یاقوت :** اس مبارک پتھر کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ' حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ان کی چمک اور نورانیت کوختم نہ کیا ہوتا تو ان کی چمک سے مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ روشن ہو جاتا' بیہقی کی ایک روایت میں ہے'اگر بنو آدم کے گناہوں نے ان کو آلودہ نہ کیا ہوتا تو یہ مشرق سے لیکر مغرب تک ہر چیز کو روشن کر دیتے ۔ (السنن الکبریٰ)

۳۔ قبولیت دُعا کی جگہ : مقام ابراہیم وہ جگہ ہے جہاں دُعائیں قبول ہوتی ہیں ۔حضرت حسن بصری اور دیگر علماء سے منقول ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے دُعا قبول ہوتی ہے۔ (رسالۃ الحسن البصری)

۴۔ واضح نشانیاں: اس'مقام ابراہیم' میں اللہ تعالیٰ کی واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں' یہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا زندۂ جاوید معجزہ ہے کہ صدیوں سے یہ پتھر باقی ہے اور اس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشانات نہیں مٹے' ارشادِ ربانی ہے : ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ﴾ بیشک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے عبادت کے لئے مقرر ہوا ہے جو مکہ میں ہے' وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں (منجملہ ان کے ایک) مقام ابراہیم ہے ۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشانات پتھر جیسی سخت چیز پر ظاہر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص ومؤمن بندہ کے لئے ہر چیز مسخر فرما دیتا ہے ۔

حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں' دیکھو اب کسی شقی القلب کو پتھر سے تشبیہ نہ دینا۔ پتھر تو بڑا ہوشیار ہے رسول کی محبت میں نرم ہے ۔ جہاں رسول نے قدم رکھ دیا اُس نے نشان لے لیا وہ پتھر سے بدتر ہے جو رسول کی محبت کا نقش نہ رکھے' ۔

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاؤں مبارک آپ کے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک سے بہت زیادہ مشابہ تھے جیسا کہ ایک صحابی حضرت جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ جو کعبہ کی تعمیر قریش اور تعمیر ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے قدمین شریفین کے نشانات مقام ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے بہت مشابہ تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ 'رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں ابراہیم علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

۵۔ مقام ابراہیم کی بلندی بنائے کعبہ کے وقت : مقام ابراہیم کی موجودہ بلندی صرف ۲۰ سنٹی میٹر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور معجزہ ابراہیمی تھا کہ کعبہ شریف کی تعمیر جیسے جیسے اُوپر کی جاتی یہ پتھر معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُوپر اُٹھاتا جاتا تا آنکہ اس مبارک گھر کی تعمیر پوری ہوگئی۔ (فضل الحجر الاسود ومقام ابراہیم)

اس دَور میں الیکٹرک لفٹ سسٹم سے اس کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

۶۔ اس مبارک پتھر کا تحفظ و بقا :

اللہ تبارک و تعالیٰ کو جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اعمال' اداؤں اور سُنّتوں کو باقی وَ قائم رکھنا منظور تھا اسی طرح اس نشان (مقام ابراہیم) کا بھی باقی رکھنا منظور تھا اس لئے یہ محفوظ ہے جب کہ اس کی چوری کی بھی بہت کوششیں ہوئیں نیز ہزاروں سال کی طویل مدت میں نہ جانے کتنی مرتبہ زبردست قسم کے سیلاب اور طوفان بھی آئے مگر 'جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے' کے مصداق یہ مقدس مقام ابراہیم قائم ہے۔ جب کہ زمانہ ماضی میں اس کی حفاظت کا کوئی ظاہری انتظام نہ تھا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مقام ابراہیم سیلاب کی نذر ہوگیا

جب پانی خشک ہوا تو مکہ کی نشیبی جگہ میں مل گیا' اُسے اُٹھا کر لایا گیا پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے مقام ابراہیم کو اس کی اصل جگہ پر رکھا۔ (الجامع اللطیف)

۷۔ شرک سے حفاظت : زمانہ جاہلیت میں عرب پتھروں کو پوجتے تھے لیکن کسی نے بھی حجر اسود یا مقام ابراہیم کی پرستش نہیں کی باوجود یکہ کفار ومشرکین کے دِلوں میں ان دونوں پتھروں کی عظمت جاگزیں تھی گویا اللہ تعالیٰ نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کو ہر قسم کی پرستش و پوجا سے محفوظ رکھا۔

مقامات مقدسہ کے متبرک پہاڑ :

نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلد وہابی) متبرک پہاڑوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ' ممنوع اور ناجائز تبرکات میں سے پہاڑوں اور دیگر مقامات سے تبرک کا حصول بھی ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے ان پہاڑوں اور جگہوں سے تبرک کے حصول سے اُن کی عظمت ثابت ہوتی ہے'
> (البدعة واثرها السيّئ /۷۸ طاہر نصار عزیز' مکتبہ بیت السلام الریاض)

> ' لہذا جگہوں' نشانیوں اور زندہ ومُردہ آدمیوں سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ یہ اعتقاد رکھے کہ یہ چیز برکت عطا کرسکتی ہے تو وہ شرک ہے اور اگر اس اعتقاد سے کرتا ہے کہ اس کی زیارت' اُسے چھونا اور چھو کر مسح کرنا اللہ کی طرف سے حصول برکت کے سبب ہیں تو شرک کا وسیلہ ہے'
> (البدعة واثرها السيّئ /۸۱ طاہر نصار عزیز' مکتبہ بیت السلام الریاض)

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو حضور نبی کریم ﷺ

سے کچھ علاقہ ہو، حضور انور ﷺ کی طرف منسوب ہو، حضور انور ﷺ نے اُسے چھوا ہو یا حضور انور ﷺ کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، ان سب کی تعظیم کی جائے۔

بد باطن غیر مقلدین کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ متبرک پہاڑ جنھیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات کہا گیا ہے (مقام ابراہیم، صفا ومروہ، حجر اسود، جبل نور۔ غار حراء، جبل ثور، جبل احد، جبل بوقبیس، جبل عرفات، مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کی دیگر مقدس پہاڑیاں) اُن کی عظمت کو ثابت نہیں کرنا چاہئیے۔ غیر مقلدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں (پہاڑوں اور مقدس مقامات) کی نہ ہی زیارت جائز ہے اور نہ ہی اُن سے تبرک کا حصول جائز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کو شرک اور شرک کا وسیلہ قرار دیتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (شعائر اللہ) کی تعظیم کو دِلوں کا تقویٰ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج/۳۲)

جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آثار مبارک) کی تعظیم کرے وہ دِلوں کا تقویٰ ہے۔ جو شخص رب کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ شخص متقی ہے۔

جن چیزوں سے حق اور باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں صفا ومروہ کی پہاڑیوں، قربانی کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے نشان کہا گیا ہے اور ان کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا گیا ہے۔ جب یہ چیزیں شعائر اللہ ہیں تو مدینہ طیبہ اور اس کے گلی کوچے، اولیائے کرام اور اُن کے آثار اور اُن کے مزارات پُر انوار کیوں شعائر اللہ میں داخل نہیں۔ شرک کی مذمت کے بعد شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کو دِل کے تقویٰ کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبانِ الٰہی اور اُن کے آثار کی تعظیم واحترام شرک نہیں

جس طرح آج کل بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ جذبہ خدا ترسی کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ کی دلیل ہے کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا جس چیز سے تعلق ہوتا ہے وہ بھی پیاری لگتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق نہ کرنا اور تعظیم کو عبادت شمار کرنا اور اُسے شرک کہنا قرآن فہمی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم' اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی۔ شعائر اللہ کی تعظیم کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے ارشاد ربّانی کی رُو سے وہ لوگ جو شعائر اللہ کا کمال درجہ احترام اور تعظیم کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور یہ تقویٰ اُن کے دلوں کے اندر جاگزیں ہے۔ دِلوں کا تقویٰ عبادت ہے اور عبادت توحید ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دِلوں کا تقویٰ میری توحید بھی ہے اور میری عبادت بھی۔ پس جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔

وہ خوش قسمت بندہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اپنے عمل' قول' اقرار' پابندی اور استقامت' خوش اسلوبی' اَحسن طریقے اور ادب و احترام کر کے تو بیشک یہ تعظیم دِلوں میں تقویٰ پیدا کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو بڑا سمجھنا ہی دِل کی گہرائیوں کا تقویٰ ہے۔ شعائر اللہ ہر وہ چیز ہے جس کی تعظیم وعزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جائے۔ شعائر اللہ کا معنیٰ ہوا کہ وہ چیز اور وہ شخصیات جن کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی ذات صفات' قدرت کمال کی معرفت حاصل ہو۔ شعائر کا اصطلاحی معنیٰ ہے محبوب اور پسندیدہ اور ضروری اشیاء وشخصیات۔ قرآن مجید اور متعدد احادیثِ مقدسات میں پانچ قسم کی چیزوں کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے۔

۱۔ اعمال : مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' عمرہ و دیگر عبادات۔

۲۔ یادگار اوقات : ان عبادات کی شمسی ساعتیں' قمری تاریخیں' قمری مہینے' شمسی ایام'

۳۔ مقامات : مثلاً کعبہ معظّمہ' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' منیٰ' مزدلفہ' عرفات' دُنیا بھر کی مسجدیں' صفامروہ' بیت المقدس' چشمہ زمزم' مزارات اولیاءاللہ وَصحابہ کرام

۴۔ شخصیات : مثلاً انبیاءعلیہم السلام' صلحاء' علماء' مجتہدین

۵۔ اشیاء : مثلاً قرآن مجید' حدیث پاک' حج کی ھدیٰ' بُدنہ جانور اور ذبیحہ جانور' آب زمزم۔

تمام شعائراللہ کی تعظیم جداگانہ ہے۔

نماز کی تعظیم یہ ہے کہ ہرطرح پاکیزہ ہوکر باطمینان خوش دِلی سے مکمل وصحیح ادا کرنا۔ صیام کی تعظیم یہ کہ پابندی سے ادا کرنا مکروہات وممنوعات سے بچانا' فحش کلامی' بدلگامی سے بچنا ...... حج وعمرہ کی تعظیم یہ کہ خوفِ الٰہی کے ساتھ حاضری' ارکان پوری ترتیب سے ادا کرنا' ممنوعات سے بچتا رہنا ...... زکوٰۃ کی تعظیم یہ کہ پورے حساب سے ہر سال کے بعد مستحقین کو دینا ...... اوقاتِ عبادت کی تعظیم یہ ہے کہ ہر منٹ کا خیال رکھ کر مستحب وقت میں عبادت کرنا' نہ پہلے جلد بازی سے نہ بعد میں غفلت سازی سے ...... کعبہ کی تعظیم یہ ہے کہ طواف' نماز سجدہ رکوع ہرطرح پاکیزہ ہوکر اُسی کی طرف کرنا' کعبہ کی طرف پاؤں نہ پھیلانا ......حرم کی تعظیم یہ کہ ممنوعات سے بچو' نہ حیوانات کو ستاؤ نہ نباتات کو اُکھیڑو ...... مساجد کی تعظیم یہ ہے کہ ان کو پاکیزہ آباد اور مزین رکھو' خوشبو لاؤ' بدبو سے بچاؤ ...... صفا ومروہ کی تعظیم یہ ہے کہ یادگارِ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مناتے ہوئے پاکیزہ ہوکر سعی کرو۔ پاکیزگی رکھو' گندگی نہ پھیلاؤ وہاں رہائشی بستر نہ لگاؤ ...... مسجد نبوی اور بیت المقدس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کی زیارت کرو اور خوب عبادت کرو...... آب زمزم کی تعظیم یہ ہے کہ کوئیں کی حفاظت کرو پانی کھڑے ہوکر پیو' اس سے گندگی صاف نہ کرو' نہ استنجا نہ جنابت' خوب جی بھرکر پیو' اس کے پاس جانا اس میں جھانکنا اور اس وقت دُعائیں مانگنا یہ سب اس کی تعظیم ہے

......منٰی کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں حج کے واجبات ادا کرو' کھیل تماشوں لغویات سے بچو ......عرفات کی تعظیم یہ ہے کہ سارا دن عبادت ودُعاؤں' ذکر الٰہی' نعتِ مصطفائی میں گزارنا......مزدلفہ کی تعظیم یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کے وقت پڑھواور ساری رات ذکرِ الٰہی کرو صرف تہجد بنانے کے لئے تھوڑی دیر سونا' مشعر الحرام کے پاس ذکر وتلاوت کرنا......مزارات کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں جا کر تلاوت' دُعائیں' وسیلہ کی التجائیں' ایصال ثواب کی ادائیں' اپنی بخشش کی فریادیں رب تعالیٰ سے کرنا' وسیلہ صاحبِ مزار کا پکڑنا' محرمات وممنوعاتِ شریعت سے بچنا' قبور کو بت نہ بنانا' سجدۂ تعظیمی کو حرام سمجھنا کیونکہ یہ ہر شریعت میں حرام ہی رہا...... انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم یہ ہے کہ انھیں خالق کا بندہ اور خلق کا آقا کہو۔ اُن کے ہر قول کی اطاعت' ہر فعل کی اتباع کرو اس لئے کہ ان کی اطاعت متقی بناتی ہے اور ان کی اتباع محبوب......قرآن مجید کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو سمجھنا' اُس کی تلاوت' اُس کی تعلیم' اُس کا مکمل قانون نافذ کرنا' عوام اپنے جسم پر خواص اپنے معاشرے پر' حکومت اپنے ملک پر نافذ کرے۔ قرآن کریم کا قولی' عملی ادب کرنا' بلند جگہ سب سے اُوپر رکھنا' نہ اُس طرف پاؤں کرنا نہ پیٹھ...... حدیث پاک کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو قرآن حکیم کی تفسیر سمجھنا' اُس کے سامنے اپنی عقلوں کو معدوم کر لینا کیونکہ قرآن مجید محفوظ ہے اور حدیث پاک معصوم ہے۔ اس کی طرف بھی پاؤں اور پیٹھ نہ کرنا۔ ادب سے ہر چیز کے اُوپر رکھنا کیونکہ کائنات میں قرآن مجید کے بعد حدیث پاک کا درجہ ہے......حج اور قربانی کے جانور کی تعظیم یہ ہے کہ اُس کی دیکھ بھال' حفاظت' خوراک' صحتِ عمر کا ہر طرح خیال رکھنا' بلاضرورت اس سے کوئی نفع نہ لینا' نہ ستاؤ نہ مارو' نہ بھگاؤ نہ تھکاؤ' قیمتی اور خوب صورت خریدو۔ (حج اور قربانی کے جانور خرید کر پھر بیچنا منع ہے کیونکہ

اسی نیّت سے خریدتے ہی وہ شعائر اللہ بن جاتا ہے اور شعائر اللہ کو بیچنا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف ہے لہٰذا گناہ ہے۔ شعائر اللہ ہونا مثل وقف ہے جس طرح **وقف للہ** کو تبدیل کرنا منع ہے اسی طرح تبدیلی شعائر اللہ بھی منع ہے)۔

یہ تمام تعظیمات ہر مسلمان پر واجب' ان کی خلاف ورزی گستاخی ہے اور گستاخی بے دینی ہے اور ہر بے دینی گمراہی ہے۔ تعظیم سے تقویٰ' تقوے سے خشیت' خشیت سے مخافت' مخافت سے حکمت' حکمت سے ولایت' ولایت سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ **لکم فیھا منافع** اے تعظیم کرنے والو ! تمہارے لئے ان تعظیماتِ شعائر اللہ میں دینی' دُنیوی' اُخروی بے شمار فائدے ہیں۔ عادتِ تعظیم کی وجہ سے نفع ہی نفع ہے۔ بےادب گستاخ کو نقصان ہی نقصان ہے۔

تعظیم سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اصل تقویٰ دِل سے ہے باقی تقوے اُس کی فرع ہیں۔ دِل کا تقویٰ سب سے بڑا ہے۔ اگر دِل کا تقویٰ نہیں تو کوئی بھی تقویٰ نہیں ملتا' نہ عقل کا نہ جسم کا نہ اعضاء کا۔ اور قلبی تقویٰ صرف تعظیم وَادب سے ملتا ہے۔ اگر تعظیم نہ ہوتو کسی عبادت سے کوئی تقویٰ نہیں ملتا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو ہرگز نہ چومتا' (بخاری شریف) اس لئے حجر اسود کا یہ ادب ہے کہ اگر اُس سے ہاتھ مس نہ ہوسکے تو اپنی ہتھیلیوں کو حجر اسود کے سامنے کر کے اپنے ہاتھ ہی چوم لئے جائیں' یہ نسبت کا کمال ادب ہے۔

اہلِ ایمان ہمیشہ سے آثار مبارکہ (تبرکات) مقدس مقامات (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں) کی زیارت کو اپنی خوش نصیبی یقین کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو سفرِ اسراء ومعراج کے موقع پر بیت المقدس کے اطراف جو بابرکت مقامات اور قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور

آیات بینات ہیں اُن کی زیارت کروائی۔ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ (الاسراء۔بنی اسرائیل/۱)

(ہر عجز و ناتوانی اور عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے کو سیر کرائی' رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام (کعبۃ اللہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک۔ بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح (اطراف) کو تاکہ ہم دِکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ بیت المقدس کے گرد و نواح (اطراف) کے علاقے بابرکت ہیں اور وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں (آیات بینات) ہیں لہذا مقدس مقامات اور تبرکات کی زیارت کروانا سُنّت الٰہی ہے اور ان آثار مبارکہ کی زیارت کرنا سُنّت نبویﷺ ہے۔آثار مبارکہ کو چومنا اہل ایمان کا طریقہ ہے۔

نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) مقام ابراہیم' حطیم' مسجد حرام اور متبرک پہاڑوں کی عظمت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'مقام ابراہیم' حطیم اور مسجد حرام کی کسی دیوار کو چھونا جائز نہیں اور نہ ہی حراء پہاڑی جسے جبل نور بھی کہا جاتا ہے سے تبرک لینا جائز ہے نہ اس کی زیارت مشروع ہے نہ ہی اُس پر چڑھنا اور نماز کی غرض سے اُس کا قصد کرنا جائز ہے اس طرح جبل ثور (غارِ ثور) سے برکت حاصل کرنا اور اُس کی زیارت کرنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی جبل عرفات (جبل رحمۃ)' جبل بوقبیس (جس مقدس پہاڑی پر معجزہ شق القمر ہوا' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اسی پہاڑی سے ہلال دیکھا کرتے تھے) اور جبل شبیر وغیرہ کی زیارت کرنا مشروع ہے اور نہ ہی عہد نبوی سے معروف

گھروں سے برکت حاصل کرنا جائز ہے خواہ دارارقم ہو یا دیگر بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اسی طرح کوہ طور (جس پہاڑی پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا) کی زیارت کرنا اور اس کے لئے سفر کرنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی کسی بھی قسم کے درختوں اور پتھروں سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے'

(**البدعة واثرها السیّئ** /۷۹ طاہر نصار عزیز' مکتبہ بیت السلام الریاض)

نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین مزید کہتے ہیں:

'وہ جگہیں جس پر آپ اپنے مبارک قدموں سے چلے ہیں اور جہاں نمازیں پڑھیں آپ کی اُمت کے لئے اُسے چھونا یا بوسہ دینا مشروع نہیں'۔

(**البدعة واثرها السیّئ** /۸۲۔ طاہر نصار عزیز' مکتبہ بیت السلام الریاض)

مسعیٰ (صفا اور مروہ):

مسعیٰ کی لمبائی 394.5 میٹر چوڑائی 20 میٹر

پہلی منزل کی بلندی 11.75 میٹر دوسری منزل کی بلندی 8.5 میٹر

صفا : صفا ایک پہاڑ ہے جو کعبہ معظّمہ کے جنوب میں واقع ہے اور یہیں سے سعی شروع ہوتی ہے' صفا پہاڑی' اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (دِین کی یادگاروں) میں سے ہے۔

ہے وہی منظرِ جمیل میری نگاہِ شوق میں جیسے کھڑا ہوا ہوں میں کوہِ صفا کے سامنے

مروہ : صفا کے سامنے یہ پہاڑ واقع ہے۔ مروہ پہاڑی بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (دِین کی یادگاروں) میں سے ہے۔ صفا سے مروہ تک پہنچنے پر سعی کا ایک چکر ختم ہوتا ہے اور ساتواں چکر یہیں 'مروہ' پر ختم ہوتا ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان 394.5 میٹر کا لمبا راستہ ہے جو سنگ مرمر کے ستونوں اور دیواروں پر دو منزلہ بنایا گیا ہے اور زمین پر بھی سنگ مرمر بچھا دیا گیا ہے جس سے حاجیوں کو سعی میں بڑی سہولت ہو گئی ہے۔

نظر آئیں جب موج در موج جلوے بہ اوقاتِ سعیِ صفا یاد رکھنا

سعی : صفا وَ مروہ دونوں پہاڑوں کے درمیان مخصوص وَ مقررہ طریقہ سے سات چکر لگانا۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوتا ہے۔اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوتا ہے لہذا مروہ پر سات چکر پورے ہوں گے۔ سعی (صفا ومروہ) حج اور عمرہ کے اہم ارکان میں سے ہے۔حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سُنّت ہے جس کی ادائیگی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے بھی اس سُنّتِ ابراہیمی پر عمل فرمایا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اعمال حج ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو سعی کے مقام پر شیطان آڑے آیا اور سعی میں مزاحمت کی لیکن آپ ہی اس پر سبقت لے گئے۔ (مجمع الزوائد)

سعی کے دوران دُعاؤں کا اہتمام مسنون ہے۔سات چکروں کی کوئی مخصوص دُعا نہیں، جو چاہیں اور جس زبان میں چاہیں دُعائیں مانگیں۔

میلین اخضرین (سبز لائٹ والے کھمبے) : صفا ومروہ کے درمیان جتنی جگہ میں مردوں کو دوڑنا سُنّت ہے اس کے دونوں کناروں پر حاجیوں کی سہولت کے لئے سنگ مرمر کے دو سبز ستون دائیں بائیں لگا دیئے گئے ہیں۔ چھت پر بھی سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔اسی کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔

سعی کے دوران عورتوں کو دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ حیاء کا خیال ضروری ہے۔ بعض عورتیں نہایت بے باکی سے سعی کرتی ہیں کہ لوگوں کے سامنے اُن کی کلائیاں اور گلا کھلا رہتا ہے یہ حرام ہے اور بعض تو حجرِ اسود کا بوسہ لینے کے لئے مَردوں میں گھس جاتی ہیں اُن کا بدن مَردوں کے بدن سے مَس ہوتا رہتا ہے۔ مکہ معظّمہ میں گناہ ومعصیت دوسری جگہ سے سخت تر ہے کہ یہاں جس طرح ایک نیکی لاکھ کے برابر ہے یوں ہی ایک گناہ بھی لاکھ گناہوں کے برابر ہے لہذا جن حجاج کے ساتھ عورتیں ہوں انھیں خاص کر ایسی حرکتوں سے عورتوں کو منع کرنا چاہیئے۔

(☆) صفاومَروہ : ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ/۱۵۸)
بیشک صفا ومروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (دِین کی یادگاروں' ادب گاہوں)
میں سے ہیں۔

احناف کے نزدیک صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا حج وعمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بُت نصب تھے۔ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بُت رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں تو حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) کی پیروی میں دوڑنا ہے تمہیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ مکرمہ کی سُنّت کو ترک کردو۔ مسلمانوں کے دل میں جو نفرت تھی اس کو اس حکیمانہ انداز سے دور فرمادیا' یعنی کوئی حرج نہیں بیشک صفا ومروہ میں دوڑ لگالیا کرو۔ اور اس کا واجب ہونا حدیثِ پاک سے ثابت ہوا۔

صفا ومروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا دوڑی تھیں' اُن کے پائے مبارک کی برکت سے ان پہاڑیوں کے درمیان زمین بھی ایسی برکت والی ہوگئی کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والے اس کا چکر لگانے لگے (سعی کرنے لگے)۔ اور اس نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں قرار دیا' حالانکہ یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نشانیاں ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوب بندے جن راہوں سے گزر جاتے ہیں وہ راہیں بھی مقدس ومتبرک ہوجاتی ہیں۔

اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس چیز کو صالحین سے نسبت ہوجائے وہ عظمت والی بن جاتی ہے۔ صفا وَ مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم کی برکت سے اللہ کی نشانی بن گئے۔ دوسرے یہ کہ معظم چیزوں کی تعظیم وَ توقیر دِین میں

داخل ہے اسی لئے صفا وَ مروہ کی سعی حج وَ عمرہ میں شامل ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ برکت والے مقام پر اگر گناہ ہونے لگے تو گناہوں کو مٹاؤ مگر ان مقامات کو معظم سمجھو کہ یہ دونوں پہاڑ باوجود بُت رکھے جانے کے اسلام میں عظمت والے ہیں۔

رُوح البیان ومعانی نے کہا کہ صفا کو اس لئے صفا کہتے ہیں کہ وہاں صفی اللہ آدم علیہ السلام نے قیام فرمایا تھا یعنی صفی کا جائے قیام۔ اور مروہ پر امرأۃ یعنی حوّا نے قیام کیا۔تو گویا مروہ دراصل مرأۃ تھا یعنی ایک بی بی کا جائے قیام۔ شعائر سے ہر وہ چیز مراد ہے جن کی تعظیم رب کی عبادت کی نشانی ہو۔ لہذا وہ جگہ اور وقت اور وہ علامات جو دین کی نشانیاں ہوں سب شعائر اللہ ہیں۔ کعبہ' عرفات' مزدلفہ' صفا' مروہ' غار حراء' غار ثور' احد پہاڑ' منٰی' مسجدیں' بزرگانِ دین کے مقابر وغیرہ۔ ایسے ہی رمضان' عید' جمعہ وغیرہ۔ ایسے ہی اذان' تکبیر' جماعت' نماز' ختنہ' ڈاڑھی وغیرہ شعائر دین یعنی دین کی پہچانیں۔ قرآن کریم نے بتایا کہ اسلام میں بہت سی چیزیں شعائر اللہ ہیں۔صفا ومروہ کی طرح جس کو مقبول بندوں سے نسبت ہو وہ شعائر اللہ ہے۔

اگر معظم جگہ کچھ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو اس سے اس جگہ کی عزت نہ گھٹے گی اور نہ اُس جگہ کو مٹایا جائے ...... لہذا بُزرگانِ دین کے مزارات پر عرس وغیرہ میں ناجائز کام بھی ہوتے ہیں جب بھی قبروں کو نہ مٹاؤ جیسے کہ اسلام نے بُت پرستی کی وجہ سے خانہ کعبہ یا صفا ومروہ کو نہ مٹایا۔ ہاں کوشش کرو کہ وہاں سے ناجائز چیزیں مٹ جائیں۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے فتح مکہ فرما کر صفا ومروہ بلکہ خود بیت اللہ شریف سے بُت نکال دیئے۔ اگر مسجد میں کُتّا آجائے تو کُتّے کو نکالو' مسجد نہ گراؤ۔ شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی خرافات اور غیر شرعی رسومات ہوتی ہیں' نکاح کو حرام قرار نہ دو بلکہ خرافات وناجائز رسُومات کو ختم کردو۔

ناجائز کاموں کی وجہ سے سُنّت نہیں چھوڑی جاسکتی' لہذا قبورِاولیاء پر گانے اور عورتوں کی حاضری کی وجہ سے زیارتِ قبر جو کہ سُنّت ہے نہ چھوڑی جائے گی جیسے کہ بُتوں کی موجودگی میں خانہ کعبہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی بند نہ ہوئی۔

دینی شعائر یعنی علامتوں کا برقرار رکھنا سُنّت الٰہی ہے جیسے صفا ومروہ کو رب نے باقی رکھا کیونکہ یہ بزرگوں کی یادگار ہیں۔ لہذا بزرگانِ دین کے تبرکات اور ان کے روضے وغیرہ ضرور باقی رکھے جائیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر اپنے ایمان تازہ کریں۔

حضور شیخ الاسلام رئیس المحققین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی فرماتے ہیں:

'قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ یہ قرآن متقیوں کے لئے ہدایت ہے' پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے' تقویٰ کی طرف مائل ہونے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ اسی لئے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں یہ کہا ہے کہ **الراجعین الی التقویٰ ۔ المائلین الی التقویٰ** یہ کہہ کر یہ تصّور دینا چاہا ہے کہ یہاں اہلِ تقویٰ سے مُراد تقویٰ کی طرف میلان کرنے والے' رجوع کرنے والے' پرہیز کرنے والے مُراد ہیں۔ تو یہ قرآن متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ قرآن میں یہ بھی ارشاد ہے **هُدًى للناس** سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ ایک جگہ مخصوص کر دینا کہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے' اور ایک جگہ اتنا عموم کہ سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ ہدایت کے دو معنٰی ہیں۔ ایک معنٰی میں قرآن صرف متقیوں کے لئے ہدایت ہے اور ایک معنٰی میں قرآن سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ ایک معنٰی میں '**ایصال الی المطلوب**' اور ایک معنٰی میں **اِراءۃالطریق** یعنی ہدایت کے معنٰی ہیں ایک منزل تک پہونچا دینا۔ ایک ہدایت کے معنٰی ہیں راستہ دِکھلا دینا' راستہ دِکھانا بھی ہدایت اور منزل تک پہونچانا بھی ہدایت۔

قرآن جب راستہ دِکھلانے پر آتا ہے تو ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معید، ولید ابن مغیرہ...... سارے کفار ومشرکین، سارے منافقین، ساری کائنات کے فرد وبشر کو قرآن راستہ دِکھلاتا ہے، مگر جب منزل پر پہونچانے کی بات آتی ہے تو صدیق اکبر کو پہونچاتا ہے، فاروق اعظم کو پہونچاتا ہے، عثمان غنی کو پہونچاتا ہے، علی مرتضیٰ کو پہونچاتا ہے، سلمان فارسی کو پہونچاتا ہے، غوث صمدانی کو پہونچاتا ہے، خواجہ اجمیری کو پہونچاتا ہے، محبوب الٰہی کو پہونچاتا ہے، مخدوم اشرف سمنانی کو پہونچاتا ہے۔
جب منزل تک پہونچانے کی بات آتی ہے تو میرے رسول کے غلاموں کو پہونچاتا ہے۔
قرآن صرف متقیوں کو منزل تک پہونچاتا ہے، تقویٰ وپرہیزگاری کی طرف مائل ہونے والوں کو منزل تک پہونچاتا ہے۔ تو اب متقیوں کو سمجھنا ضروری ہے جن کو قرآن منزل تک پہونچاتا ہے۔

تقویٰ کی دوقسمیں ہیں۔ ایک ہے بدن کا تقویٰ اور ایک دل کا تقویٰ۔ آپ نے نماز پڑھی، یہ بدن کا تقویٰ۔ آپ نے روزہ رکھا، یہ بدن کا تقویٰ۔ آپ نے اعمالِ خیر انجام دیئے، یہ بدن کا تقویٰ۔ حج کیا، بدن کا تقویٰ۔ ریاضتیں کیں، بدن کا تقویٰ ہے۔

دل کے تقویٰ کی اہمیت اتنی ہے کہ دل متقی نہیں ہے تو بدن کا تقویٰ بھی تقویٰ نہیں ہے۔ صورتِ تقویٰ ہے حقیقتِ تقویٰ نہیں ہے۔ اگر دل متقی نہیں ہے تو بدن والا تقویٰ اداکاری ہے، دِکھاوا ہے، ریا ہے، سمعہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔ تو دل کے تقویٰ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ دل کا تقویٰ کیا ہے۔ قرآن ارشادفرماتا ہے :

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج/۳۲)

جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آثار مبارک) کی تعظیم کرے وہ دِلوں کا تقویٰ ہے۔
جو شخص رب کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ شخص متقی ہے۔

جو اللہ کے شعائر یعنی دین کی نشانیوں کی تعظیم کرے یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔

﴿**اَنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰه**﴾ (البقرہ/۱۵۸)

بیشک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (دین کی یادگاروں' ادب گاہوں) میں سے ہیں۔

صفا وَ مروہ' کسی نبی' پیغمبر' غوث' قطب' ابدال ...... کا نام نہیں ہے بلکہ پتھر ہیں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم کی برکت سے اللہ کی نشانی بن گئے۔ پتھر کی تعظیم اور یہ دل کا تقویٰ ہے۔ پتھر کی تعظیم اور پتھر کا مقدّر دیکھنا ہو تو مکہ معظّمہ چلو۔ کعبہ کا گھر پتھر۔ حجر اسود پتھر۔ جبل رحمت پتھر۔ غار حراء پتھر۔ عرفات کی وادی پتھریلی۔ وادی مزدلفہ کا میدان پتھریلہ۔ مقام ابراہیم پتھر۔ مگر اُسے اپنا مُصلے بنالو۔ حجرِ اُسود پتھر مگر بغیر بوسہ دیئے ہوئے آگے نہ بڑھنا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم ہی دِلوں کا تقویٰ ہے اور قرآن ﴿**ھدًی للمتقین**﴾ متقیوں کے لئے ہدایت ہے (خطبہ شیخ الاسلام)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فیوض الحرمین میں اپنا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے کہ میں مکہ معظّمہ مولد النبی ﷺ پر میلاد شریف کی محفل میں حاضر ہوا۔ میں نے مولدِ مبارک سے آسمان تک انوار دیکھے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار فرشتوں کے ہیں۔ اس سے میلاد پاک کا جہاں جواز واستحسان ثابت ہوتا ہے وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی وہ جگہ مہبطِ انوار ہے مہبطِ ملائکہ ہے۔ جو جگہ مہبطِ انوار ہو' مہبطِ ملائکہ ہو وہاں سے یقیناً برکت مل سکتی ہے۔

کوہ صفا اور اسلامی تاریخ کے اہم واقعات :

پہلا واقعہ : **لااله الا الله** دعوت ہے **محمد رسول الله** داعی ہیں۔

لااله الا الله کا پیغام رکھنے سے پہلے رسول نے اپنے کو سمجھایا اور اپنے کو منوایا۔ حضور ﷺ نے چالیس سال تک خاموش اور مثالی زندگی گزاری۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت ﴿**وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** ﴾ اور (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرایئے۔ (شعراء/۲۱۴) نازل ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور آواز لگائی: اے قبیلہ فہر کے لوگو! (دونوں قریش کی شاخیں ہیں) اس آواز کا سُننا تھا کہ سب لوگ جمع ہو گئے' جو کسی وجہ سے خود نہ آ سکا اُس نے اپنے نمائندہ کو بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کیا بات ہے؟ ابولہب بھی آ پہنچا۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم مجھ کو کیا سمجھتے ہو؟ سب نے کہا' صادق وامین۔ سچے دِیانتدار ...... الغرض بہت تعریف کر دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سچا سمجھتے ہو تو اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تمھیں تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ میرے کہنے سے مانو گے؟ سب نے کہا کہ آپ کبھی جُھوٹ نہیں بولے' آپ کہیں گے تو ہم مان لیں گے۔ میرے رسول نے فرمایا کہ جب میرے کہنے سے تم بن دیکھے لشکر کو مان رہے ہو' تو میرے ہی کہنے سے بے دیکھے خُدا کو مان لو۔ **قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا** ... **لاالہ الا اللہ** کہو' فلاح پا جاؤ گے۔ حضور ﷺ نے **لاالہ الا اللہ** کی دعوت پیش کرنے سے پہلے اپنی ذات کو سمجھایا اور منوایا۔ اس لئے کہ **لاالہ الا اللہ** دعوت ہے **محمد رسول اللہ** داعی ہیں **لاالہ الا اللہ** ہدایت ہے **محمد رسول اللہ** ہادی ہیں۔ **لاالہ الا اللہ** ذکر ہے **محمد رسول اللہ** ذاکر ہیں۔ **لاالہ الا اللہ** ارشاد ہے **محمد رسول اللہ** مُرشِد ہیں۔ **لاالہ الا اللہ** کلام ہے **محمد رسول اللہ** متکلم ہیں۔۔۔ جو داعی کو نہ مانے گا وہ دعوت کو کیا مانے گا؟ جو ہادی کو نہ مانے گا وہ ہدایت کو کیا مانے گا؟ جو قائل کو نہ مانے گا وہ قول کو کیا مانے گا۔ جو ذاکر کو نہ مانے گا وہ ذکر کو کیسے مانے گا۔ رسالت کی دستگیری کے بغیر صحیح توحید حاصل نہیں ہوتی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا پیغام سُن

کر ابولہب نے کہا: تمہارا بُرا ہو (معاذ اللہ)۔ کیا تم نے اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس واقعہ کے پس منظر میں سورۂ لہب نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے لئے صفا پہاڑی کو سونا بنا دے (اگر ایسا ہو گیا) تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے پوچھا' کیا واقعی تم اس پر تیار ہو؟ قریش نے جواب دیا' ہاں۔ حضرت جبریل امین خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ آپ اگر چاہتے ہیں کہ ان کے لئے صفا پہاڑی کو سونے سے بدل دیا جائے تو میں ایسا کر دوں گا مگر اس کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر میں ان کو ایسا سخت عذاب دوں گا کہ کسی کو نہ دیا ہو گا اور اگر آپ چاہیں تو یہ معاملہ ایسا ہی رہنے دیں اور میں ان کے لئے توبہ و رحمت کا دروازہ کھولے رکھوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ توبہ کا دروازہ کھلا رہے۔ (مسند احمد)

اس سلسلہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيَاتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ (اسراء/۵۹)

اور ہم کو (اب بھی ان کے مطالبہ پر) نشانیاں بھیجنے سے (کسی چیز نے) منع نہیں کیا سوائے اس کے کہ ان ہی (نشانیوں) کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا (سو اس کے بعد وہ فوراً تباہ و برباد کر دیئے گئے اور کوئی مہلت باقی نہ رہی' اے حبیب ﷺ ! ہم آپ کی بعثت کے بعد آپ کی قوم سے یہ معاملہ نہیں کرنا چاہتے)۔

تیسرا واقعہ : رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑ کے پاس تشریف فرما تھے کہ ابوجہل یہاں سے گذرا اور اس ملعون نے آپ (ﷺ) کو تکلیف پہنچائی' ایک پتھر آپ (ﷺ) پر پھینکا جس سے آپ کا سر مبارک لہولہان ہو گیا۔ آپ کے چچا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابوجہل کے پاس گئے جو اس وقت کعبہ شریفہ کے پاس قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا' اس سے کہا: تو نے میرے بھتیجے کے ساتھ بدسلوکی کی ہے حالانکہ میں بھی اسی دین پر ہوں؟ پھر کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ (سیرت ابن ہشام)

چوتھا واقعہ : جب اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے لئے تشریف لائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ کے نشیبی علاقہ سے داخل ہونا اور پھر صفا کے پاس جمع ہو جانا ہم سب کے ملنے کی جگہ یہی ہوگی۔ (دیکھئے صحیح مسلم کتاب الجہاد)

گویا صفا پہاڑی کو اسلام کی عمومی دعوت کے ابتدائی دور اور پھر اسلام کے عروج کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل ہے۔

پانچواں واقعہ : فتح مکہ سے فارغ ہو کر حضور نبی کریم ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور طواف کیا' طواف کے بعد صفا کے پاس تشریف لائے اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رُخ کیا اور ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد دُعائیں مانگتے رہے۔ گویا بے سروسامانی کے عالم میں صفا پر اسلام کی عمومی دعوت کا آغاز ہوا تھا تو آج اسلام کے غلبہ کے بعد اسی صفا پر تشکر و امتنان سے لبریز جذبات کے ساتھ دُعائیں ہو رہی ہیں۔

اس طرح صفا وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہئے' دُعائیں کرنی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر ادا کرنا چاہئے' اور وہ وقت یاد کر کے اپنی اسلامی وابستگی اور دعوتی ہمت و جذبہ کو حوصلہ تازہ دینا چاہئے' جب آپ ﷺ نے صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور اذیتیں برداشت کیں۔ بالآخر اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور مخالفین کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا۔

چھٹا واقعہ : فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ صفا پر تشریف لائے‘ آپ کے آس پاس حضرات انصار بھی جمع ہو گئے‘ آپ نے اعلان فرمایا‘ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے (واقعی آپ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں۔ میرے رسول کہتے ہیں کہ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اُس کو امان۔ ابوسفیان کون ہیں؟ یہ وہی ہیں جن کے گھر میں اسلام کو مٹانے کے منصوبے بنتے تھے۔ یہ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) وہی ہیں جو ایمان لانے سے قبل رسول کی دشمنی کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے۔ یہ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) وہی ہیں جن کا گھر دارِفتنہ بنا ہوا تھا۔ یہ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) وہی ہیں جن کے گھر میں نہ جانے کتنے فتنوں کے پروگرام بنتے تھے مگر رسول کہہ رہے ہیں جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اُس کو امان ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اُس کا خون معاف ہے۔ دُنیا کے سلطانوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جب کہیں جاتے ہیں تو وہاں کے چمن کو تاراج کر دیتے ہیں‘ دارِامن کو دارِفتنہ بنا دیتے ہیں اور یہ نبی کی رحمت ہے کہ دارِفتنہ کو دارالامان بنا رہی ہے۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو (شیخ الاسلام)

مکہ کی وادیوں میں چہکار ہو گیا آئے نبی تو یہ جہاں گلزار ہو گیا (قیسؔ)

اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن میں ہے‘ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امان دی جاتی ہے۔ یہ سُن کر انصار مدینہ نے آپس میں کہا ’آپ (ﷺ) اپنے خاندان و بستی کے لوگوں سے نہایت نرمی کا معاملہ فرما رہے ہیں جس سے لگتا ہے کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں گے (اور مدینہ منورہ واپس تشریف نہیں لے جائیں گے)۔ حضور نبی کریم ﷺ کو ان کی معنیٰ خیز باتیں محسوس ہوئیں تو فرمایا: تم لوگوں نے کیا کہا؟ حضرات انصار نے اپنا یہ تاثر ظاہر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ‘ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہو گی۔ (صحیح مسلم)

ساتواں واقعہ: وقت کی نیرنگیاں : ابھی کل ہی کی بات ہے کہ اس صفا کے

اردگرد سرور دو عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ستایا جاتا تھا، قسم قسم کی اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں، تکلیف پہنچانے کا وہ کون سا طریقہ تھا جو ان مظلوموں پر نہ آزمایا گیا ہو، حتیٰ کہ سرور دو جہاں ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہی کفار مکہ نے مدینہ پر پے در پے چڑھائی کی، بدر، احد اور خندق کی ساری جنگیں ان کی شرارتوں کا شاخسانہ تھیں، آج یہ لوگ بھی اسی صفا پہاڑی کے اردگرد جمع ہیں اور اسی دعوت توحید کا اقرار کر رہے ہیں جس کا کل تک انکار کیا کرتے تھے اور اسی نبی کی نبوت و رسالت کا دل و زبان سے اعتراف کر رہے ہیں جنہیں کل تک تکلیفیں پہنچاتے تھے، بلاشبہ حق کو بالآخر غلبہ نصیب ہوتا ہے اور اس میں عبرت ہے عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے۔

آٹھواں واقعہ ایک انوکھی بیعت : حضور نبی کریم ﷺ ابھی صفا پر ہی تشریف فرما تھے کہ ابوسفیان کی اہلیہ ہند قریش کی چند دیگر خواتین کے ساتھ حاضر ہوئیں اور اسلام پر بیعت کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان عورتوں کو تلقین فرما رہے تھے، جب انہوں نے یہ کہا 'یہ عہد لیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی تو ہند نے کہا: اگر اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوتا تو وہ آج ہمارے لئے کافی ہو جاتا، جب آپ نے کہا کہ چوری نہ کرنے کا عہد کرو تو ہند کہنے لگی: کیا آزاد اور شریف عورت چوری بھی کرسکتی ہے؟ پھر جب آپ نے فرمایا: 'کہ بدکاری نہ کرنا، تو ہند کہنے لگی یارسول اللہ ﷺ! کیا آزاد اور شریف عورت بدکاری بھی کرسکتی ہے؟ پھر آپ نے فرمایا 'کسی شرعی حکم میں نبی ﷺ کی نافرمانی نہ کرنا۔ تو ہند نے پھر کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی دعوت کیا ہی شریفانہ ہے اور کتنی اچھی ہے۔ (الروض الانف)

آخر نبی نے کیوں لیا اصحاب سے بیعت　　اس واقعہ میں قیسؔ چھپا راز دیکھنا

صفا پر انسان کی طرح بولنے والے جانور کا ظہور : ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ (النمل/۸۲) اور جب ان پر (عذاب کا) فرمان پورا ہونے کا وقت آ جائے گا تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو' اس سے پہلے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو' اور دجّال کا ظہور ہو اور بولنے والا جانور نکل آئے'

یہ جانور کہاں سے ظاہر ہوگا اس بارے میں تین قول مشہور ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جانور صفا سے ظاہر ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جبل ابی قبیس (حرم شریف کے پاس ایک پہاڑ کا نام ہے) سے نکلے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے بڑی اور افضل مسجد سے نکلے گا۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں مگر یہ تینوں قول زیادہ مشہور اور صحیح ہیں۔ (تفسیر طبری، تفسیر فتح القدیر)

غور سے دیکھا جائے تو تینوں قول ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس لئے کہ صفا، جبل ابی قبیس ہی کا حصہ ہے اور سب سے بڑی اور مکرم و مقدس مسجد، مسجدِ حرام میں واقع ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وصال پُر ملال :

حبرون نامی بستی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وصال فرمایا۔ ابن کلبی علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام (۲۰۰) دوسو سال حیات رہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی عمر (۸۹) سال تھی۔

الخلیل یا حبرون غرب اردن (مغربی کنارہ) کے علاقے میں ہے جس پر غاصب اسرائیلیوں نے جون 1967ء کی جنگ سے قبضہ کر رکھا ہے۔ الخلیل کی آبادی 75 ہزار سے زیادہ ہے۔ الخلیل کو حبری اور مسجد ابراہیمی بھی کہتے ہیں۔ یہ جبل نصرۃ کی سطح مرتفع کے درمیان ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع ہے۔

الخلیل بیت المقدس سے 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب تقریباً چار ہزار برس پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے تھے اور انہی کے لقب سے الخلیل موسوم ہے۔ یہاں ایک غار (مغارہ مکفیلہ) میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام' سیدنا اسحٰق علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام وحی الٰہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنا دی۔ (معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں پر قبہ نما چھت بنانا انبیاء کی سُنّت ہے) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام' ربقہ رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام' ایلیا رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قبیلہ بنوحیث کے ایک آدمی عفرون بن صوحار الحبشی سے زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نقرئی درہموں میں خریدا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر میں قدوم (کلہاڑا) آلے کے ساتھ اپنا ختنہ کیا بعد ازاں آپ اسّی (۸۰) سال حیات رہے۔ (ابن حبان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی تب آپ نے اپنا ختنہ کیا اور اس کے بعد اسّی سال آپ نے زندگی گذاری اور نے ختنہ قدوم آلہ کے ساتھ کیا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد تعمیر کعبہ :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد جزوی طور پر مختلف اوقات میں کعبہ معظّمہ کی تعمیر ہوئی۔ پانچویں تعمیر عمالقہ نے کی، اور چھٹی مرتبہ جرھم نے اُسے تعمیر کیا، عرب کے یہ دو قبیلے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ساتویں تعمیر قصی بن کلاب نے کی جو سرکار اقدس ﷺ کی پانچویں پشت میں دادا ہیں، جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انہوں نے نئے سرے سے عمارت کعبہ معظّمہ تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔

ابرہہ کا حملہ : حضور سید عالم ﷺ کے ظہور سے صرف باون دن پہلے ابرہہ جو شاہِ حبش نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا کعبہ شریف کی عظمت کو برداشت نہ کرسکا ایک بڑا جنگی لشکر ہاتھیوں سمیت لے کر کعبہ شریف کو ڈھانے کی غرض سے حملہ آور ہوا۔ جب کعبہ شریف سے تین میل دُور وادی محسّر میں پہنچا تو اس کے ہاتھی نے آگے جانے سے انکار کردیا۔ آخر مجبوراً اسی جگہ لشکر کا پڑاؤ ڈال دیا۔

عرب والوں کے لئے ہاتھی ایک عجیب چیز تھی۔ انہوں نے اس سے قبل ہاتھی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس بڑے لشکر کی سطوت وشوکت سے گھبرا کر اہلِ مکہ پہاڑوں میں جا چُھپے۔ صرف حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے چند افراد جن کی تعداد بمشکل بارہ افراد تک پہنچتی تھی باقی رہ گئے اور ابرہہ کے اس عظیم لشکر سے مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔

ابرہہ کے ساتھی اور اونٹ : اسی دوران میں ابرہہ کے کچھ لشکری اہل مکہ کے مویشیوں کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے چند اونٹ بھی لے گئے۔ حضرت عبدالمطلب اکیلے ہی گھوڑے پر سوار ہوکر ابرہہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابرہہ نے جب

اس پیکر شرافت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو استقبال کے لئے خیمے سے باہر نکل آیا اور نہایت احترام سے پیش آیا۔ اس نے کہا آپ کیسے تشریف لائے؟ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اہلِ عرب عبدالمطلب کے نام سے پُکارتے ہیں اور یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرے لشکری میرے اونٹ لے آئے ہیں۔ وہ واپس دے دو۔ ابرہہ نے تکبّر آمیز قہقہہ لگایا اور کہا عبدالمطلب! اپنے کعبہ کی فکر کرو۔ اونٹ تو ایک حقیر چیز ہے۔ میں تمہارا کعبہ گرانے آیا ہوں۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ کعبہ کو بچانے کی کوشش کے لئے آئے ہوں گے اور اُسے نہ گرانے کی درخواست کرو گے، تمہیں تو اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔

ابرہہ کی بات سُن کر حضرت عبدالمطلب نے کیا نفیس جواب دیا 'اے ابرہہ! مجھے کعبہ کی فکر کیوں ہو؟ کعبہ جانے' کعبے والا جانے' مجھے میرے اونٹ واپس کردے'

ابرہہ آپ کا یہ صداقت انگیز جواب سُن کر خاموش ہوگیا اور اونٹ واپس کردیا۔ آپ اونٹوں کو لے کر گھر واپس تشریف لائے اور حضور ﷺ کی والدہ حضرتِ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر کعبہ شریف میں حاضری دی اور دُعا کی 'اے کعبہ کے مالک! اے چودہ طبق کی کائنات کے خالق! تو سمیع و بصیر ہے' تو علیم وخبیر ہے۔ تو جانتا ہے کہ ایک دُشمن تیرے مقدس گھر کو گرانے کی نیّت سے آیا ہے' الٰہی تو نے مجھے بشارت دی تھی کہ تیرے گھر میں ایک نور چمکے گا۔ الٰہی! اگر وہ نور آمنہ کے پیٹ میں ہے تو: اُسی کے واسطے سے ہم دُعا کرتے ہیں' اے مالک! تیرے سوا ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ اے مالک بچالے یورش دشمن سے اپنے گھر کی حرمت کو بچا لے آلِ اسماعیل کے سامانِ عزّت کو'

صبح سورج کے طلوع کے ساتھ ہی ابرہہ کعبۃ اللہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ ادھر حضور ﷺ کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دُعا فوراً قبول ہوگئی۔ پروردگار عالم نے

ابابیلوں کے لشکر کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ لشکر ابرہہ کی کعبہ پر چڑھائی کا منظر حضرت عبدالمطلب اپنے خاندان سمیت ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ جونہی لشکر کے ہاتھی کعبہ کے قریب آئے تو سب کے سب عظمتِ کعبہ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ مہابت ہاتھیوں کو مارتے ہیں، اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر :

پڑے ہیں اس طرح ہاتھی کہ جنبش تک نہیں کرتے
خُدا کا ڈر ہے دل میں آج شیطان سے نہیں ڈرتے

اور ابرہہ کا ہاتھی جس کا نام محمود تھا وہ تو بالکل اُٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ابرہہ یہ صورت دیکھ کر بہت گھبرایا اور فوج پیدل کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔

ابھی اس نے یہ حکم دیا ہی تھا کہ پروردگارِ عالم کا لشکر جدہ کی طرف سے نمودار ہوا۔ چھوٹے چھوٹے ہزاروں ابابیل منہ میں تین تین کنکریاں اور ایک ایک کنکری پنجوں میں لے کر ابرہہ کے لشکر پر آ گئے اور سنگریزوں کی بارش شروع کر دی۔

قدرتِ خداوندی کہ ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس سے وہ مارا جاتا تھا۔ جب کنکر جسم پر پڑتا تو جسم کو چیر کر پاؤں کی طرف سے نکل جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم الشان لشکر چند منٹوں میں تباہ و برباد کر دیا گیا، قرآن کریم نے اس واقعہ کو کتنے شاندار طریقہ پر بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے: ﴿**اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝**﴾ اے محبوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟ (اصحابِ فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے ﴿**اَلَمْ تَرَ**﴾ کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے) کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کے مکر و فریب کو ناکام نہیں بنا دیا اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے اُن پر ہر سمت سے پرندوں کی ٹکڑیاں جو برساتے تھے

اُن پر کنکر کی پتھریاں، پس بنا ڈالا اُن کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ ۔۔۔اسی لئے عرب والے اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔

قریش کی تعمیر :

حضور نبی کریم ﷺ کی عمر جب (35) سال تھی اور سیلاب سے کعبہ شریف کو نقصان پہنچا تھا، اس لئے قریش نے فیصلہ کیا کہ مکمل طور پر نئی تعمیر کی جائے ۔۔ یہ کعبہ شریف کی آٹھویں تعمیر تھی۔

اس تعمیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوئی کہ اس میں شاہ عرب وعجم فداہ ابی واُمی حضور نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی، پتھر اُٹھا اُٹھا کر لائے ......حجر اسود کو یہ شرف حاصل رہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اُسے نصب فرمایا۔ جب بیت اللہ کی تعمیر اس جگہ تک پہنچی جہاں حجر اسود نصب ہونا تھا تو قریش میں اختلاف پیدا ہوگیا، قبیلہ کی ہر شاخ کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ حجر اسود نصب کرنے کا شرف اُن کو حال ہو، یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ نوبت قتال کی آ پہنچی، ہر جانب سے تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔اتنے میں ابواُمیہ مخزومی جو قریش کے معمر شخص تھے اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہمارے درمیان اس نزاع کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل سب سے پہلے حرم میں داخل ہو، وہی اس عزت کا حقدار ہے۔ اس بات پر سب متفق ہوگئے۔ اُدھر فیصلہ خداوندی ہو چکا تھا کہ اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ اس شرف سے بہرور ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی شان کہ سب سے پہلے داخل ہونے والی ذاتِ عالی سرور دو عالم ﷺ کی تھی، لوگوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو بیک آواز کہا، یہ امین ہیں، ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ صورتِ حال سے باخبر تھے، حجر اسود نصب کرنے کے تنہا حقدار ہونے کے باوجود آپ نے ایک

چادر طلب کی اور دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اُٹھا کر اس کے درمیان میں رکھ کر فرمایا ’ہر قبیلہ کا سردار چادر کے کونوں کو پکڑ کر اس جگہ لے چلیں جہاں حجرِ اسود نصب کرنا ہے‘ یہ سُنتا تھا کہ ہر قبیلے والے خوش ہوئے‘ سردارانِ قبائل نے چادر کے کونے پکڑ کر اس کو وہاں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے دستِ مبارک سے اس مبارک پتھر کو چادر سے اُٹھا کر خانہ کعبہ میں لگا دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اس حکیمانہ فیصلہ پر سب نے رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا‘ اُس وقت کس کو معلوم تھا کہ آج یہ فیصلہ کنندہ مستقبل کا حاکمِ عادل اور قائدِ منصف ہوگا اور یہ واقعہ گویا حضور نبی کریم ﷺ کی قیادت اُمت کی تمہید تھی۔

اس تعمیر میں قبیلہ قریش نے عہد کیا تھا کہ اس میں صرف پاک اور حلال مال ہی خرچ ہوگا‘ ناجائز کمائی نہیں لگائی جائے گی۔ اُس وقت کے امیر لوگوں کے پاس زیادہ سود سے حاصل کردہ مال ہوتا تھا۔ قریش میں بہت سے اعمال شرکیہ وقبیحہ کے باوجود بیت اللہ کی تعمیر میں اُن کا پاکیزہ اور حلال مال لگانا جہاں اُن کے فطری ذوق سلیم کے وجود کا پتہ دیتا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے مقدس گھر کی تعمیر کو ناجائز مال سے محفوظ رکھنے کا خدائی انتظام بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے‘ چنانچہ اس شرط کی وجہ حلال مال کم مقدار میں جمع ہوا تو قریش نے تعمیری بجٹ کی کمی اور کچھ اپنے مقاصد کے پیش نظر چند فرق کر دیئے :

(۱) کعبہ کی کچھ زمین باہر نکال دی یعنی عمارت کو چھوٹا کر دیا‘ کعبہ سے باہر نکالی ہوئی زمین کو ’حطیم‘ کہا جاتا ہے‘ چھوٹی چھوٹی دِیوار سے آج بھی اسے علحدہ نمایاں کیا ہوا ہے۔ طواف اس کے باہر سے ہی ہوتا ہے۔ اس تعمیر سے پہلے کعبہ کی چھت نہیں تھی قریش نے چھت کا اضافہ کر دیا‘ اس چھت میں ایک پرنالہ بھی لگایا گیا جو حطیم کی جانب گرتا ہے اسے عرف عام میں ’میزاب رحمت‘ کہتے ہیں۔

(۲) قریش نے دو دَروازوں کے بجائے ایک کردیا وہ بھی بلند تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اب بھی اسی پر عمل ہورہا ہے بادشاہوں کے لئے دَروازہ کھلتا ہے خواہ وہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں، صلحاء اتقیاء کے لئے کبھی دَروازہ کھلنے کی خبر نہیں سُنی۔

(۳) خانہ کعبہ کے لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں بنائی گئیں اور ہر صف میں تین ستون بنائے گئے۔

(۴) کعبہ شریف کی بلندی پہلے سے دوگنی کردی گئ، پہلے بلندی نو ہاتھ تھی انہوں نے اٹھارہ ہاتھ کردی۔

(۵) خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا گیا جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔

فال نکالنے کے تیر :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سرکارِ رسالت ﷺ نے بیت اللہ شریف میں تصویروں کو دیکھا تو آپ (ﷺ) کعبہ میں داخل نہ ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان تصویروں کو مٹا دیا جائے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں فال کے تیر دے کر تصویر کشی کی گئی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو ارشاد فرمایا، اللہ انہیں تباہ و برباد کرے، حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے تو کبھی بھی ان تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔ (بخاری شریف)

بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہلاک کردے، وہ جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی ان تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :
ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے متصل (یعنی حطیم) بنیادِ ابراہیمی کے پتھر مجھے دِکھائے اور فرمایا کہ قریش نے اس میں کمی کر دی تھی لوگ اگر نئے نئے مسلمان نہ ہوتے اور اُن کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ دوبارہ تعمیر کر دیتا۔ اسی روایت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کیا۔ حطیم کو کعبہ میں داخل کیا' دَروازے دو بنائے جو زمین کے متصل تھے' خوشبودَار مٹی چونا ملا کر گارا لگایا گیا' دَروازوں پر اندر باہر عنبر لگا کر خوشبودار کیا گیا' نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے والے کا نام اسعد ہے جو شاہ یمن تھا اور تبع کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ کی شہری بنیاد رکھنے والا یہ شخص ہے۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر ۲۷ / رجب ۶۴ھ کو مکمل ہوئی پھر حجاج بن یوسف (جو عبدالملک بن مروان کا نائب تھا) نے سنہ ۷۴ھ میں عمارت کو منہدم کر کے پھر اسی طرح بنا دیا جیسے قریش نے بنایا تھا۔ پھر ہارون رشید نے چاہا کہ کعبہ اس طرح بنا جائے جس طرح عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا یعنی دراصل وہی ابراہیمی تعمیر بھی تھی لیکن اُس وقت کے اہل علم نے اُسے منع کیا کہ کوئی تمہارا مخالف آئے گا وہ پھر تبدیل کرے گا' اس طرح گرانا اور بنانا ایک کھیل بن جائے گا۔ اس کے بعد مرمت تو ہوتی رہی لیکن مکمل طور پر پوری عمارت کو دوبارہ نہیں بنایا گیا۔

کعبہ کی موجودہ تعمیر :

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ کعبہ معظّمہ کی عمارت بہت پرانی ہوگئی ہے تو اُس نے سوائے حجر اسود (وہ کونہ جس میں حجر اسودنصب ہے) کی تمام عمارت کومنہدم کر کے نئی تعمیر کرائی لیکن انہی بنیادوں پر اسی طرز پر جو حجاج بن یوسف نے بنائی تھی، اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی گئی اور باہر کی دِیواریں سنگ خارا سے چونا میں چنیں، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ طیبہ: **لا الـــہ الا الـلــہ محمد رسول اللہ** ﷺ' لکھا ہوا تھا اور سنہرے حاشیہ پر سلطان کا نام تھا۔

موجودہ کعبہ شریف' سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے یعنی مکمل عمارت کومنہدم کر کے اس کے بعد نئے سرے سے تعمیر نہیں کیا گیا۔ غلاف کعبہ ہر سال مصر سے بڑی دھوم دھام سے آتا رہا ایک مرتبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی بن کر گیا، پہلے یہ طریقہ تھا کہ پُرانا غلاف کعبہ کے خدام کو دے دیا جاتا' لوگ تبرک کے طور پر اُسے خرید لیتے تھے لیکن اب غلاف کعبہ سعودیہ میں ہی بنتا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ

اور

دُعا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (البقرۃ)

اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسُول انھیں میں سے تاکہ پڑھ کر سُنائے انھیں تیری آیتیں اور سکھائے انھیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک کر دے انھیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

کعبہ معظّمہ اور مکہ مکرمہ وہ مقامات ہیں جنہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بنایا اور بسایا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے' تب انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دُعا فرمائی کہ الٰہ العٰلمین یہ گھر تو ہم نے بنا دیا اب تو اس گھر کو آباد کرنے والا اور اپنے بندوں کو پاک کرنے والا ایک نبی اس شہر مکہ میں پیدا فرما جن کے طفیل دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری دُعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جا کر مشاہدہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسُول کی بعثت کے لئے التجا کی جا رہی ہے جس کا دامن رحمت اتنا کُشادہ اور خوانِ کرم اِتنا وسیع ہو کہ ہر خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اِس دُعا کاؤ ہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں

کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تو ہیں لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے نہیں (مثلاً اولاد اسحاق علیہ السلام) وہ اس دُعا کا مصداق نہیں بن سکتے۔ اور لطف ایزدی مُلا حظہ ہو کہ ان دوحضرات کی نسل سے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی تا کہ یہ حقیقت ہرشک وشُبہ سے بالاتر رہے کہ وہ ذاتِ مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء تھی جس کے لئے خلیل وذبیح علیہما السلام دُعائیں کرتے رہے۔ حضور ﷺ نے خود بھی فرمایا کہ **انا دعوة ابی ابراهیم** میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہوں۔ یہ دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے شہر مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر سے اور حضرت آمنہ خاتون کے مبارک بطن سے وہ آفتاب رسالت چمکا کہ جس کی روشنی قیامت تک ہر جگہ رہے گی۔

روشن چہرہ زلفیں کالی، صورت بالکل سیدھی سادھی
صورت سیرت میں وہ یکتا، حُسنِ نبی کی بات نہ پوچھو (قیس)

مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں دُعا ابراہیم علیہ السلام اور بشارت عیسیٰ علیہ السلام ہوں اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو اُنھوں نے میری پیدائش پاک کے وقت دیکھا کہ اُن کو ایک نور ظاہر ہوا جس سے ملک شام (سوریا) کے محلات نظر آ گئے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں عرض کیا کہ اے مولیٰ ان لوگوں میں ایک ایسا جلیل القدر پیغمبر بھیج دے جن میں یہ سات صفتیں ہوں:

(۱) اِنھیں مکہ والوں میں سے ہو۔
(۲) ابراہیمی ہو یعنی مکی مدنی ہو ابراہیمی ہاشمی مطلبی ہو۔
(۳) اپنی شان رسالت میں اکیلا ہو یعنی خاتم النبین اور امام المرسلین ہو۔

(۴) سب کو اور خصوصاً میری اولاد کو آیتیں سُنائے بنائے اور پڑھنا سکھائے یعنی انہیں حفظ بھی کرائے اور علم قرأت بھی سکھائے۔

(۵) انھیں تیری کتاب کے مضامین سکھا کر عالم، فقیہ اور مجتہد بنا دے اور انہیں قرآنی اسرار سکھائے اور تیرا راز دار بنا دے اور طریقت کے مدارج انہیں طے کرا دے، یعنی انہیں صاحب حال وقال کر دے۔

(۶) اُن کے دِل اور رُوح پاک وصاف کر کے غیوب سے خبر دار کر دے اور بے پڑھوں کو اپنے فیض سے غوث وقطب کا سردار بنا دے کہ اُن کے دَروازوں سے ولایت تقسیم ہوا کرے۔

(۷) میرے مولیٰ اس نبی کو اپنی ساری صفات کا مظہر بنا کر بھیج کہ اُسے دیکھ کر تو یاد آ جایا کرے۔

خلاصہ دُعا یہ ہوا کہ لوگ حافظ سے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور قاری سے اُس کے الفاظ سیکھتے ہیں اور مولوی سے اس کے معنے معلوم کرتے ہیں۔ پیر کامل سے اس کے اسرار تک پہنچتے ہیں۔ غرض صرف قرآن کریم کے سیکھنے کے لئے چند آستانوں پر حاضری دینی پڑتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے مولیٰ وہ نبی آخر الزماں ﷺ تنہا یہ سارے فیوض دے اس کی بارگاہ کا بیٹھنے والا کسی کے دراوزے پر نہ جائے بلکہ سارا جہاں اس کے غلاموں کے غلاموں کے پاس آئے وہ اپنے غلاموں کو حافظ، قاری، مجتہد، صوفی، فقیر، بادشاہ، قاضی ......سب کچھ بنا دے بلکہ بعض صحابہ وہ بھی ہیں جو اسلام لاتے ہی آن میں قاضی عالم حافظ اور قاری بنا کر بھیج دیئے گئے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز ایک رحمت والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کو رب تعالیٰ نے قرآن وتوریت وانجیل وغیرہ آسمانی کتب میں حضور ﷺ کی شان ظاہر کرنے کے لئے نقل فرمایا ہے کہ تا قیامت لوگوں کو پتہ لگے کہ حضور وہ شان والے رسول ہیں کہ حضرت خلیل اللہ ان کے دُعا گووَں میں ہیں۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ پہلے پیغمبروں نے حضور ﷺ کی دُعائیں مانگیں اور تمنائیں فرمائیں:

گن گائیں جن کے انبیاء مانگیں رُسل جن کی دُعا
وہ دو جہاں کے مدعا صلِ علیٰ یہ ہی تو ہیں

ایمانی نکات:

☆ اپنی قوم اور اہل قرابت کی خیرخواہی کرنا سُنّت انبیاء ہے۔ نیز ہر شخص اپنی اولاد کی خیریت کا حریص ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تمنا کی کہ نبی آخرالزماں کا فخر مجھ کو اور میری اولاد کو حاصل ہو اور یہ پھول میرے ہی چمن میں کھلے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے اپنے اہل بیت کی پھر بنی ہاشم کی پھر اہل قرابت قریش کی پھر ساری اُمت کی شفاعت کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر بہشت کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوتو میں کسی بنی اُمیّہ کو جنت سے باہر نہ چھوڑوں۔ (تفسیر عزیزی)

☆ حضور ﷺ کا میلاد شریف کرنا سُنّت الٰہیہ اور سُنّت انبیاء ہے کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کی تو دُعا ہے اور تشریف آوری کا ذکر ہی میلاد ہے' بلکہ نماز وکلمہ میں بھی میلاد شریف ہے

وہ لوگ خُدا شاہد قسمت کے سکندر ہیں جو سرورِ عالم کا میلاد مناتے ہیں

☆ حضور ﷺ تمام نبیوں کے سردار ہیں کیوں کہ آپ خلیل اللہ علیہ السلام کی دُعا اور اُن کے سارے اعمال کا اصل مقصود ہیں۔

☆ قرآن کے ساتھ حدیث کی بھی ضرورت ہے اور قرآن کے ظاہری معنی کے ساتھ کچھ باطنی بھی ہیں کیونکہ یہاں کتاب کے ساتھ حکمت کا بھی ذکر ہے اور صفائی قلبی کا بھی۔

☆ کوئی شخص قرآن پاک فقط اپنے علم سے نہیں سمجھ سکتا' اس لئے کہ اس دُعا سے معلوم ہوا کہ وہ نبی اس کو سکھائیں گے۔ فلسفہ منطق اور ریاضی آسان ہے کہ وہ انسان کے بنائے ہوئے علم ہیں اور دنیوی علوم کے ماسٹروں سے پڑھے جاتے ہیں مگر قرآن مشکل کہ وہ خدا کا کلام ہے اور اس کے لئے رب تعالیٰ نے خود معلم بھیجا۔

☆ یہ کہنا جائز ہے کہ حضور ﷺ تمام عالم کو پاک فرماتے ہیں انہیں علم حکمت اور خدا کی ساری رحمتیں دیتے ہیں جیسے کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔

☆ دُعا کے اخیر میں رب تعالیٰ کی حمد اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہاں کیا۔ (تفسیر نعیمی' حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف وَ توصیف :

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرۃ/۱۲۴)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کے پروردگار نے کچھ باتوں میں آزمایا (انتہائی دشوار اُمور میں امتحان لیا) تو انہوں نے وہ پوری کر دِکھائیں (مان کر پورے طور پر بجا لائے)۔ (اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن سے) فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی اور میری اولاد سے۔ فرمایا: میرا عہد ظالموں (خلاف ورزی کرنے والوں) کو نہیں پہنچتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق علیہا السلام کے حق میں نبوت کی دُعا کی تھی وہ قبول ہوئی۔ ایک مدت تک اولادِ اسحٰق

میں اس دُعا کے اثر سے نبوت رہی۔ دُعائے ابراہیمی کے اثر سے اولادِ اسماعیل میں بھی محرومی نہ رہی۔ اب اولادِ اسماعیل سے خاتم النبیین، سیدالاولین والاخرین حضور رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔

مشرکین مکہ کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم اولادِ ابراہیم ہونے کے علاوہ اس گھر کے خدمت گذار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنے گھر کو شرک کی نجاست سے پاک وصاف رکھنے کا عہد ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام دونوں سے لے لیا تھا اور اس خاندان نے شرک کی نجاست پھیلا رکھی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے بتوں کو توڑا اور اپنے آپ کو اس پر آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ٹھہرایا پھر تم کو اولادِ ابراہیم ہونے کا فخر ہے۔ وہ بتوں کے دشمن، تم بتوں کے غلام ہو۔ (کس قدر واضح فرق ہے!)

کلمات سے مُراد احکامِ شریعت، مناسک حج، ذبح فرزند، ہجرت، نارنمرود وغیرہ تمام آزمائشیں ہیں جن سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب وکامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے۔ امام کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے یعنی تمام انبیاء اور اُن کی اُمتیں آپ کی پیروی اور اتباع کریں گی یہاں تک کہ سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی حکم ملا ﴿ **اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا** ﴾ (النحل/۱۲۳) دِین ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھے، یعنی اتباع عقائد، مکارم اخلاق، دعوت وارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی دلنشینی اور منکرین کے جور وجفاء کے مقابلہ میں حلم وبردباری یہ وہ سُنّتِ ابراہیمی ہے جس کی پیروی کا حکم دیا جارہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مِلّت کی اتباع کرنے سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ کے طریقہ میں اُن کی پیروی کیجئے یعنی جس طرح وہ نرمی اور سہولت سے تبلیغ کرتے تھے، آپ بھی اسی طرح نرمی اور سہولت

سے تبلیغ کیجئے ۔ جو شخص تبلیغ وارشاد کی ذمہ داری سنبھالتا ہے اُسے اسوۂ ابراہیمی پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ ﴿اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ مِلّتِ ابراہیمی کی اتباع و پیروی کرتے رہو۔ ڈاڑھی، ختنہ، قربانی، حج وغیرہ مِلّتِ ابراہیمی ہی کا نام ہے۔ سید عالم ﷺ کو بھی اس مِلّت کی اتباع کا حکم ہوا۔ اس میں آپ کی رفعت درجت اور اعلیٰ منزلت کا اظہار ہے کہ آپ کا دِین ابراہیم سے موافقت کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خاص شرف وفضیلت کا موجب ہے اس لئے کہ حضور اکرم الاکرمین، افضل الاولین والآخرین ہیں۔

حدیث میں ہے کہ تمام انبیاء کرام اور جمیع خلائق سے حضور ﷺ کا مرتبہ افضل واعلیٰ ہے۔

سب سے اعلیٰ وَاولیٰ ہمارا نبی سب سے بالا وَوالا ہمارا نبی

مِلّت اور شریعت میں چارطرح فرق ہے۔ (۱) شریعت پورے قانونِ الٰہیہ کا نام، مِلّت چند ذاتی عملیات کا نام۔ (۲) شریعت میں واجبات فرائض نوافل بھی ہوتے ہیں اور حقوق اللہ کی تفصیل وادائیگی کا حکم بھی۔ لیکن مِلّت میں مستحبات اور کسی شخصیت کا ذاتی طریقہ۔ (۳) اسی لئے مِلّت کا معنیٰ دینِ ابراہیمی بھی کیا گیا ہے (۴) مِلّت ابراہیمی صرف چند چیزیں ہیں، جب کہ شریعت پوری زندگی کا لائحہ عمل کا نام ہے۔

ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی سے عرب کا بچہ بچہ واقف ہے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سمجھی جاتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے رب کی جانب سے سخت سے سخت آزمائشوں کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا پیشوا ومقتدا بنا دیا تا کہ لوگ آپ کی

اقتداء کریں اور آپ کی ہدایت پر سر تسلیم خم کریں۔ تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کی کہ الہ العالمین یہ منصب امامت میرے بعد آنے والی نسلوں میں قائم ودائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا والتجا کو قبول فرماتے ہوئے اس منصب کو آپ کی اولاد میں جاری فرمادیا۔ امامت (نبوت) کے سلسلہ میں ہدایت کی گئی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصہ ہے، متقی اولاد ہماری امامت سے سرفراز فرمائی جائے گی، ظالموں وفاسقوں کو منصب نبوت سے محروم ومایوس کردیا۔ انبیاء کرام نبوت سے پہلے اور اس کے بعد گناہ کبیرہ وصغیرہ بلکہ حقیر حرکات سے معصوم ہیں کیونکہ فاسق ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی۔ حضرات انبیاء کرام اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں کفروشرک نہیں کرسکتے، وہ بدعقیدگیوں بلکہ بدعملیوں سے معصوم ہوتے ہیں، دیکھو سیدنا ابراہیم علیہ السلام باوجویکہ نہایت گندے ماحول میں تھے مگر ہر بُرائی سے محفوظ ومعصوم تھے۔ انبیاء کرام دُنیا کو بدل دیتے ہیں دُنیا سے خود نہیں بدلتے۔ اگر منصب امامت سے دِینی پیشوائی مراد ہوتو معنی یہ ہیں کہ کفار دِینی پیشوائی کے مستحق نہیں، اس امامت کے لئے ایمان کی قید لگائی گئی ہے۔ اے خلیل ! آپ کی دُعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہے کہ تمہاری اولاد کو بھی امامت دی جائے گی لیکن تمہاری اولاد میں بعض کافر، بعض مومن اور فاسق بھی ہوں گے۔ دینی پیشوائی کفار کو نہ ملے گی۔ کافر، مسلمانوں کا دینی پیشوا نہیں بن سکتا کیونکہ کافر، ظالم ہے اور ظالم، امامت کا حقدار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ظالموں سے نہیں، یہاں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عنداللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم ومشرک ہوں گے ان کی شقاوت ومحرومی کو دُور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہود ونصاریٰ اپنے اولاد ابراہیمی ہونے کو نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے

اس آیت میں بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ کے بعض اولاد ظالم بھی ہوگی اور وہ دینی پیشوا نہ بن سکے گی لہذا چونکہ تم ظالم ہو' تم لوگوں کے سردار تو کُجا' عذاب سے نجات بھی نہیں پا سکتے ...... لہذا تمہیں چاہئیے کہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تا کہ تمہاری عظمت برقرار رہے۔

اپنی اولاد کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دُعا کرنا ایک طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لئے نہیں۔ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرفِ نبوت سے سرفراز کیا جائے گا لیکن ظالم اور بدکار اس نعمت کے حقدار نہیں۔ اس آیت سے علماء نے انبیاء کرام کی عصمت پر استدلال کیا ہے نیز صدرِ مملکت میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے اُن کے متعلق علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جن کا دامن کبیرہ گناہوں سے داغدار نہ ہو۔ احسان وَفضل کی صفات سے متصف ہو۔ اس کے ساتھ اُس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجا لانے کی قوت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے خلیفہ (یا صدر مملکت) کے متعلق ہی حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُن سے مت جھگڑو لیکن جو فاسق وفاجر ہوں وہ خلافت وصدارت کے اہل نہیں۔ امام اہل عدل' اہل احسان اور اہل فضل ہونا چاہئیے' اُسے عدل قائم کرنے پر قدرت حاصل ہونا ضروری ہے' اہل فسق' جابر وظالم امامت کا اہل نہیں' یہی وجہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نماز کا امام صالح' صحیح العقیدہ' صحیح الطہارۃ اور غیر فاسق ہونا ضروری ہے۔ فاسق امام کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ ہے۔

(☆) سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ موحدین صالحین رہے' کوئی وقت ایسا نہ آیا کہ سارے مشرک ہو جاتے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی زید ابن عمر اور قیس ابن ساعد اور عبدالمطلب ابن ہاشم حضور نبی کریم ﷺ کے جدامجد اور عامر ابن ضرب وغیرہ اسلام پر تھے کہ خدا کو ایک

جانتے تھے، ثواب وعذاب، حشر ونشر کے قائل تھے، نہ تو مردار کھاتے تھے اور نہ بت پرستی کرتے تھے (تفسیر کبیر وتفسیر عزیزی)

حضور نبی کریم ﷺ کے والدین ماجدین کو کافر کہنے والے اس آیت اور تفسیر کبیر کی اس عبارت پر غور کریں، اگر حضور ﷺ کے پہلے سارے بنی اسماعیل مشرک ہوگئے تھے تو لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا قبول نہ ہوئی۔ یقیناً ایک جماعت ایمان پر ہی رہی۔ اور اسی جماعت میں حضور ﷺ کے آبا وَاجداد تھے، نیز قیامت تک سارے سید وقریش کبھی گمراہ نہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ ابراہیمی ہیں کہ ان میں مومن رہنا ضروری ہے۔

اہلِ سُنّت کے نزدیک امام کا شرعی معنٰی :

جب امام کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی منہاج نبوت پر اُمورِ دین میں پیروی کی جائے، اور اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام، خلفاء راشدین، قضاۃ، فقہاء، ائمہ اور نماز کے امام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس لئے امام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امورِ دین میں اُن کی اتباع اور اقتداء لازم کردی ہے، اور خلفاء راشدین اس لئے امام ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اُن کی اقتداء لازم کردی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اُن کے افعال واعمال کو سُنّت قرار دیا ہے **علیکم بسُنّتی وسنة خلفاء الراشدین** تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سُنّت لازم ہے۔ تمام اہلِ سُنّت وَجماعت کا مسلک یہ ہے کہ خلفائے راشدین کا عمل مستقل سُنّت ہے اور اُن کی سُنّت کی اتباع بحکم حدیث نبوی **علیکم بسُنّتی وسنة خلفاء الراشدین** لازم ہے۔

قضاۃ، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور ائمہ تفسیر وحدیث بھی امام ہیں کیونکہ یہ سب اولی الامر میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم کردیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء/۵۹)

'اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں (ائمہ عظام) کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف۔'

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم کی اطاعت کے علاوہ مسلمان امراء (ائمہ عظام) اور حکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس دارِ فانی میں زیادہ دیر اقامت گزیں نہیں ہونا تھا اور حضور ﷺ کے بعد اُمورِ مملکت کی ذمہ داری خلفاء اور امراء کو سنبھالنی تھی اس لئے اُن کی اطاعت کرنے کے متعلق بھی تاکید فرمائی۔ لیکن اطاعت رسول ﷺ اور اطاعت امیر میں ایک بین فرق ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ جملہ اُمور میں خصوصاً احکام شرعی کی تبلیغ میں اس سے خطاء نہیں ہوسکتی' اس لئے اُس کی اطاعت کا جہاں حکم دیا غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(الحشر/۷)

'اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رُک جاؤ۔'

رسول کا ہر حکم واجب التسلیم اور اٹل ہے اس میں کسی کو مجال قیل وقال نہیں۔ خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری نہیں' اس سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اس لئے اُس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا کہ اُس کے حکم کو خدا اور رسول کے فرمان کی روشنی میں پرکھو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ وہ قابل عمل نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **لا طاعة للمخلوق فی معصية الله** ۔ اس لئے حاکمِ وقت کی اطاعت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تمھارے درمیان تنازع رونما ہوجائے تو اُسے لوٹا دو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف۔ یعنی اس حکم کا قرآن وسُنّت کی روشنی میں

جائزہ لو۔ اگراس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں۔
(تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ)

نماز کے امام کو اس لئے امام کہا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لئے امام بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ قیام کرے تو قیام کرو، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کرو۔

انبیاء علیہم السلام کا امامت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، پھر خلفاء راشدین ہیں، پھر علماء، فقہاء، ائمہ مجتہدین، عادل، قاضی اور نماز کے امام ہیں۔

ہر چند کہ امام کا اطلاق، خلفاء راشدین، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور ائمہ مساجد پر بھی ہوتا ہے لیکن اس جگہ امام سے مراد نبی ہے، کیونکہ اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بہ طور امتنان اور احسان ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس سے امامت کا اعلیٰ درجہ مراد لیا جائے اور وہ نبوت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، اور جو تمام لوگوں کا امام ہو وہ نبی ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد، امام معصوم ہے کیونکہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اور میری اولاد سے بھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا' اور امام معصوم صرف نبی ہوتا ہے، اس لئے اس آیت میں امام سے مراد نبی ہے۔

تمام مسلمانوں کے امیر کو بھی امام کہتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے 'جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کا نائب اور خلیفہ ہو اور اس کو دِین اور دُنیا کے تمام اُمور میں ریاست عامہ حاصل ہو'۔

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ اُمت کے لئے ایک امام ضروری ہے جو دِین کے

احکام کو زندہ کرے، سُنّت کو قائم کرے، مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور حق داروں کو اُن کے حقوق پہنچائے۔ (شرح المقاصد بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

قرآن وحدیث میں امام کا ذکر : امام کا لفظ قرآن وحدیث دونوں میں ہے

﴿**يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ**﴾ (بنی اسرائیل/۷۱)

جس دن ہم ہر جماعت کو اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

دُنیا میں کسی صالح کو اپنا امام بنالینا چاہیئے، شریعت میں تقلید کر کے اور طریقت میں بیعت کر کے، تاکہ حشر اچھوں کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی صالح امام (رہبر و مُرشد) نہ ہوگا تو اُس کا امام شیطان ہوگا۔ اس آیت میں تقلید اور بیعتِ مُریدی کا ثبوت ہے۔

﴿**وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ**﴾ (القصص/۵) اور ہم چاہتے تھے کہ اُن پر احسان کریں جو زمین میں پست کر دیئے گئے اور انہیں امام بنائیں، نیز قائم مقام کر دیں۔

﴿**وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا**﴾ (سجدہ/۲۴) جب انہوں نے صبر کیا، ہم نے اُن میں امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے

احادیث مبارکہ : **عن تميم الدارى ان النبى ﷺ قال الدين النصيحة ثلٰثا قلنا لمن ؟ قال له ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين** (بخاری ومسلم)

حضور نبی کریم ﷺ نے تین بار فرمایا: دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ (خیر خواہی) کس کے لئے؟ فرمایا، اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے اماموں اور عام مسلمانوں کے لئے۔

(☆) ابن ماجہ کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے **عن ابى هريره قال قال رسول الله ﷺ من اطاعنى فقد اطاع الله ومن اطاع الامام فقد اطاعنى ومن عصانى فقد عصى الله ومن عصى الامام فقد عصانى**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے امام کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امام کی نافرمانی کی، اُس نے میری نافرمانی کی۔

بہرحال قرآن وحدیث میں امام کی اہمیت بتائی گئی ہے، جب کہ بے امام لوگ (نام نہاد اہلحدیث) کسی امام کو مانتے ہی نہیں، بلکہ تقلیدِ ائمہ کو شرک قرار دیتے ہیں۔

شیعوں کے نزدیک امامت کا شرعی معنٰی اور بحث ونظر :

شیعوں کا عقیدۂ امامت یہ ہے کہ سارے امام معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء جن صفات سے متصف ہوتے ہیں انھیں صفات سے یہ ائمہ بھی متصف ہوتے ہیں بلکہ امامت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں، تمام علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام تمام گناہوں سے ازاول تا آخر معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، سہواً ہوں یا عمداً۔

محققین شیعہ کی کتاب تفسیر نمونہ میں لکھا ہے:

' دُنیاوی حکومت یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی حدود کو جاری کرنا، اور دینی تربیت یعنی لوگوں کے ظاہر وَ باطن کو شریعت کے مطابق اور پاک اور صاف بنانا ان دونوں منصبوں کا مجموعہ امامت ہے۔ اور یہ مرتبہ رسالت اور نبوت سے بلند تر ہے، کیونکہ رسالت اور نبوت سے صرف اللہ کے احکام کی تبلیغ کی جاتی ہے ڈرایا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے، اور امامت میں اس کے ساتھ ساتھ ظاہر اور باطن کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ امامت کا معنی صرف اراءت طریق (نیکی کا راستہ دِکھانا) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ایصا بہ بہ مطلوب (صالح مومن بنا دینا) ہے۔ امام کا

یہ منصب بارہ اماموں پر صادق آتا ہے' اور بعض بزرگ انبیاء علیہم السلام کو بھی امامت کا یہ منصب حاصل ہے۔

نبوت کا معنی ہے اللہ کی وحی کو حاصل کرنا' رسالت کا معنی ہے وحی الٰہی کی تبلیغ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچانا' اور امامت کا معنی ہے دُنیا میں احکام الٰہی کو جاری کرنا اور خلق خدا کے ظاہر اور باطن کو نیک بنانا' خلاصہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب اراءت طریق ہے اور امامت کا مرتبہ ایصال بہ مطلوب ہے۔

(تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۴۱ ۔ ۴۳۸' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

علماء شیعہ کا یہ کہنا کہ امامت کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے' اس لئے صحیح نہیں ہے کہ پھر اماموں کو چاہئیے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں کو مومن بنا دیتے اور کوئی کافر' مشرک اور فاسق و فاجر باقی نہ رہتا۔

تفسیر نمونہ میں اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ' ائمہ لوگوں کو جبراً مسلمان نہیں بناتے بلکہ ان کو ان کے اختیار سے مسلمان کرتے ہیں جیسے سورج موجودات کی تربیت کرتا ہے یا بارش زمین کو زندہ کرتی ہے پھر بھی بہت سی زمینیں مردہ ہیں' (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۴۵)

اس جواب سے اُن کو نجات نہیں ملے گی۔ یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا جب ائمہ کا منصب صرف اراءت طریق یعنی راستہ دِکھانا ہوتا خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے' لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے اور ظاہر و باطن میں ہدایت کو پہنچانا ہے تو کیوں نہ ائمہ نے کافروں اور فاسقوں کے باطنوں میں انقلاب برپا کیا اور ان کے دِلوں کی کجی کو سیدھا کیا اور کیوں نہ ان کو مسلمان اور صالح بنایا۔ اس اعتراض سے ان کی جان نہیں چھوٹ سکتی حتی کہ شیعہ یہ اقرار کرلیں کہ ایصال بہ مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ائمہ دونوں کا منصب اراءت طریق یعنی راستہ دِکھانا ہے' ائمہ کو انبیاء سے بڑھانے کے شوق میں

شیعہ نے یہ کہا کہ انبیاء اور مرسلین صرف اراءت طریق کرتے ہیں اور ائمہ ایصال بہ مطلوب کرتے ہیں۔

امامت کو نبوت اور رِسالت سے بڑھانے کے لئے شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کے بعد امامت ملی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے اس لئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانے سے شیعہ کی اختراعی امامت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بعد میں آنے والے تمام انبیاء اور مرسلین کا مبدا اور باپ بنا دیا اور بعد کے تمام انبیاء آپ کی نسل سے مبعوث ہوئے۔

علماء شیعہ کا بارہ اماموں کو انبیاء اور رُسل سے افضل اور بلند تر قرار دینا صریح کفر ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾

(ال عمران/۳۳) بیشک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) اور براہیم (علیہ السلام) کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔ (تمام جہان والوں پر بزرگی دی ہے)

صاحبِ تفسیر اشرفی لکھتے ہیں کہ 'بیشک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا آدم علیہ السلام کو۔ اُنھیں ابوالبشر بلکہ ابوالانبیاء بنایا' زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔ فرشتوں سے انکا تعظیمی سجدہ کرایا اور کائنات کے تمام اسماء اور مسمیات کا علم دیا (اور) چُن لیا نوح علیہ السلام کو' اُن کو طویل عمر عطا فرمائی' اُن کی کشتی کو سفینہ نجات بنا دیا اور اُن کی شریعت کو اس سے پہلے کی شریعت کا جس میں محارم سے بھی نکاح جائز تھا' ناسخ قرار دیا اور پھر اس معنی میں انھیں آدم ثانی بنا دیا کہ آج ساری دُنیا میں جو انسان ہیں وہ سب کے سب انہی کی اولاد ہیں۔ (اور) چُن لیا ابراہیم علیہ السلام کی آل کو' اُن کے دو بیٹوں یعنی

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں انبیاء کرام مبعوث فرما کر' ذات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلت کی مسند پر بٹھا کر' اُن کو آتش نمرود سے نجات دے کر' اُن کو اور اُن کی نسل کو سارے انسانوں کی امامت وقیادت عطا فرما کر' اور خانہ کعبہ کی بنیاد رکھنے کا شرف مرحمت فرما کر۔ (اور) چُن لیا عمران بن ماثان بن العاد کی آل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب ورسالت عطا فرما کر اور حضرت مریم کو پاکدامنی' طہارت اور بہت ساری کرامتوں سے نواز کر......المختصر......ان تمام مذکورہ بالا نفوس قدسیہ رکھنے والوں کو سارے جہاں پر' یعنی اُن کے ہم عہد اور ہم زمانہ سارے لوگوں پر منتخب کر لیا۔ (تفسیر اشرفی)

قرطبی لکھتے ہیں کہ انھیں نعمتِ نبوت کے لئے سارے جہان سے چُن لیا۔

آل ابراہیم اور آل عمران میں اُن کی اولاد میں سے انبیاء مراد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں وہ ائمہ بھی داخل ہیں جو نبی نہیں ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اُن سے افضل ہیں۔ نبی' غیر نبی سے مطلقاً افضل ہیں' کوئی وَلی' غوث یا قطب...... نبی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

انبیاء کرام احکام تبلیغیہ میں کمی بیشی یا چھپانے سے معصوم ہیں کہ یہ حرکت اُن سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاً۔ انبیاء کرام شرک' کفر' بدعقیدگی' گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہٖ تعالیٰ معصوم ہیں۔ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے۔ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہ کبیرہ وصغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات اُن کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتی ہے۔ صلوٰت اللہ علیہم اجمعین

اماموں کو انبیاء علیہم السلام کی طرح سمجھنا گمراہی اور بد دینی ہے۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے یہ معنٰی ہیں کہ اُن کے لئے حفظ الٰہی (اللہ کی حفاظت) کا وعدہ ہو گیا۔ جس کے سبب ان سے گناہ کا صادر ہونا شرعاً محال ہے یعنی ناممکن ہے۔ بخلاف ائمہ وا کابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ ان سے گناہ ہوتا نہیں مگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں ہے۔ (بہارشریعت)

انبیائے کرام تمام مخلوق وفرشتوں سے افضل ہیں۔ ولی کتنے ہی بڑے مرتبہ والا ہو' نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے کافر ہے۔

اولادِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام **میں نبوت کا جاری ہونا** : ارشاد الٰہی ہوا :

﴿وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ۚ وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا﴾ (مریم/۵۰-۴۹)

اور ہم نے (ہجرت کے بعد) اُنھیں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد) اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انھیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے اُن کے لئے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کردی۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کو چھوڑتا ہے اس کو کوئی خسارہ نہیں ہوتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی خاطر اپنے شہر اور اپنے عزیز واقارب کو چھوڑا تو اُن کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ دِین میں نہ دُنیا میں بلکہ اس ہجرت سے اُن کو نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسی اولاد عطا فرمائی جن کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ نبوت پر سرفراز فرمایا اور کسی بشر اور انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور فضیلت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقام نبوت عطا فرمائے اور مخلوق پر اس کی اطاعت کو لازم کردے اور آخرت میں اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ یہ اس کے لئے دُنیا اور آخرت کی عظیم نعمتیں ہیں' نیز فرمایا

ہم نے دُنیا میں اُن کا ذکرِجمیل بلند کیا۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کو قبول فرمالیا ہے' وہ دُعا یہ ہے:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ (الشعراء/۸۴)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکرِجمیل جاری رکھ۔

سو تمام قوموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتداء اور پیشوا مان لیا اور وہ اُن کی طرف منسوب ہونے میں فخر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مِلّتِ ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا' جب نبی کریم ﷺ سے قربانی سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ' ابراہیم (علیہ السلام) کی سُنّت ہے۔ حج' حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی پیروی ہے۔ ہم آج تک ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجی جانے والی صلاۃ کا ذکر کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ربِّ کریم کے نام کو بلند کرنے کے لئے' اس کے پیغام کو عام کرنے کے لئے کن کن مشکلات کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کیا' ساری قوم کی دشمنی مول لی' حکومت کی نگاہوں میں معتوب بلکہ باغی قرار پائے۔ آگ میں پھینکے گئے اور آخرکار اپنے وطن کو بھی چھوڑ دیا۔ شانِ بندگی کے ذکر کے بعد اب ارحم الراحمین اپنی شانِ بندہ نوازی کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے مجبور وضعیف ہونے کے باوجود اپنی بندگی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا تو ہم جو قادر وتوانا بھی ہیں اور غنی وکریم بھی۔ ہم نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا ہم نے اسے اسحٰق جیسا فرزند اور یعقوب جیسا پوتا مرحمت فرمایا۔ پھر ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری کیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی عظیم المرتبت رسول و نبی پیدا ہوئے۔ یوسف' موسیٰ' داؤد' سلیمان علیہم السلام کی عظمت کا کسے علم نہیں۔ یہ سب ابراہیمی لڑی کے تابندہ

موتی ہیں۔اورسب سے بڑا احسان اورانعام یہ بخشا کہ سیدالاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اُن کی ذرّیت طاہرہ سے پیدا کیا۔اوران تمام انبیاء کو ایسی کتابیں اور صحیفے عطا کئے جو رحمت وَہدایت کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے 'لسان صدق' کا یہ مفہوم بیان کیا ہے **الثناء الحسن الباقی علیهم آخر العهد وعبر باللسان کما عبر بالید وھی العطیة** (البحرالمحیط) وہ بہترین تعریف جو قیامت تک باقی رہے گی اور ثنا حسن کو لسانِ صدق اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ یہ زبان سے صادر ہوتی ہے۔جس طرح عطیہ کو جو ہاتھ سے دیا جاتا ہے عربی میں **ید** کہتے ہیں۔ **علیٌّ** اعلیٰ اور بلندتر' ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی **ذریة** طاہرہ کی حمد وثنا میں زبانیں مصروف رہتی ہیں۔ یہودی' عیسائی اور مسلمان باہمی اختلافات کے باوجود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظمت اور تقدس کے دل سے قائل ہیں۔اور ہماری تو نماز بھی مکمل نہیں ہوتی جب تک اپنے نبی مکرم اور حضور کی آل امجال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ پر درود پڑھنے کے ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے آل پاک پر درود نہ پڑھیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (العنکبوت/۲۷)

اور ہم نے (ہجرت کے بعد) اُنھیں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد) اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے اُن کی نسل (اولاد) میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کا صلہ اُن کو دُنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی (بڑے درجہ کے) نیک بندوں میں ہوں گے۔

سلسلہ نبوت کو ماننے والی جتنی قومیں اس سطحِ زمین پر بستی ہیں خواہ آپس میں ان کے سنگین اختلافات ہوں لیکن وہ سب دِل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتی ہیں بلکہ اپنی اس نسبت پر فخر کرتی ہیں۔ پھر بزم کونین کی صدر نشینی کی عزت جب سے نبی مکرم ﷺ کو ارزانی ہوئی ہے عظمتِ ابراہیمی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ان کے اس دین کا احیاء ہوا جس کو آپ کے ماننے والوں اور آپ کے ہم قوموں نے فراموش بلکہ مٹا کر رکھ دیا تھا۔ آپ کا بنایا ہوا کعبہ پھر آباد ہوا۔ حرم کی اُداس فضاء نغمہائے توحید سے پھر گونجنے لگی۔ جہاں بھی اسلام کا کوئی فرزند موجود ہے اس کی زبان خلیل اور آلِ خلیل پر درود وسلام کے تحائف بھیجتی ہی رہتی ہے بلکہ نماز ختم کرنے سے پہلے ہر مسلمان اپنے نبی مکرم اور آپ کی آل محتشم پر درود وسلام پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر درود پڑھتا ہے۔ دُنیا کے کسی دولتمند شہنشاہ اعظم' کسی فاتح عالم کو کیا عزت واحترام نصیب ہوا ہوگا جو بارگاہِ رب العزت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عنایت ہوا۔ یہ انعام تو وہ ہے جو اس دُنیا میں آپ کو مرحمت فرمایا گیا اور آخرت میں جو ملنے والا ہے اس کا تو تصور کرنا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں۔

وہ تھی شانِ بندگی اور یہ ہے شانِ بندہ نوازی۔ دونوں کا حُسن اور دونوں کا بانکپن اہلِ دِل کے لئے حشر برپا کررہا ہے فقط یہاں ہی نہیں جہاں بھی بندے نے اپنی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی اس کے معبود برحق نے اپنی شانِ بندہ نوازی کے پھول نچھاور کرنے میں پوری فیاضی دِکھائی۔

ہمیں اپنے محبوب نے جس خدا کی وحدانیت کا طوق زیب گلو کرنے کی دعوت دی' جس کی کبریائی اور عظمت کے گیت گانے کا حکم دیا' وہ تو یہ خدا ہے جس کی شانِ بندہ نوازی کا یہ عالم ہے جو تشنہ لب آیا' سیراب کر دیا گیا۔ جو خالی دامن حاضر ہوا' مالامال ہوکر

لوٹا۔ اور جس نے اس کی محبت کا جام ہونٹوں سے لگایا' اس کے لئے حریم ناز کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اس کی چشم مشتاق اور دِل بے تاب کو اس کی استعداد اور ہمت کے مطابق اپنے جلووں کا دِیدار کرا دیا۔ ہم تو ایسے خدا کے بندے ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(انعام/ ۸۷-۸۴) (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وِلادت کے عرصہ بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی جا رہی ہے) اور ہم نے اُن (ابراہیم علیہ السلام) کو (ایک بیٹا) اسحٰق (علیہ السلام) دیا اور (ایک پوتا) یعقوب (علیہ السلام) دیا۔ ہر ایک کو (طریقِ حق کی) ہم نے ہدایت کی اور (ابراہیم علیہ السلام سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد (علیہ السلام) کو اور سلیمان (علیہ السلام) کو اور ایوب (علیہ السلام) کو اور یوسف (علیہ السلام) کو اور موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ہارون (علیہ السلام) کو (طریقِ حق کی ہدایت کی) اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو اجر (بدلہ) دیا کرتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام) کو اور یحییٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور الیاس (علیہ السلام) کو (اور یہ) سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔ اور ہم نے (طریقِ حق کی ہدایت کی) اسماعیل (علیہ السلام) کو اور یسع (علیہ السلام) کو اور یونس (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو اور ان میں سے ہر ایک کو ان زمانوں کے تمام جہاں والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ اور اُن کے کچھ باپ دادا کو اور کچھ اولاد کو اور

کچھ بھائیوں کو (طریقِ حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ہم نے ان سب کو (چُن لیا) مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہِ راست کی ہدایت کی۔

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں غیر نبی ائمہ بھی ہیں' لہذا غیر نبی اماموں کا انبیاء اور رُسل سے افضل ہونا باطل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اُن کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی کتب سماوی انبیاء کرام پر نازل ہوئیں وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہی کسی نبی پر نازل ہوئیں۔ یہ ایسی خلعتِ عظیمہ اور مرتبہ وکمال ہے کہ جس کی نہ تو مثال ہے اور نہ ایسے حسن وکمال پر کوئی اور فخر کر سکتا ہے۔

نکتہ عجیبہ : اللہ تعالیٰ نے یہاں ان انبیاء کرام کو چار سلسلوں میں بیان فرمایا۔ پہلے سلسلہ میں حضرت ابراہیم' حضرت نوح' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب علیہم السلام کو اس لئے کہ یہ حضرات اصول انبیاء ہیں کہ سارے نبیوں کے نسب ان سے چلتے ہیں۔ دوسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جنہیں نبوت کے ساتھ اور شاندار نعمتوں سے نوازا گیا چنانچہ حضرت داوٴدؑ حضرت سلیمان علیہما السلام کو نبوت کے ساتھ سلطنت دی۔ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو انقلاب کی نعمت بخشی کہ ان کے ہاتھوں فرعون وقارون ہلاک کئے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو کامل درجہ کا صبر اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اولاً صبر پھر سلطنت عطا ہوئی۔ اس لئے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم محسنین کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ زہد وقناعت ترک دُنیا کی نعمت بخشی۔ اس سلسلہ میں حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت الیاس علیہم السلام کا ذکر

فرمایا۔اسی لئے ان کو صالحین فرمایا **کل من الصالحین** ۔ چوتھے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جن کا دُنیا میں نہ کوئی متبع رہا نہ اُن کی شریعت باقی رہی' اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل' حضرت یسع' حضرت یونس' حضرت لوط علیہم السلام کا ذکر فرمایا۔ (تفسیر خازن)

تفسیر اشرفی میں لکھا ہے کہ 'حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام ...... نیر......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرِّیت میں شمار کر کے ظاہر فرما دیا گیا کہ نواسوں کا بھی شمار ذُرِّیت وَاولاد میں ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں بزرگوں سے صرف ماں کے وسیلے سے نسبی وابستگی رکھتے ہیں۔اب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو اولادِ رسول قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا بلکہ بیٹی کی اولاد کا ذُرِّیت ہونا' نص قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ (تفسیر اشرفی)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دِین اوراَدیانِ باطلہ :

﴿یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۚ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَا لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۚ مَا كَانَ اِبۡرٰهِیۡمُ یَهُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۚ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (آل عمران/۶۸۔۶۵)

اے کتاب والو ! ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے (حجت کرتے ہو)' توریت انجیل تو نہ اُتری مگر اُن کے بعد (توریت وانجیل اُن کے زمانہ کے بہت بعد نازل کی گئی)۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں؟ سُنتے ہو یہ جو تم ہو' اس میں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم تھا۔ (تمیں غلط اور جھوٹی باتوں کا علم ہے' تم من گھڑت اور حقیقت کے برعکس

جھوٹی سُنی ہوئی باتوں کو سچ مانتے ہوئے حجت کرتے ہو) اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو (ہر باطل دِین سے الگ) خالص مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔ بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو اُن کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور ایمان والوں کا والی (حامی و مددگار) اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابن اسحٰق، ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نجران کے نصرانی اور یہود کے علماء، حضور نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور آپ کے پاس باہم جھگڑا کیا، یہود کے علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ نصرانیوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ (تفسیر طبری بحوالہ تفسیر درمنثور)

(☆) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دِین کو ثابت کرنے کے لئے مخالفین سے مباحثہ اور مناظرہ کرنا جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب سے مباحثہ کیا اور دلیل قائم کرنے کے بعد مباہلہ کیا یعنی یہ دُعا کی جو ہم میں سے ظالم اور باطل ہو اللہ اس پر لعنت کرے، اسی طرح صحابہ کرام میں سے مہاجرین اور انصار نے سقیفہ بنو ساعدہ میں اس بات پر مباحثہ کیا کہ مہاجرین اور انصار میں خلافت کا مستحق کون ہے۔ مناظرہ اور مباحثہ کا مقصد صرف حق کو ثابت کرنا اور باطل کا رَدّ کرنا ہونا چاہئے، مناظرہ کا معنی ہے فریقین کے دلائل میں نظر کرنا، انانیت، ہٹ دَھرمی، کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔

(☆) ﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ تم اس چیز میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے مناظرہ نہیں

کرنا چاہئیے۔ جو بات آدمی کومعلوم نہ ہواس میں نفسانیت سے ہرگز بحث نہ کرے۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے جوعلم ہوتے ہوئے جھگڑے اُسے تو معذور سمجھا جا سکتا ہے اور جو جہالت کی وجہ سے جھگڑے اس کا کوئی عذر قبول نہیں۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حماد کومناظرہ سے منع کیا' انہوں نے کہا: آپ خود تو مناظرہ کرتے ہیں؟ امام اعظم نے فرمایا کہ تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کب مخالف کوئی کفریہ بات کہے اور ہم اُس کی گرفت کریں' اور ہم مخالف کو ایسے موقع پر سنبھال لیتے ہیں اور اُس کو اِس درجہ کی ضد سے بچا لیتے ہیں۔

ابوالانبیاء جدّ المصطفیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فضائل وکمالات کے سب معترف تھے۔اور سب اس پر متفق تھے کہ آپ کا دِین ہی سچا دِین ہے اور آپ کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔اس لئے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے یہودی یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی دعویٰ کیا کرتے کہ آپ عیسائی تھے۔اُن کے اس غلط دعویٰ کا بطلان کیا جارہا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت بعد کی پیداوار ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تو صدیوں پہلے کا ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے......اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے) جب یہودیت ونصرانیت کا وجود ہی نہ تھا۔اس لئے اُن کو یہودی یا عیسائی کہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُن کے دِین اور طریقہ پر تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن دونوں گروہوں کے دعوی کی تردید فرما کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ان سے بَری فرما دیا اور اُن کی تکثیر جہالت

اور تقلیل عقل کو یوں بیان فرمایا: ﴿وَمَآ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾ توریت وانجیل تو نہ اُتری مگر اُن کے بعد) یعنی اے بے وقوفو ! تمہارے دین پر وہ کیسے ہو گئے، تمہیں جو شریعت دی گئی وہ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک مدت طویلہ کے بعد نازل ہوئی۔ ﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ یہ کلام کا خاتمہ ہے جس سے اہل کتاب کی جہالت وَحماقت ظاہر کرنا مقصود ہے یعنی تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ ایسی موٹی بات سمجھ لو۔

رہا یہ سوال کہ مسلمان بھی اپنے آپ کو مِلتِ ابراہیمی کا پیروکار کہتے ہیں۔اس سے مُراد اصول وعقائد اور احکام شرعیہ میں موافقت۔ ہماری مُراد یہ ہے کہ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد میں موافق ہے جب کہ موجودہ یہودیت اور نصرانیت ان کے موافق نہیں ہے (مِلّتِ ابراہیمی میں کسی طرح کے شرک کا لگاؤ نہیں ہے) کیونکہ یہودی، حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی، سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ توحید صرف اسلام کے موافق ہے۔ اسی طرح نبوت اور آخرت کے متعلق بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد کے موافق ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت کے اصول اور عقائد کے موافق نہیں ہیں اس لئے اصول اور عقائد کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دین، اسلام کے موافق ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی اُن کی موافقت کے دعویٰ دار تھے اور فروع اور احکام شرعیہ کے لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے بعض احکام شریعت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں، مثلاً مناسک حج ،

قربانی، وضو کی سُنّتیں، ختنہ اور غیر ضروری بالوں کا کاٹنا، ناخنوں کو تراشنا وغیرہ...... یہ مِلّت ابراہیم کے احکام ہیں جن کو اسلام نے مقرر اور ثابت رکھا اس لئے فروع کے اعتبار سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شریعت، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے موافق ہے بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو (ہر باطل دِین سے الگ) خالص مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

'سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، لیکن تھے حق پرست پاک' موحد اور بُرے عقائد سے منحرف (مسلمان)، خلوص رکھنے والا اور بارگاہِ الٰہی میں سرِتسلیم خم کر دینے والا (اور نہ تھے مشرکوں سے)۔ اس کے برخلاف اے کتابیو! تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی الوہیت کے اعتقاد کے سبب مشرک ہو گئے، تو تم سب اور تمہارے سوا دوسرے مشرکین عرب جو اپنے کو دِین ابراہیمی والا کہا کرتے تھے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کو ابراہیمی...... یا...... دِین ابراہیمی والا قرار دیں۔ (تفسیر اشرفی)

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے دعوؤں کی تکذیب کی اور فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کی اُمت ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین اور اُن کی شریعت پر ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دین اور کوئی مِلّت اُن کے طریقہ پر نہیں ہے خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مشرکین ہوں جو بُت پرستی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلم تھے اور یہی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت، آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو دِین حنیف پر تھے۔

دِین حنیف سے مراد ہے کہ **قصدا انحراف من الباطل** اور **رجوع الی الحق** دین حنیف تو یہودی، عیسائی اور مشرکین کے بالکل مخالف و برعکس ہے۔

گمراہی سے مُنہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہونے کو عربی میں **الحنف** کہتے ہیں اور حق سے رُوگردانی کر کے گمراہی کی طرف مائل ہونے کو الجنف کہتے ہیں (مفردات)

حنیف کے معنی ہیں: مستقیم، یعنی ابراہیم علیہ السلام کا دین مستقیم ہے۔

حنیف کے معنی ہیں: حج کرنے والا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو حنیف اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے حج کرنے والوں کے امام ہیں۔اور بعض علماء نے کہا حنیف کا معنی اسلام ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: جو شخص ٹیڑھے راستہ سے انحراف کر کے سیدھے راستہ پر چلے وہ حنیف ہے۔ اہل عرب حج اور ختنہ کرنے والے کو حنیف کہتے تھے کیونکہ وہ مِلّتِ ابراہیم پر ہے۔ (المفردات)

خِلّت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی اور آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا، نیز آپ حنیف ہیں۔سب سے کٹ کر، چُھٹ کر اللہ کے ہو رہے۔ اور جو اللہ کا ہو رہے، اللہ اُس کا ہو جاتا ہے لہذا آپ خلیل اللہ ہوئے۔ خدا کرے کہ ہم بھی ماسوی اللہ سے کٹ کر اللہ کے ہو جائیں۔

ہر مسلمان کو ہر بُرے دِین، باطل مذہب، غلط محفلوں اور کتابوں، گندے لوگوں سے ساری عمر بچنا چاہیئے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام باوجود نبی۔معصوم اور تمام علوم سے واقف ہونے کے پھر بھی بُرے لوگوں، بُری محفلوں سے دور ہی رہتے تھے ہم پر تو یہ حنفیت لازم اور واجب ہے۔

مومن کو چاہئیے کہ خالص، اصلی (pure)، نِرا، کھرا مومن ہو۔ کسی بے دِینی کا اس میں خلط نہ ہو۔ یوں ہی اس زمانہ میں ضروری ہے کہ خالص، کھرا سُنّی ہو۔

کسی بدمذہبیت کی طرف اس کا میلان نہ ہو جیسا کہ حنیف سے معلوم ہوا۔ ہم نماز شروع کرتے وقت اقرار کرتے ہیں **حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** اور دُعائے قنوت میں پڑھتے ہیں **وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكَ مَنْ يَّفْجُرُكَ** ہم الگ کرتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار نے صلح کلیت اور مصلحت پسند منافقانہ رُجحان کو کاٹ کر رکھ دیا...... فاروق وہ ہیں جن کی ذات سے رب تعالیٰ نے ایمان اور کفر کے فرق کو ظاہر فرمایا۔

بازار میں خالص سونے، خالص شہد، خالص دودھ، خالص گھی اور تمام خالص چیزوں کی قدر وَ قیمت ہے۔ ملاوٹ، دھوکہ اور جرم ہے۔ مجرم کو سزا دی جائے گی۔ بازارِ قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت ہوگی۔ عقائد ونظریات میں دوغلہ پن یا مصلحت پسند رویہ اختیار کرتے ہوئے ملاوٹ کرنے والے تقیہ باز (منافق) کی کوئی قدر وَ قیمت نہ ہوگی۔ قیامت کے دِن یہ مجرم اور سزاء کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

بہر حال خِلّت کے ایک معنی ہیں غیر سے کٹ جانا اور یار کا ہی ہو جانا۔

حنیف کا معنٰی ہوا ہر باطل وگمراہی سے مُنہ موڑ کر ہمہ تن حق وصداقت کی طرف متوجہ ہونے والا۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو صرف اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے قائل تھے اور اُسی ایک کی عبادت میں سرگرم تھے۔ نہ وہ عُزیر (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا اور نہ مسیح (علیہ السلام) کو اس کا فرزند کہتے تھے۔ نہ صلیب کے پرستار تھے اور نہ مشرکینِ عرب کی طرح کسی پتھر کی مُورتی کے پجاری تھے۔ اُن کی توحیدِ خالص سے تمہاری اس شرک آلود یہودیت ونصرانیت کو کیا نسبت ہوسکتی ہے۔

اہلِ حق سے تعلق اور تقرب کا انحصار اس پر نہیں کہ آپ ان سے اپنی وابستگی کے طویل وعریض دعوے کریں بلکہ اس کا دَارو مدار اُن کی سچی پیروی پر ہے جس نے اُن کے پیغام کو دِل سے قبول کیا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہا، وہی اُن سے قریب ہے۔

وہی اُن کا دوست ہے۔اس لئے قرآنِ حکیم نے تصریح کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تقرب کا شرف یا اُن لوگوں کا حاصل ہے جو اُن پر ایمان لائے۔اور اُن کی پیروی کی یا اس نبی امی (فداہ ابی وامی) کو جس نے دینِ ابراہیمی کو نئی زندگی اور تازہ قوت بخشی اور یا اُن کے جانباز غلاموں کو جو ابراہیمی مشن کو سربلند کرنے کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے آمادہ ہیں۔تمہیں کیا واسطہ اللہ کے خلیل سے جو دُنیا کی محبت اور اقتدار کی ہوس میں یوں کھوئے ہوئے ہو کہ حق کو پہچانتے ہوئے حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔

تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ نجاشی بادشاہ کے دَربار گئے تو انہیں عمرو بن عاص اور عمارہ بن ابی معیط نے آلیا اور اُن صحابہ کرام پر سرکشی کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ نجاشی بادشاہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ یہ جماعت جو مکہ سے تمہارے پاس آئی ہے اُن کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ملک کو خراب کریں' تمہاری زمین میں فساد برپا کریں اور تمہارے رب کو بُرا بھلا کہیں۔ نجاشی بادشاہ نے صحابہ کرام کو بُلا بھیجا۔ جب صحابہ کرام حاضر ہوگئے تو نجاشی بادشاہ نے پوچھا: کیا تم سُنتے نہیں کہ یہ دونوں تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ عمرو بن عاص اور عمارہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تم اس لئے یہاں آئے ہو کہ میرے ملک کو تباہ وَبرباد کر دو اور میرے ملک میں فساد برپا کرو۔حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) نے کہا: اگر تم چاہو تو ہم میں سے ایک کو موقع دو کہ وہ نجاشی بادشاہ سے بات کرے' میں تم میں سے کم عمر ہوں۔اگر بات صحیح ہوگی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توفیق دینے والا ہے۔اگر بات بگڑ گئی تو تم کہنا یہ نوجوان آدمی ہے' اسے گفتگو کا سلیقہ نہیں تو تم عذر پیش کر دینا۔ نجاشی بادشاہ نے اپنے علماء' راہب اور ترجمان اکٹھا کئے پھر صحابہ کرام سے پوچھا: مجھے اس ہستی کے بارے میں بتاؤ جن کے پاس سے تم آئے ہو کہ وہ تمہیں

کیا کہتے ہیں؟ کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟ کیا اُن کی کوئی کتاب بھی ہے جسے وہ پڑھتے ہیں؟ صحابہ کرام نے بتایا: ہاں اللہ تعالیٰ جو اُن کی طرف وحی کرتا ہے وہ اسے پڑھتے ہیں جسے وہ اللہ تعالیٰ سے خود سُنتے ہیں وہ پڑھتے ہیں۔ آپ نیکی کا حکم دیتے ہیں، حُسنِ سلوک کا حکم دیتے ہیں، یتیم پر احسان کا حکم دیتے ہیں، ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور کسی اور کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور سورۂ روم، سورۂ عنکبوت، سورۂ کہف اور سورۂ مریم کی آیات کی تلاوت کی۔ جب قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تو عمرو بن عاص نے ارادہ کیا کہ نجاشی بادشاہ کو ان پر غضب ناک کرے۔ عمرو نے کہا یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ نجاشی بادشاہ نے کہا تمہارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو گفتگو کرنے والے صحابی نے کہا: آپ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبداللہ، رسول اللہ، روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا۔ تو نجاشی بادشاہ نے اپنے مسواک کا ایک تنکا لیا جو اس قدر تھا جتنا آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے اور قسم اُٹھائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں جتنا کہ تمہارے نبی کہتے ہیں، تمہیں بشارت ہو اور تم کوئی خوف نہ کرو، تم آج حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حزب ہو۔ عمرو بن عاص نے پوچھا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حزب سے کیا مراد ہے؟ نجاشی بادشاہ نے کہا، اس سے مراد یہ جماعت اور ان کے نبی ہیں جن کے پاس سے یہ لوگ آئے ہیں اور جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں تھے کہ آپ پر ان کے جھگڑے کے بارے میں آیات نازل ہوئیں:

﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾۔

’غور سے سُن لو کہ بیشک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم علیہ السلام کے وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی تھی اور اُن پر ایمان لا کر اُن کے حکم کی اطاعت کی تھی (اور یہ نبی ﷺ) جو مِلتِ ابراہیمی والا ہے (اور جو اُن کو مان گئے) خواہ وہ اہل شرک سے رہا ہو...... یا...... اہل کتاب سے' پیغمبر اسلام پر ایمان لانے کے بعد' وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اپنے کو ابراہیمی قرار دے' اس لئے کہ پیغمبر اسلام اور آپ کے سارے ماننے والے اُمتی اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ (اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا)' اُن کا دوست اور اُن کا کام بنانے والا ہے۔ اور اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمانے والا ہے۔ اور جب ایمان و نیک عمل والوں کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کا دوست اور اُن کا والی و ناصر ہے تو اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان وَعمل کی حفاظت کے لئے پورے طور پر ہوشیار رہیں' اس لئے کہ ایمان کے لٹیرے گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح پہلے بھی بعض کتابیوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو گمراہ کرنے اور اپنے دِین میں لانے کی کوشش کی تھی۔ ایسے ہی ہر ایمان والوں کے تعلق سے...... (تفسیر اشرفی)

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے دِین' سُنّت' منہاج اور فطرت پر ہیں۔ **هٰذَا النَّبِيُّ** سے مُراد اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** سے مراد مومنین ہیں۔ (تفسیر طبری بحوالہ تفسیر درمنثور)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنوں کی اولاد جنت میں ایک پہاڑ میں ہوں گے جن کی کفالت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کر رہی ہوں گی یہاں تک کہ انہیں قیامت کے روز اُن کے والدین کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ (تفسیر درمنثور)

﴿**قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۚ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**﴾

(آل عمران/۹۵) آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا' تم ابراہیم کی مِلّت کی پیروی کرو

جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے (ہر باطل دِین سے الگ' خالص مسلمان تھے) اور مشرکوں سے نہ تھے۔ (بلکہ اُن کا دِین وہی ہے جو دِین محمدی ہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سورج اور چاند کی عبادت کرنے سے منع کر دیا تھا' اسی طرح انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا تھا' جس طرح عرب بُت پرستی کرتے تھے یا یہود' حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ دِین کے اصول اور عقائد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں اور دِین کی فروع اور بعض احکام شرعیہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں۔ اصول میں موافقت اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے......سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں' اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا سو آپ نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے اس لئے یہود کو دعوت دی ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مِلّت کی پیروی کرو۔

'اے محبوب ! ان یہودیوں کی دِیدہ دِلیری تو دیکھو جو شرک جیسی لعنت میں مبتلا ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کا دَم بھرتے ہیں' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو شرک سے دُور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اے یہودیو ! سُن لو کہ تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث میرے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں' جو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے ہیں۔ جن کی

شان یہ ہے کہ اُن کا ہر ہر عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے سچے جانشین اور حقیقی وارث ہیں اور ملّتِ ابراہیمی والے ہیں۔

تو اے محبوب ! تم حسب معمول حق (پرست، باطل شکن، دِین اسلام پر ثابت قدم رہنے والے اور ہر باطل دِین سے بالکلیہ کنارہ کش ہو جانے والے) ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو جن کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ مہمانوں پر مال ودولت لٹا دیا کرتے تھے آزمائش کے وقت بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ خدا سے قریب سے قریب تر ہونے کے لئے ہر گھڑی سرِتسلیم و رضا کو خم رکھتے تھے اور بلا شبہ وہ مشرک نہ تھے نہ اصول میں مشرکین کے ساتھ تھے، نہ ہی فروع میں۔ (تفسیر اشرفی)

ملّتِ ابراہیمی (دِینِ اسلام) سے رُوگرانی کا انجام :

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۚ يٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۚ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ ۚ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۚ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّاكَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۚ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۚ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۚ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۚ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (البقرۃ/۱۴۰۔۱۳۰)

اور مِلّتِ ابراہیمی (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دِین) سے تو وہی روگردانی کرے گا (منہ پھیرے گا) جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دُنیا میں چُن لیا اور بیشک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے جب کہ اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا گردن رکھ (تم اطاعت اختیار کرو)' انہوں نے عرض کی: میں نے گردن رکھی (اطاعت اختیار کی) اس کے لئے جو رب ہے سارے جہاں کا۔ اور اسی دِین کی وصیت کر گئے ہیں (ابراہیم علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب (علیہ السلام) بھی۔ میرے بیٹو ! اللہ تعالیٰ نے اس دِین (اسلام) کو تمہارے لئے چُن لیا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔ بلکہ تم میں کہ خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق (علیہم السلام) عبادت کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ' لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔ ایک اُمت ہے کہ گزر چکی۔ اُن کے کام' (اُن کے اعمال) اُن کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام' تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم

سے اُن کے کئے ہوئے (اعمال) کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی۔ (اُن کے اعمال کا بدلہ اُن کے ساتھ' اور تمہارے اعمال کا بدلہ تمہارے ساتھ' اُن کے کاموں کی تم سے پوچھ نہ ہوگی)۔ اور یہ (کتابی) کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ' تم بھی راہ پاؤ گے۔ تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کا دِین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جُدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔ یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا (بھیجا گیا) اور اُس پر بھی جو اُتارا گیا (بھیجا گیا) ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق و یعقوب (علیہم السلام) اور اُن کی اولاد پر۔ اور جو عطا کئے گئے موسیٰ وعیسیٰ (علیہا السلام) کو اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء کو اپنے رب کے پاس سے۔ ہم ان (انبیاء کرام) میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ بھی یوں ہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہے۔ تو اے محبوب ﷺ عنقریب اللہ اُن کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سُنتا جانتا۔ ہم دِین کی اس حالت پر ہیں جس میں اللہ نے رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور اسی لئے ہم اسی کو پوجتے ہیں۔ تم فرماؤ: کیا اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی۔ اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ۔ اور ہم نرے اسی کے ہیں بلکہ تم یوں کہتے ہو کہ ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب (علیہم السلام) اور ان کے بیٹے یہودی ونصرانی تھے۔ تم فرماؤ: کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ کو۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کے پاس اللہ کی طرف کی گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائے اور خدا تمہاری کوتکوں (کیے ہوئے' حرکتوں اور اعمال) سے بے خبر نہیں۔

شرک میں مبتلا ہو کر جو لوگ اپنے آپ کو مِلّتِ ابراہیمی کا پیروکار بتاتے ہیں اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ یہ لوگ مِلّتِ ابراہیمی پر تو کسی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ یہ لوگ تو مِلّتِ ابراہیمی کے مخالف اور اس سے پھرے ہوئے ہیں' تو یہ اُن کی کم عقلی اور بیوقوفی ہے۔

مِلّت سے مُراد دین اور شریعت ہے کیونکہ مِلّتِ ابراہیمی دِینِ فطرت ہے اس لئے ہر سلیم الطبع اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ ہاں جن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہوں اور سمجھ بگڑ چکی ہو وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

اسلام کا معنیٰ ہے اللہ تعالٰی کے حکم کے سامنے گردن رکھ دینا یعنی اپنی راحت اور تکلیف' اپنے نفع اور نقصان' اپنی رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کر دے اور بغیر کسی حیل و حجت کے اپنے ربِّ کریم کے احکام کی تعمیل پر کمر بستہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا حقیقی مفہوم۔

یہی وعدہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کیا اور دُنیا شاہد ہے کہ اُس مردِ پاکباز نے کیسے اس عہد کو نبھایا۔ ان کی زندگی میں مشکل امتحان آئے لیکن اُس ذاتِ قدسی صفات نے جس عزم وثبات اور تسلیم وَرضا کا ثبوت دیا۔ اُس نے فرشتوں کو بھی تصویرِ حیرت بنا دیا۔ جن منجنیق میں رکھ کر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی: **هل لك حاجة ؟** کوئی کارِخدمت؟ کوئی ضرورت؟ فرمایا: **امـــا اليك فـلا** تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبریل امین نے پھر گزارش کی۔ **فـاسئـل ربك** اپنے رب سے تو سوال کرو کہ آپ کو اس آگ کے شعلوں سے بچالے۔ جواب دیا: **حسبـي مـن سؤالي علمه بحالي** یعنی جب وہ جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہا السلام نے اپنی اولاد کو دِین اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرماتے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے زیادہ مختصر اور زوردار الفاظ مل نہیں سکتے ۔ **لاتموتن الا وانت مسلمون** یعنی مرنا تو اسلام پر مرنا۔ کیونکہ موت ضرور آنا ہے لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اس لئے ایسی اٹل اور اچانک آ جانے والی چیز کے لئے انسان کو ہر لمحہ مستعد رہنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کے لئے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مبادا وہی آن تمہارے یہاں سے کوچ کرنے کی ہو۔ اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آ گیا تو اپنے کریم رب کے حضور میں کیا منہ لے کر حاضر ہو گے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنّا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کُجا، غفلت کی گرد سے بھی اپنے دِل کے آئینہ کو مکدّر نہ کرے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وصیت میں اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے جو قیامت تک ہر مسلمان کے لئے جاری ہے کہ وہ دِین اسلام پر اتنا مضبوط رہے کہ مرتے دَم تک مسلمان ہو۔

یہودیوں اور نصرانیوں کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ہر محفل اور ہر مجلس میں اس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوتے انھوں نے اُلٹا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے فریب کا پَردہ چاک کرتے ہوئے اُن کی غلط بیانی کی تردید کرتا ہے کہ تمہاری اس شرک آلود یہودیت اور

نصرانیت سے اس موحدِ اعظم کا کیا واسطہ۔ اُن کا دامنِ عصمت تو ان تمام بدنما دھبّوں سے پاک اور منزہ تھا۔

یہود وَ نصاری کی تنگ نظری اور تعصّب کے ذِکر کے بعد اب مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہونا چاہئیے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنھیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگرچہ ان کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تمہارے قرآن کو نہ مانیں اور اُن انبیاء کی اُمت کہلانے والے تمہارے نبی مکرم پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شرانگیزیوں سے اذیت پہنچائیں تب بھی تمہارا رویہ ایسا ہی ہونا چاہئیے کیونکہ تم اللہ کے بندے اور اُس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہو۔

یہود کی رسم تھی کہ جب کوئی اُن کے دِین میں داخل ہوتا تو اسے رَنگ دَار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اُسے اختیار کر لیا۔ اور جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو زَرد رنگ کے پانی سے اُسے غسل دیتے اور پھر یہ سمجھتے کہ اب اس پر یہودیت اور عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دُھلے نہ دُھوپ سے اُڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔ اور اللہ کا رنگ یہی توحیدِ خالص کا رنگ ہے جس کو چڑھانے والا سیّدِ انس و جاں محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ حق کی انجام دہی کو دینی اور دُنیاوی دونوں پہلوؤں سے اس طرح منتہائے کمال تک پہنچایا کہ مذہبی میدان میں حق عبودیت ادا کرتے ہوئے اپنے لختِ جگر تک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا جب کہ دوسری طرف باطل اور طاغوتی نظام کی بیخ کنی اور کفر و شرک کے معاشرے کو توحید و اطاعت حق کے معاشرے میں بدلنے کے لئے آگ تک میں جلنا گوارا کر لیا۔ نتیجتاً رب ذوالجلال

نے آپ کو اُمت حنیف اور آپ کے دِین کو دِین حنیف قرار دیا اور اس کی اطاعت میں ہی دُنیا وَ آخرت کی فلاح قرار دیا :

﴿اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَۙ ‏ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ‌ ؕ اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰٮهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ‏ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ‌ ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَؕ ‏ ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا‌ ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ (النحل/۱۲۳-۱۲۰)

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے مقتدا (امام) تھے۔ (اپنی ذات میں ایک اُمت تھے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور باطل سے جُدا (خالص مسلمان) اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام، مثل یہود و نصاریٰ نہ مشرک تھے نہ ہی آپ نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک مانا) اسی کے احسانوں پر شکر کرنے والے، اللہ نے اُنھیں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو) چُن لیا اور سیدھی راہ دِکھائی اور ہم نے انہیں دُنیا میں بھلائی دی (دُنیا میں حسنہ یعنی بھلائی یہ دی کہ رسالت اور اموال و اولاد اور ثنائے حسن اور قبولیت عامہ ایسی بخشی کہ تمام فرقے اور جماعتیں مسلمان، یہودی، نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ان کی عظمت کرتے اور اُن سے محبت رکھتے ہیں) اور بے شک آخرت میں شایان قرب (صالحین میں سے) ہے۔ پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دِین ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

اے مشرکین مکہ ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثنا خوانی اور تکریم وتحریم کا دَم بھرتے ہوئے اُن کی عقیدت کو مانتے ہوئے اُن کے حکم پر حج کرتے ہوئے اُن کے شہر میں بستے ہوئے اُن کے ہی آبِ زمزم سے جگر ٹھنڈے کرتے ہوئے اُن کی دُعاؤں کے طفیل ہی شہر مکہ حرمِ کعبہ میں دولت نعمت ثروت عزت سے چین کی زندگی گزارتے ہو مگر اُن کی سچی

تعلیم دینِ حق سیرت طیبہ پر چلنے عمل کرنے کی بجائے شرکیہ مخالف راستے پر چلتے ہو اور پھر انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہتے ہو کہ ابراہیم بھی مشرک تھے اور ہمارے دین پر تھے حالانکہ بیشک ہمارے خلیل ابراہیم اپنی ذات میں ہرطرح کی ظاہراً اشارۃً صفات میں کامل تھے اور پوری انسانیت کی اچھائیاں اُن میں موجود تھیں اس لئے وہ خود پوری اُمت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ اِبۡـرٰهِيۡـمَ كَانَ اُمَّةً ﴾ (بیشک ابراہیم علیہ السلام ایک اُمت تھے) یعنی وہ انسان جو تمام خوبیوں کا جامع ہو' پیشوا' امام' ہدایت کرنے والے' بھلائی کی جانب دعوت دینے والے اور وہ جس کی اقتداء کی جائے'۔

تفسیر رُوح المعانی میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اتنی بھلائیاں تھیں جتنی ایک اُمت کے پاس ہوں اور اُمت جماعتِ کثیرہ کو کہتے ہیں۔ آپ کی ذات پر اطلاقِ اُمت اس وجہ میں کیا گیا کہ آپ نے کمالات اتنے جمع فرمائے کہ ایک میں وہ جمع ہونے ممکن نہیں تھے سوائے متفرق جماعتوں کے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ہر وہ جماعت جو کسی ایک امر میں مجتمع ہو' اس کو اُمت کہتے ہیں خواہ اُن کا دِین ایک ہو یا اُن کا زمانہ ایک ہو یا اُن کی جگہ ایک ہو اور خواہ وہ اس چیز میں اپنے اختیار سے مجتمع ہوں یا بغیر اختیار کے۔ مثلاً دِین میں اختیار سے جمع ہوں گے اور کسی ایک زمانہ کے لوگ یا کسی ایک ملک یا شہر کے لوگ غیر اختیاری طور پر مجتمع ہوں گے کیونکہ وہ ایک زمانہ میں یا ایک ملک میں پیدا ہوئے۔

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ (البقرۃ) تمام لوگ ایک صنف اور ایک طریقہ پر جمع تھے یعنی سب لوگ کفر اور گمراہی میں مجتمع تھے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (ہود/ ۱۱۸)
اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔
یعنی تمام لوگوں کو ایمان میں مجتمع کر دیتا۔
﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (یوسف/ ۴۵)
اور (اب) اُسے ایک مدت کے بعد (یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا وعدہ) یاد آیا۔
اُمت کا معنی ہے ایک زمانہ کے لوگوں کے ختم ہونے کے بعد یا ایک عصر کے لوگوں کے گزرنے کے بعد' اور یہاں مراد ہے لمبی مدت گزرنے کے بعد۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دَور میں اپنی ساری زمین پر چودہ (۱۴) مخلص بندے (نقیب اولیاء) مقرر فرمائے جن کے اعمالِ صالحہ اور دُعاؤں کی برکت سے زمین قائم ہے اور اہلِ زمین مصائب سے محفوظ رہتے ہیں لیکن دورِ ابراہیم میں صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی نقیبِ کامل۔ اس لئے بھی آپ کو اُمَّةً فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر' تفسیر نعیمی' تفسیر مظہری' تفسیر ابن کثیر)

﴿اِنَّ اِبْـرٰهِيْمَ كَـانَ اُمَّةً﴾ بیشک ابراہیم (علیہ السلام) اپنی ذات میں ایک اُمت تھے یعنی وہ ایک ایسے شخص تھے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے' پوری اُمت مل کر جتنی عبادت کرتی' وہ تنہا اتنی عبادت کرتے تھے۔

ان تمام معانی کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اُمۃ کہا جا سکتا ہے کون سی ایسی خوبی اور کمال تھا جس سے آپ متصف نہ تھے۔ آپ کی امامت وپیشوائی کی گواہی خود قرآن نے دی ہے ﴿قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ اگرچہ آپ فردِ واحد تھے لیکن اپنے اوصاف وشمائل' اپنے بے نظیر عزم وحوصلہ اور کارہائے نمایاں کے لحاظ سے آپ کسی قوم سے کم نہ تھے۔ جب ہر طرف کفر وشرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا' توحید کی شمع آپ کے دَم سے ہی روشن تھی۔ تمام دُنیا ایک

طرف تھی اور یہ اللہ کا بندہ ایک طرف۔ غرض یہ کہ اُمت کے جتنے معانی یہاں ذکر کئے گئے ہیں وہ سب کے سب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر صادق آتے ہیں۔

﴿قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ (اللہ کا فرمانبردار‘ اطاعت گزار) یعنی ہر حالت میں اور حرکات وَسکنات میں اللہ کے حضور خشوع وخضوع فرمانے والا۔

﴿حَنِيْفًا﴾ (سب سے جُدا) یعنی بصیرت پر مخلص‘ حنیف کہتے ہیں جو ہر باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہو۔ حنیف وہ جو دِینِ اسلام کی طرف دوام وثبات کے ساتھ میلان کرنے والا ہو‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے ختنہ کیا اور جنہوں نے مناسک حج قائم کئے اور قربانی کی اور یہ صفات حنیفیہ ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حنیف ہونے کا منفرد لقب عطا ہوا۔ آپ کی مِلّت بھی حنیف ہے‘ حنفیت کی دس خصلتیں اور سُنّتیں ہیں: (۱) ڈاڑھی رکھنی (۲) مونچھوں کو چھوٹا کرنا یعنی لبوں کے بال کاٹنا (۳) بغل کے بال مونڈنا (۴) ختنہ کرانا (۵) بال زیرِ ناف مونڈنا (۶) ناخن تراشنا (۷) قربانی کرنا (۸) مسواک کرنا (۹) حجامت کرانا (۱۰) غسل کرنا‘ خوشبو لگانا۔ اور یہی سُنّتیں مِلّتِ ابراہیمی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے خلیل کی جو توصیف اور مدح وثناء فرمائی ہے اُسے پڑھ کر ہی عظمتِ خلیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور وہ مشرک نہ تھے۔ کفارِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم دِین ابراہیمی کے پیروکار ہیں‘ حالانکہ تم نے سینکڑوں بتوں کو خدا بنا رکھا ہے اور اُن کی پوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو موحد تھے اُن کا کفر وشرک سے تو دُور کا واسطہ بھی نہ تھا بلکہ بت خانہ میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالا جس کے سبب سے آگ میں ڈالے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بچپن‘ جوانی اور

تمام عمر موحد رہے اور توحید پر دلائل قائم کرتے رہے۔ نمرود پر حجت قائم کرتے رہے۔

﴿ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ﴾ اس کے احسانوں پر شکر کرنے والا) یعنی اپنے تمام اعضاء قلب وزبان اور اعمال کے ذریعے اپنے رب کا شکر کرنے والا۔ روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے' ایک دن اُن کو کوئی مہمان نہیں ملا تو انہوں نے اپنا کھانا مؤخر کر دیا۔

﴿ اِجْتَبٰهُ ﴾ اللہ نے اُسے چُن لیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے اُسے چُن لیا' اپنی رِسالت کے لئے منتخب فرمالیا (اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت کے لئے پسند فرمالیا) اور اپنا خلیل بنالیا اور دُنیوی واُخروی ساری سعادتیں اُن میں جمع فرمادیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ صفی اللہ (سیدنا آدم علیہ السلام) سے افضل کلیم اللہ (سیدنا موسیٰ علیہ السلام) ہیں۔ کلیم اللہ (سیدنا موسیٰ علیہ السلام) سے افضل خلیل اللہ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) ہیں' اور خلیل اللہ سے افضل حبیب اللہ (سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو صفی اللہ یعنی مصطفیٰ اور خلیل کے لئے فرمایا ﴿ اِجْتَبٰهُ ﴾ یعنی مجتبیٰ۔ لیکن چونکہ آقاءِ دوعالم حضور اقدس محمد رسول اللہ جامع کمالات ہیں اس لئے آپ مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی۔

وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقهٖ ونور عرشهٖ وزینة فرشهٖ سیدنا ومولٰنا محمد وعلی الهٖ وبارك وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں واضح فرمادیا کہ نہ تو وہ یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ وہ تو ہر باطل دین سے جُدا خالص مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرک تھے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ ﴾ بیشک سب لوگوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ حقدار وہ تھے جو اُن کے پیرو ہوئے یعنی وہ لوگ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دَور میں اُن

کے دین کے پیرو کار رہوئے اور وہ لوگ جنہوں نے بعد میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا (وَهٰذَا النَّبِیّ) یعنی حضور اکرم ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کے لئے اس دِین کو مشروع کیا جو ہر باطل سے جُدا تھا اور جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشروع کیا گیا تھا۔ اس دینِ حنیف کو آپ کے لیے مکمل و تمام فرمایا اور حضور نبی کریم ﷺ کو وہ کچھ عطا فرما دیا جو آپ سے قبل کسی نبی اور رسول کو نہ عطا کیا گیا تھا۔ دِین ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھے، یعنی صحت عقائد، مکارم اخلاق، دعوت وارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی دلنشینی اور منکرین کے جور وَ جفاء کے مقابلہ میں حلم وَ بردباری یہ وہ سُنّتِ ابراہیمی ہے جس کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جو شخص تبلیغ وَ ارشاد کی ذمہ داری سنبھالتا ہے اُسے اسوۂ ابراہیمی پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔

﴿ ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾

پھر سب سے بڑی فضیلت اور شان وَعظمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ملی کہ اے پیارے نبی ! ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اس بات کی کہ آپ بھی اُسی طریقے کی اتباع کرو جس کی پیروی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور جو راستہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دِکھایا اور وہ اُس پر چلے، اے نبی تم بھی اس پر چلو۔ اس ایک حکم سے تا قیامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام روشن ہوگیا، ہر وقت کی نمازوں میں، تکبیر وتشریق میں، کعبہ ومِنیٰ میں، قربانی وحج میں، سیرتِ مصطفیٰ میں مومن کی ہر ادا میں ابراہیم کی یادگار قائم ہے، اگر ایسا نہ ہوتا ''

تو ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ ومنیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اے لوگو ! صرف ابراہیم کی شخصیت ہی حنیف نہ تھی بلکہ اُن کی ہر ادا' ہر سُنّت' اور ہر مِلّت حنیف تھی۔ اسی لئے اپنے حبیب نبی المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کو ہم نے ہی اس پر چلنے اور عمل وَ اختیار فرمانے کا حکم دیا تا کہ قیامت تک ہر مومن مسلمان پیارے نبی کے واسطے سے مِلّتِ ابراہیمی پر چل کر ہماری بارگاہ میں حنیف' طیب' پاکباز' منزہ ہر اچھائی سے' مبرّا ہر بُرائی سے' قریب ہر حق سے رہے' دُور ہر باطل سے اور پاک ہر عیب سے ہو جائے۔ یہ ابھی تک ہم نے اپنے خلیل علیہ السلام کی جتنی بھی شانیں بیان فرمائی ہیں اور ان کی زندگی کی جیسی سچی تصویر کھینچی ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ بالکل قطعاً ہرگز وہ ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے۔ اس لئے کہ مشرک تو زمین پر بدترین انسان ہے نہ وہ حنیف ہوسکتا ہے نہ شاکر' نہ صالح' نہ قانت۔ اور مشرک کے پاس نہ ہدایت ہوتی ہے نہ حسنہ۔ مشرک حنیف نہیں بلکہ ہر بُرائی میں غلیظ ہوتا ہے شکرگزار نہیں بلکہ اپنے ہر قول وفعل میں ناشکرا۔ بت پرستی کرنا اور سچے رب کا آستانہ چھوڑ کر باطل کی چوکھٹ پر سر رگڑنا' ناشکری کی بدترین اور سب سے بڑی مثال ہے۔ مشرک کے پاس دُنیا میں حسنہ اور آخرت میں اعمالِ صالحہ نہیں ہوتے۔

﴿قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (انعام/۱۶۳-۱۶۱)

کہہ دو کہ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دِکھائی' ٹھیک دین' ابراہیم علیہ السلام کی مِلّت۔ جو ہر باطل سے الگ تھے اور مشرک نہ تھے۔ کہو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے

جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اُس کا' اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رَد فرمایا' اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو مِلّت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ ان بت پرستوں اور مشرکوں سے کہیے کہ میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی مِلّت حنیفہ **مستقیمه** ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دِین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی مِلّت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل اَدیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

آیت میں لفظ **صلوٰة** سے مُراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور **نُسُكِ** سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال اور عبادات ہیں قربانی بھی اس میں داخل ہے۔۔

'کہو کہ میں دِین حنیف اور مِلّتِ ابراہیمی والا ہوں' تو بیشک میری نماز' میری قربانی اور زندگی (یعنی میں زندگی میں جس کام پر ہوں) اور جو میرے معمولات ہیں اور موت (یعنی وہ چیز جس پر میں مَروں ایمان وطاعتِ الٰہی میں سے)' سب کا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' جو پروردگار ہے سارے جہان کا۔ (تفسیر اشرفی)

حضور نبی کریم ﷺ کا سب سے پہلے مسلم ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اپنی اُمت میں سب سے پہلے آپ ﷺ ' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور آپ کے بعد آپ کی اُمت آپ کی دعوت سے اس شرف سے مشرف ہوئی' یا اوّلیت سے مراد اوّلیت حقیقیہ ہے کہ سب مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفانِ اتم ہمارے آقا ومولا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ہوا کیونکہ ہر چیز سے پہلے حضور ﷺ کے نور کی تخلیق ہوئی اور سب سے پہلے حضور ﷺ نے ہی اپنے رب کی توحید کی شہادت دی۔

قال قتادہ: ان النبی ﷺ قال کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرھم فی البعث (قرطبی) قتادہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد **انہ اول الخلق اجمع** (قرطبی) یعنی حضور ﷺ کی پیدائش سب مخلوق سے پہلے ہوئی۔

عموماً مفسرین ﴿ **وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ** ﴾ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس اُمت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث **کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد** (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی روح وجسد کی درمیانی منزلیں طے کر رہے تھے) کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اوّل المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

حضور ﷺ عبد کامل ہیں جہاں عبودیت کی انتہاء ہو جاتی ہے عبودیت کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر صرف اسی محبوب کی رسائی ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور ﷺ کو معبود والہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور ﷺ کی عبادت کرتا ہے بلکہ ہر نماز میں کئی بار وہ اعلان کرتا ہے کہ **اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ ' اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ بھی اعلان ہو رہا ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ فرمایئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔

راہ حق میں ثابت قدم رہنے اور شمع توحید کو روشن کرنے کی تاکید میں صرف تمہیں نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرے رب نے مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں حضور کریم ﷺ عالم شہادت میں اس اُمت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اوّلین وآخرین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا موتیوں سے جڑا محل :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک محل ہے راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا ہے نہ تو کوئی اس میں شگاف ہے اور نہ ہی پھٹن۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس محل کو بطور میزبانی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تیار فرمایا ہے۔

معراج کی رات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حضور ﷺ سے ملاقات :

خصائص الکبریٰ میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ کو کچھ احباب ملے۔ انھوں نے ان الفاظ میں آپ پر سلام پڑھا : **السلام علیك یٰا اول السلام علیك یٰا اٰخر السلام علیك یٰا حاشر۔** جبریل علیہ السلام نے عرض کیا حضور یہ سلام کرنے والے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔

معلوم ہوا کہ انبیائے سابقہ بھی آپ کو اوّل اور آخر کہہ کر پکارتے تھے۔ حضور ﷺ اوّل بھی ہیں اور آخر بھی' سب سے پہلے پیدا کئے گئے اور سب سے آخر بھیجے گئے۔

مظہر امام اعظم محی الحنفیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

نماز اقصٰی میں تھا یہی سر عیاں ہوں' معنی اوّل آخر
کہ دَست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

شاعرِ مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں :

نگاہِ عشق وَمستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے **مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح** یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات مسجد اقصٰی میں ہوئی' وہ اپنے اپنے مزارات مقدسہ میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی' اس کے بعد آسمانوں پر بھی اُن میں سے اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کو خداوند قدوس نے یہ طاقت عطا فرما رکھی ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جلوہ افروز ہو سکتے ہیں اور یہی عقیدہ اہل سُنّت و جماعت کا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حلیہ مبارکہ :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کائنات حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء کو پیش کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے خوبرو مرد تھے گویا کہ اُن

مَردوں میں سے تھے جن پر حسد کیا جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کو دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے مشابہہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے غلام وحیہ کلبی (رضی اللہ عنہ) کے مشابہہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ مکرم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ والے، گھنگریالے بالوں والے اور کشادہ سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی طرح بڑے قد آور اور برجسیم تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اور ابراہیم علیہ السلام؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اپنے صاحب (خود حضور ﷺ) کو دیکھ لو۔ (قصص الانبیاء)

مجاہد علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے انبیاء کرام کے حلیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے سُنا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہتے ہو تو گویا اپنے آقا ﷺ کو دیکھ لو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کھجور کی چھال سے بنی ہوئی مہار والی سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر ایک وادی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ (بخاری)

ذکرِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سلام :

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۚ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الصفٰت/۱۱۰) اور پیچھے آنے والوں میں ہم نے اُن کا ذکرِ خیر چھوڑا۔ سلام ہو ابراہیم پر، نیکی کرنے والوں (محسنین) کو ہم اسی طرح بدلہ (اجر) دیتے ہیں۔

﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الصفٰت/۱۸۲)

اور سلام ہو پیغمبروں پر، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ (النمل/۵۹)

(اے حبیب) آپ فرمائیں سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور سلام اُس کے منتخب بندوں پر۔

پیدائش، وفات اور حشر کے دن انسان کے لئے خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں اہم موقعوں پر امن وَ سلامتی عطا فرمائی۔

بعد وفات ذکرِ خیر دُنیا میں رہنا اللہ کی رحمت ہے۔ لوگ اپنا ذکرِ خیر باقی رکھنے کے لئے بڑی کوششیں کرتے ہیں مساجد، کوئیں، پُل، مسافر خانے، دینی مدارس، کتب خانے وغیرہ بناتے ہیں، کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

فرشتے، جنات، جانور، انسان تا قیامت انبیاء علیہم السلام کو سلام عرض کرتے ہیں۔ نیک کاروں (محسنین) کا ذکرِ خیر باقی رہتا ہے فرشتے انھیں سلام بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔

(۱) انبیاء کرام کو علیہ السلام کہنا چاہیئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام۔ کسی اور بزرگ کے نام پر علیہ السلام نہ کہا جائے جیسے امام حسین علیہ السلام، کیونکہ علیہ السلام نبیوں کے لئے ہے۔

(۲) حضور ﷺ پر سلام بھیجنا **یانبی سلام علیك یا السلام علیك ایها النبی** جائز ہے۔ (کنز الایمان، تفسیر نور العرفان)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور بیماروں پر جھاڑ پھونک :

اسلام نے شرک کو بیخ وبُن سے اُکھیڑ کر رکھ دیا۔۔اس لئے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لئے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش، تعویذات

وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دَم کرنے، جھاڑ پھُونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے اُن جملہ احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مُراد ہیں، لیکن ایسا دم اور تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی، یا سَرورِ عالم ﷺ کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو، یا جس نقش میں، یا دَم میں شرکیہ بات نہ ہو، اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور ﷺ خود بھی اپنے آپ کو دَم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دَم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دَم فرمایا کرتے۔۔ عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کرام کا بھی یہ معمول تھا، اُس وقت سے لے کر اب تک پاکانِ اُمّت کا بھی یہ دستور رہے۔

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام کو یہ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔

☆ **اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَآمَّةٍ ۔**

اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلی بلا کے شر سے اور ہر لگنے والی نظر بد کے شر سے۔

بچّے کو نظر بد اور ہر طرح کی آفت و بلا، دُکھ، بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈلیں۔

اللہ کے خلیل : ارشادِ ربّانی ہے :

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النساء/ ۱۲۵)

اور اس سے بہتر کس کا دِین جس نے اپنا چہرہ (رُخ) اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے (جو سَرتا پا اطاعت ہی اطاعت ہو، اس سے نیکی ہی نیکی صادر ہو، بُرائی کا اس

سے ظہور نہ ہو' ہر طرف سے مُنہ موڑ کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو) اور وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے دِین پر جو ہر باطل سے جُدا تھا (اور وہ مِلّتِ ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں) اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

تفسیر اشرفی میں لکھا ہے کہ "کسی بھی دین کے واجب القبول' برحق اور بہتر ہونے کی ایک پہچان تو یہ ہے کہ وہ ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہو' اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اُس کے آگے سَر جھکا دیتا ہے......سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا' وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کے رسولوں' اس کی کتابوں' اس کے فرشتوں اور اس کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اس کے ارشادات پر سرِ تسلیم خم کر لیا جائے اور اللہ کے آگے سَر جھکانا اُسی وقت صحیح ہوگا جب غیر اللہ کے آگے سَر نہ جھکایا جائے اور کسی غیر خدا کی پرستش نہ کی جائے۔

اس پیمانے پر اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے آگے سَر جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں......المختصر...... یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہے۔ اسی طرح لفظ 'محسن' اپنے اختصار کے ساتھ تمام اعمال کو بجا لانے اور تمام بُرے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے۔ تو جب صرف دین اسلام ہی تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے تو اس سے اچھا اور کون سا دِین ہوگا۔ تو اب اسی دِین کو قبول کرنا واجب ہوا۔ دِینِ اسلام ہی دِینِ برحق ہے۔ (تفسیر اشرفی)

اے لوگو! خود سوچو کہ اس سے زیادہ اچھے دین والا کون ہوگا جس کے اعمال بھی اچھے ہوں' عقیدے بھی درست ہوں۔ اعمال تو اس طرح کہ وہ اپنے کو اُن کے سُپرد کر دے' عقیدے اس طرح کہ وہ محسن ہو' دِلی اخلاص رکھتا ہو اور دین ابراہیمی

یعنی اسلام کا پیرو کار رہو۔ ہر بُرائی اور ہر بُرے سے دُور رہے۔ دینِ اسلام ہی دِین ابراہیمی کے مطابق ہے۔ یہودیت وَ نصرانیت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دیکھ لو حج، خانہ کعبہ کی طرف نماز، ختنہ، ڈاڑھی بڑھانا، مونچھ ناخن ترشوانا غرضکہ تمام ابراہیمی سُنّتیں صرف اسلام میں ہیں کسی اور دِین میں نہیں۔ اب صرف مسلمان ہو کر ہی انسان دِین ابراہیمی کی پیروی کر سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی ترغیب دی کیونکہ وہ دین قیم اور صراط مستقیم پر کاربند تھے اور آپ نے ہر حکم الٰہی پر سرِ تسلیم خم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اُن کی مدح فرماتے ہوئے کہا: ﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ﴾ (النجم/۳۷) اور ابراہیم (علیہ السلام) جو پورے احکام بجالایا۔

مفسرین نے کہا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو بھی حکم الٰہی ہوا اسی کو بجالائے اور ایمان کے جملہ خصائل وَ شعبہ جات پر قائم ودائم رہے اور امر الٰہی کی بجا آوری کی خاطر چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے نہ تو بڑے بڑے کام انہیں مشغول رکھتے تھے اور نہ ہی بڑی بڑی مصلحتیں اور مصروفیتیں چھوٹی چھوٹی باتوں کو فراموش کرنے دیتی تھیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنالیا اور خلۃ کا مطلب ہے انتہائی محبت۔ خلیل کا لفظ اس حبیب اور محبّ پر بولا جاتا ہے جس کے دِل میں اپنے محبوب کی محبت یوں بس جائے کہ کسی غیر کی محبت کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلۃ اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ جائے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے: اے محبوب ! جہاں جہاں میری رُوح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔

خیال رکھو کہ مِلّتِ ابراہیمی ہمارے ہاں بڑی مقبول ہے کیوں نہ ہو کہ یہ مِلّتِ ابراہیمی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہوا ہے۔ خلیل بھی اللہ

کو پیارے اور خلیل کا دین بھی اللہ کو پیارا' لہذا جو اس پیارے کے پیارے دِین کا پیرو ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا۔ بڑوں سے نسبت' چھوٹوں کو بڑا کر دیتی ہے۔ آبِ زمزم تمام پانیوں سے افضل۔ صفا مروہ پہاڑ تمام پہاڑوں سے بہتر۔ مکہ معظّمہ تمام شہروں سے بڑھ کر کیونکہ انہیں بزرگوں کے دم یا قدم سے نسبت ہے تو جو گنہگار مسلمان' ہمارے مقبول بندے کا ہو جائے وہ مقبول ہوگا۔

دِین کی عظمت' دِین والے نبی کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے لہذا دِین و مِلّت کی عزت دِکھانے کے لئے اس دِین کے پیغمبر کی عزت و محبوبیت ظاہر کرنی چاہیئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں مِلّت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا تو ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام کے فضائل ارشاد فرمائے کہ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾۔

خِلّت' اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی اور آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔

آج اگر اسلام کی عزت و عظمت ظاہر کرنا ہے تو حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان و عظمت کے خطبے پڑھو مگر افسوس کہ اس زمانہ کے بعض مسلم نما مُرتدین نے حضور ﷺ کی شان گھٹانے کو توحید سمجھا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

حبیبِ کبریاء حضور خاتم الانبیاء سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی اعلیٰ مقام وَ مرتبہ پایا ہے۔

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ محبت کا جو مقام محبوب رب العالمین ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل کا طائرِ آرزو بھی وہاں پَر نہیں مار سکتا۔ (روح المعانی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنا خلیل ویسے ہی بنالیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام

کو بنایا تھا۔ (صحیحین)

اے لوگو ! اگر روئے زمین پر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ)، اللہ کا خلیل ہے۔

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے، آپ نے نماز فجر پڑھائی، اس میں قرأت کی تو یہ آیت بھی تلاوت کی: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾

اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

لوگوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، بیشک ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ صحابہ کرام بیٹھے حضور نبی کریم ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ حضور ﷺ تشریف لائے، ملاحظہ فرمایا کہ صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے بھی گفتگو سُننا شروع کر دی۔ کسی نے کہا، تعجب ہے ! اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل منتخب فرما لیا۔ دوسرے نے کہا، سبحان اللہ ! موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی نصیب کیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ ایک نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے، سلام کیا اور فرمایا کہ میرے اصحاب ! میں نے تمہارے کلام کو بھی سماعت فرما لیا اور تمہارے تعجبات کو بھی ملاحظہ کر لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ اور یہ دُرست ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ یہ بھی دُرست ہے عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ ہیں۔ یہ بھی دُرست ہے حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔ **الا وانی حبیب الله** سُن لو ! میں حبیب اللہ

ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ۔ سُن لو ! میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی جنت کے دَروازے کو کھٹکھٹاؤں گا ۔ اللہ تعالیٰ اس کو کھولے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے ۔ میں بروز قیامت اوّلین وآخرین میں سب سے معزز ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ۔ (یعنی مجھے فخر نہیں کہ مجھے قیادت ملی بلکہ کائنات عالم کو فخر کرنا چاہئیے کہ انہیں مجھ جیسا قائد مل گیا ہے)

حاکم علیہ الرحمہ نے اپنی مستدرک حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے حبیب ہونے اور اللہ کے دِیدار کرنے کا انکار کرتے ہو؟ **صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين ۔**

اسحاق بن بشار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو اُن کے دِل میں خوف پیدا ہوگیا' خوفِ خداوندی سے اُن کا دِل پھڑکتا تھا' پھڑکنے کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں جس طرح فضاؤں میں پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز آتی ہے ۔ (قصص الانبیاء)

مقامِ خلیل :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی کی ہے ۔ (۳۵) مقامات پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہوا ان میں سے (۱۵) مرتبہ سورۂ بقرہ میں ہے اور آپ پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں جن کے نام خصوصی طور پر احزاب وشوریٰ میں ذکر کئے گئے ہیں ۔ ان دونوں صورتوں میں فرمان الٰہی یوں ہے :

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ (الاحزاب/ ۷)

اور اے محبوب (ﷺ) ! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد (اقرار) لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے بھی اور ہم نے اُن سے خوب پختہ عہد لیا۔

نکتہ : یہاں نبیوں سے عہد (اقرار) کا ذکر ہو رہا ہے کہ اور ہم نے تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے عہد لیا۔

آیت میں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر سب سے پہلے ہو رہا ہے پھر حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کا حسبِ ترتیب زمانی ذکر ہو رہا ہے۔ اگر حضور نبی کریم ﷺ کی تخلیق سب سے آخر میں ہوتی تو ذکر کی ترتیب بھی سب سے آخر میں ہوتی۔......المختصر......حضور نبی کریم ﷺ تخلیق کے اعتبار سے سب سے اوّل ہیں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخر۔

قال قتادہ: ان النبی ﷺ قال کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرھم فی البعث (قرطبی) قتادہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد **انہ اول الخلق اجمع** (قرطبی)

یعنی حضور ﷺ کی پیدائش سب مخلوق سے پہلے ہوئی۔

حدیث پاک ہے **کنت اول الناس فی الخلق واٰخرھم فی البعث** میں تخلیق کے اعتبار سے تمام انسانوں سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر۔

(السراج المنیر شرح جامع صغیر)

قرآن کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کو اسی مقصد سے عبارت ٹھہراتا ہے

جو مقصد حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) اور حتیٰ کہ حضور سیدالمرسلین ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا اور اس مقصد کو قرآن حکیم 'اِقامت دِین' کا عنوان دیتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ/۱۳)

تمہارے لئے دِین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اُس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا۔ اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔ اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا کہ دِین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

انبیاء و رُسل علیہم السلام کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تشریف لائے لیکن اُن میں جلیل القدر جن کے پیروکثیر تعداد میں ہوئے چار ہیں:

(۱) سید الانس والجن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

(۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

(۳) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

(۴) حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام۔

حضور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد مخلوق میں افضل ترین سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں دیکھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ بیت المعمور جس میں روزانہ ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں جو فرشتہ ایک مرتبہ داخل ہو گیا تا قیامت دوبارہ اس کی باری نہیں آتی۔

شریک ابن نمیر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
بے شک کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افضل ہونے پر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ فرمان عالیشان بھی دلالت کرتا ہے کہ میں نے اپنی تیسری دُعا اس دن کے لیے مخصوص کر رکھی ہے جس دن ساری مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔

یہی وہ مقام محمود ہے جس کی خبر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بایں الفاظ دی ہے **انا سید ولد آدم یوم القیامه ولا فخر** میں بروز حشر اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت طلب کریں گے پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لیکن جملہ انبیاء کرام اس سے معذوری کا اظہار فرمائیں گے حتیٰ کہ مقام محمود پر فائز رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں آئیں گے۔ حضور شفیع المذنبین فرماتے ہیں **انا لها انا لها** ہاں میں ہی شفاعت فرمانے والا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا **من اکرم الناس** لوگوں میں سے سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ فرمایا: لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہے۔ عرض کی گئی، نہیں: ہم نے اس حوالے سے عرض نہیں کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یوسف، اللہ کے نبی بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ علیہم السلام۔ عرض کیا گیا، ہم اس حوالے سے بھی سوال نہیں کرتے۔ فرمایا: تم قبائل عرب کے حوالے سے مجھ سے پوچھتے ہو۔ سُنو ! جو زمانہ جاہلیت میں

بہتر لوگ تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ جب وہ سمجھ دار ہو جائیں گے۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کریم ابن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں اور برہنہ جسم اُٹھائیں جائیں گے سب سے پہلے جنہیں لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے پھر آپ (ﷺ) نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُه ﴾ (الانبیاء/۱۰۴) جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے۔ (صحیحین عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ معین فضیلت حضور سید المرسلین ﷺ پر افضل ہونے کے لئے کافی نہیں' کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے بے شمار خصائص ہیں ان میں سے ایک مقام محمود بھی ہے جس پر اوّلین و آخرین سب رشک کناں ہوں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کو **یاخیر البریة** (مخلوق میں سے بہتر) کہا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مسند امام احمد)

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے والد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے بطور عاجزی وانکساری یوں فرمایا کہ **ذاك ابراهيم** کہ بہتر مخلوق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن گرج دار آواز سے بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں پہلا شخص ہوں کہ جسے ہوش وحواس ہوگا۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ انہیں افاقہ نصیب ہوا' یا کوہ طور کی بے ہوشی کے عوض اُن کی بے ہوشی زائل ہوگئی۔ یہ تمام باتیں حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان عالیشان کے منافی نہیں ہیں جو کہ آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے **انا سید ولد یوم القیامه** میں بروز حشر اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔

ایسے ہی صحیح مسلم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے تیسری دُعا اسی دن کے لیے مخصوص کر لی ہے جس دن جملہ مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ پر رشک کناں ہوں گے۔

جب حضور اکرم نورِ مجسم محبوب کائنات ﷺ کے بعد اولوالعزم اور افضل الرسل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تب ہی تو ہر نمازی کو اپنی تشہد میں درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم ہے۔

صحیحین میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! ہم نے سلام آپ کے حضور عرض کرنے کا طریقہ تو پہچان لیا آپ کے حضور درود کیسے پیش کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کہو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ٥

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

حبیب اللہ اور خلیل اللہ :

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿تِلْكَ الرَّسُوْلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ یہ رسول جن کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے (نفس نبوت میں تو سب انبیاء کرام برابر ہیں مگر فضائل و مراتب کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے)

حضور ﷺ کے درجات کی بلندی کس قدر ہے یہ اُن کا خالق ہی جانتا ہے۔ حضور سید المرسلین ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کا دائرۂ نبوت وسیع نہ تھا بلکہ زمانی وَ مکانی حدود کے اندر تھا مگر حضور نبی مکرم ﷺ اس شان کمال کے نبی و رسول ہیں کہ جب تک کائنات اُفق پر آفتاب اپنی تابانیوں کے ساتھ روشنی بکھیرتا رہے گا اس وقت تک نبوت محمدی کا پرچم لہراتا رہے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ رب العزت کے حضور عرض کیا کہ اے پروردگار ! مجھ سے پہلے جتنے بھی تو نے انبیاء کرام بھیجے ہیں تو نے اُن سب کو عزت بخشی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑ مسخر کر دیئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردے زندہ کر دیئے، اے اللہ ! تو نے میرے لئے کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے حبیب ! کیا میں نے تجھے افضل چیز عطا نہیں فرمائی؟ جب میرا ذکر ہوگا تو وہاں تیرا بھی ذکر ہوگا اور میں نے آپ کی اُمت کے سینوں کو انجیلیں بنا دیا ہے یعنی قرآن کے لئے محفوظ بنا دیا ہے اور وہ قرآن کو زبانی پڑھے گی اور یہ شرف میں نے کسی اور اُمت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے عرش کے خزانوں میں ایک خزانہ عطا کیا یعنی **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** نہیں طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہیں طاقت نیکی کرنے کی مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔ (تفسیر ابن کثیر)

قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں نے آپ کا ذکر بلند کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دُنیا وآخرت میں یوں بلند فرمایا کہ کوئی خطیب اور کوئی کلمہ پڑھنے والا ایسا نہیں مگر وہ بلند آواز سے پکارتا ہے:

اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمد رسول الله (درمنثور)

حضرت شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں :

عام مومنوں کے مقام کی انتہاء ٔ وَلیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

وَلیوں کے مقام کی انتہاء ٔ شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

شہیدوں کے مقام کی انتہاء ٔ صدیقوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

صدیقوں کے مقام کی انتہاء ٔ نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

نبیوں کے مقام کی انتہاء ٔ رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

رسولوں کے مقام کی انتہاء ٔ اولعزم کے مقام کی ابتداء ہے۔

اولوالعزم کے مقام کی انتہاء ٔ حضور سید المرسلین ﷺ کے مقام رفیع کی ابتداء ہے۔

اور آپ (ﷺ) کے مقام رفیع کو کوئی انسان نہیں جان سکتا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں ٔ موسیٰ کلیم اللہ ہیں ٔ عیسیٰ روح اللہ ہیں ٔ آدم صفی اللہ ہیں۔علیہم السلام۔مگر ہم حبیب اللہ ہیں۔ ہم شفیع المذنبین ہیں۔ہم ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے ٔ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سارے اوّلین وآخرین سے افضل ہیں۔ (ترمذی ٔ درامی ومشکوٰۃ)

اس کی شرح مرقات میں ہے کہ خلیل مُرید ہیں حبیب مُراد ٔ خلیل سالک ہے ٔ حبیب مجذوب ٔ خلیل طالب ٔ حبیب مطلوب ٔ خلیل وہ جو رب کی رضا چاہے ٔ حبیب وہ کہ رب تعالیٰ اُس کی رضا چاہے۔ ﴿**وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى**﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔۔

﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ ۔۔عنقریب ہم تجھے اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس سے تو راضی ہو جائے۔ خلیل وہ ہے جسے مغفرت کی امید ہو، حبیب وہ جس کی مغفرت درجہ یقینی میں ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** حبیب کے لئے فرمایا گیا ﴿**لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ**﴾ اس لئے فرمایا گیا کہ ابراہیم خلیل ہیں اور ہم حبیب۔ (مرقاۃ)

☆) قرآن کریم نے حضرت خلیل علیہ السلام سے تمنائے وصال نقل کی ہے۔

﴿**اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْن**﴾ (الصٰفٰت/۹۹) میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں قریب ہے کہ وہ مجھے راہ دے۔

لیکن حبیب ﷺ کو خود بلا کر عطائے دولت کی خبر دی۔

﴿**سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ**﴾ (بنی اسرائیل) پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔

الحاصل حضرت خلیل علیہ السلام تمنائے لقاء کا اظہار فرما رہے ہیں اور حبیب کو 'عطائے لقاء' کے لیے قریب کیا جا رہا ہے۔

☆) قرآن کریم نے حضرت خلیل علیہ السلام سے آرزوئے ہدایت نقل فرمائی ہے۔

﴿**سَيَهْدِيْنِ**﴾ قریب ہے کہ وہ مجھے راہ دے۔

لیکن اپنے حبیب ﷺ سے خود ارشاد ہوا۔

﴿**وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا**﴾ اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۔

الغرض ایک طرف آرزوئے ہدایت ہے اور دوسری طرف مژدہ ہدایت ہے۔

☆) قرآن کریم نے نبینا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے۔ وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں :

﴿وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴾(الشعراء/۸۷) مجھے رُسوا نہ کرنا جس دن لوگ اُٹھائے جائیں گے

لیکن اپنے حبیبﷺ کے لیےخود ارشاد ہوا :

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ (التحریم/۸) جس دن خدا رُسوا نہ کرے گا نبی اور اُس کے ساتھ والے مسلمانوں کو۔

الحمد للہ حضورﷺ کے صدقے میں صحابہ بھی اس بشارت عظمٰی سے مشرف ہوئے ، المختصر حضرت خلیل علیہ السلام التجا کر رہے ہیں اور حبیب مژدہ ساعت فرما رہے ہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ لسلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ! مجھے قیامت کے دن رُسوا نہ کرنا۔آپ کی طرف رُسوائی کا سوال ہی کیا ! آپ کے دَامن سے کتنے رُسواؤں کو نجات ملے گی لیکن بندہ کو حق ہے کہ وہ جیسا چاہے سوال کرے۔ یہاں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رُسوائی کا سوال نہیں' یہ تو سیدنا خلیل نے سوال کیا۔ میرے حبیب (ﷺ) کا انداز دیکھو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ اپنے نبی کو رُسوا نہ فرمائے گا۔ خلیل فرماتے ہیں' حبیب کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔فیصلہ قدرت ہو چکا کہ تم کو اور تمہارے چاہنے والے جو اُمتی ہیں اُن کو بھی رُسوا نہ فرمائے گا۔ معراج کا واقعہ ہے جو اسی کی مناسبت سے ہے جب بارگاہ رب العزت میں حضورﷺ حاضر ہوئے اور حکم ہوا کہ اے حبیب (ﷺ) بتلاؤ کیا تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میں تمہیں آخری نبی بنایا۔فرمایا: نہیں۔ کیا تمہیں یہ غم ہے کہ تمہاری اُمت کو آخری اُمت بنایا۔فرمایا: نہیں۔ جاؤ آپ کی اُمت کو خبر دو کہ میں تمہیں آخر میں اس لئے بھیجا ہوں تا کہ ساری اُمتیں اُس کے سامنے رُسواء ہوں' وہ کسی کے سامنے رُسوا نہ ہو' اس کے بعد کوئی اُمت ہی نہ آئے گی۔ اُمتِ لوط کا ذکر آئے گا اور دوسری قوم ہنسے گی۔ قوم ہود کا ذکر آئے گا اور دوسری اُمت ہنسے گی

مگر تمہاری اُمت کے بعد کوئی اُمت آئے گی ہی نہیں جو ذکر کرے اور ہنسے۔ اللہ تعالیٰ کسی اُمت کے سامنے ہم کو رُسوا کرانا نہیں چاہتا۔

اے ایمان والو ! اے عشق و محبت رکھنے والو ! جب یہ خدا تمہیں یہاں رُسواء کرانا نہیں چاہتا، جب ساری اُمتیں جمع ہوں گی وہاں کیسے رُسواء کرے گا۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانے   خسروا عرش پر اُڑتا ہے پھریرا تیرا

☆) قرآن کریم میں حضرت خلیل علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ فرشتے اُن کے معزز مہمان ہوئے۔

﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی (جو دس یا بارہ فرشتے تھے)

لیکن اپنے حبیب ﷺ کے لیے فرمایا کہ فرشتے اُن کے لشکری و سپاہی بنے۔

(ا) ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور اُن فوجوں سے اُس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھی (یہ ملائکہ کی فوج تھی)۔

(ب) ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ﴾ تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

(ج) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ اور اُس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ افضل مہمان ہو یا مفضول لیکن میزبان پر اُس کی خاطر مدارات ضروری ہوتی ہے۔ میزبان اپنے مہمان کو خوش رکھنے کے لیے ہر طرح کی دل جوئی سے کام لیتا ہے، المختصر مہمان جب تک مہمان ہے اس کی حیثیت محکوم و مامور کی نہیں ہوتی اس کے برعکس سپاہی اپنے کمانڈر انچیف کا محکوم وَ مامور ہوتا ہے، سپاہی اپنے

سالار سے اپنی خاطر مدارات نہیں چاہتا بلکہ ہر وقت اپنے حاکم کے حکم کا منتظر اور اُس کے حکم کو بجالانے کے لیے تیار و کمر بستہ رہتا ہے۔

الغرض۔حضرت خلیل علیہ السلام کی بارگاہ میں فرشتے مہمان بن کر گئے اور حبیب ﷺ کی بارگاہ میں محکوم بن کر آئے۔

☆) حضرت نوح اور حضرت خلیل علیہما السلام سے نقل فرمایا کہ انھوں نے اپنی اُمتوں کے لیے دُعائے مغفرت کی چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا۔

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾	اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اُسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو۔

اور حضرت خلیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَاب﴾	اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

لیکن حبیب ﷺ کو خود حکم دیا کہ اپنی اُمت کی مغفرت مانگو۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾	اے محبوب ! اپنے دامنِ کرم سے وابستہ عام گناہ گاروں اور اپنے نیکوکار ماننے والوں اور ماننے والیوں کے لیے دُعائے مغفرت کرو۔

رب رحیم وکریم بغیر کسی دُعائے مغفرت کے بھی مغفرت فرما سکتا ہے لیکن اُس نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اے محبوب تم دُعائے مغفرت کرو پھر میں مغفرت فرماؤں تاکہ تمام مغفرت پانے والے اس بات کا یقین کرلیں کہ وہ سب اپنی مغفرت میں تیرے لبوں کی حرکت کے محتاج ہیں۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو بغیر کسی حکم الٰہی کے خود ہی سے دُعائے مغفرت فرمانے والے ہیں وہ اجابت وَ قبولیت کے منتظر ہوں گے لیکن وہ جسے خود حکم الٰہی مل رہا ہے کہ وہ دُعائے مغفرت کرے تو یقیناً قبولیت واجابت خود اُس کی دُعا کی منتظر ہو گی۔

حضرت خلیل علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ انھوں نے مستقبل کے آنے والوں میں اپنا ذکر جمیل باقی رہنے کی دُعا کی۔

﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ (الشعراء/۸۴) — اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

لیکن حبیب ﷺ کے لیے خود ارشاد فرمایا بغیر کسی طلب و دُعا کے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَك﴾ — اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔

بلکہ اُس سے بھی ارفع واعلیٰ مژدہ ملا۔

﴿عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل/۷۹) — قریب ہے تجھے تیرا رب بھیجے گا تعریف کے مقام میں (جہاں اوّلین وآخرین جمع ہوں گے اور حضور کی حمد وثنا کا شور ہر زبان سے جوشِ زن ہو گا)۔

یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود پر۔ (تعریف کے مقام میں)

☆) حضرت خلیل علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے قومِ لوط سے رفع عذاب میں بڑی جدو جہد کی اور عرض و معروض پیش کرنے میں بڑا مبالغہ فرمایا۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوطٍ﴾ قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

مگر اُن کو حکم ہوا۔

﴿یَا اِبْرَاھِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا﴾ اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض پیش کی۔

﴿اِنَّ فِیْھَا لُوْطًا﴾ اس بستی میں لوط جو ہے۔

جواب ملا۔

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْھَا﴾ ہمیں خوب معلوم ہے جو وہاں ہے۔

لیکن اپنے حبیب ﷺ سے اِرشاد ہوتا ہے۔

﴿مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ﴾ (الانفال/۳۲) اللہ اُن کافروں پر بھی عذاب نہ کرے گا جب تک اے رحمتِ عالم تو اُن میں تشریف فرما ہے۔

☆) حضرت خلیل سے نقل فرمایا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ الٰہی میری دُعا قبول فرما۔

لیکن حبیب ﷺ اور اُن کے طفیلیوں کو ارشاد ہوا۔

﴿قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا۔

دیکھا آپ نے حضرت خلیل علیہ السلام 'اِجابت دُعا' کے منتظر ہیں اور 'اجابت الٰہی' دُعائے حبیب اور دُعائے وابستگان دامنِ حبیب کی منتظر ہے۔ المختصر۔

مقامِ خلیل اور ہے اور مقامِ حبیب اور۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب (ﷺ) کو بے شمار فضائل ومحاسن ایسے عطا فرمائے کہ جن کی عظمت ورفعت تک کسی کا وہم وگمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حسن وکمال، جاہ وجلال، ملک ومال، جود ونوال، غرض ہر ایک کمال ان کو بخش دیا۔ پھر لطف یہ کہ ہر کمال میں انھیں بے مثل وبے مثال بنا کر بھیجا۔ وہ سید المرسلین بھی ہیں اور رحمۃ للعالمین بھی۔ وہ مدثر ومزمّل بھی ہیں، اور طٰہٰ ویٰسین بھی، وہ بشیر ونذیر بھی ہیں اور سراج منیر بھی۔

اُن کی ہر ادا، ان کی صورت وسیرت، ان کی ذات وصفات، ان کے جسم پاک کا رونگٹا رونگٹا، اور بدن اقدس کا بال بال سراپا کمال ہے۔ ان کا ہر کمال خُدا کی قسم بے مثل وبے مثال ہے۔ نبی الرحمۃ ﷺ کی شانِ یکتائی کا کیا کہنا، روزِ ازل ہی میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ومرسلین سے یہ عہد وپیماں لے لیا کہ تم سب تمام زندگی نبی آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری کا خطبہ پڑھتے رہنا۔ اور ان کی نصرت ورفاقت کے لئے ہر دم کمر بستہ رہنا۔ اور ان پر ایمان لاکر اپنے سینوں کو اُن کی محبت کا مدینہ بنائے رکھنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿**وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ**﴾ (ال عمران/۸۱) اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمھیں اُس کی جو عطا کروں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسُول جو تصدیق کرنے والا ہو اُن (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اُس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اُس کے بعد) فرمایا، کیا تم نے اقرار کرلیا اور اُٹھا لیا تم

نے اُس پر میرا بھاری ذمہ ؟ سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ عہد لے لیا کہ جب میرا آخری پیغمبر، شفیع محشر ﷺ جلوہ گر ہوتو تم سب کے سب اُن پر ایمان لانا اور اُن کی حمایت ونصرت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء ومرسلین اپنے زمانے میں نبی آخرالزماں ﷺ کی تشریف آوری کا خطبہ پڑھتے رہے اور اُن کی مدح وثنا کے گیت گاتے رہے۔ حفیظ جالندھری نے کیا خوب کہا ہے:

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دُعائیں کیں ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدہ یعقوب میں آیا جسے یوسف نے اپنے حُسن کے نیرنگ میں پایا
وہ جس کی یاد میں داؤد نے نغمہ سُرائی کی وہ جس کے نام پر شاہِ سلیماں نے گدائی کی
دلِ یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے

غرض ہر نبی ورسول اُن کی مدح ثنا کا خطیب، اُن کی عظمت کا نقیب رہا، ہر پیغمبر اُن کی اُلفت وَمحبت سے خوش نصیب رہا۔۔۔کوئی کچھ نہیں جانتا اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ وہ کھلتا اور ہنستا ہوا پُھول کتنا عجیب رنگ اور کیسی انوکھی خوشبو رکھتا ہے کہ چمن رسالت کا ہر ہر پرند اُس کی آرزو اور تمنا میں چہچہا رہا ہے اور اُس کی اُلفت وَمحبت کا دم بھر رہا ہے۔

سب سے انوکھے سب سے نرالے، میرے نبی کی بات نہ پوچھو
رِم جھم رِم جھم برسے رحمت، اُن کی گلی کی بات نہ پوچھو (قیس)

حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ بے مثالی کا کیا کہنا، ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام، سلطان کونین کے دربار پُرعظمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے جبرئیل! آپ نے تو پوری دُنیا کی سیر کی، تمام پیغمبروں کا دربار دیکھا، ہر نبی ورسول کے جمال کا دیدار کیا، بڑے بڑے سلاطین حُسن وجمال کی

شانِ جمال دیکھی، یہ تو بتایئے کہ میرا مثل وَ مثال بھی کہیں آپ کی نظروں سے کبھی گزرا؟ اس وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے طبقات زمین کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا، مشرق ومغرب کا کونہ کونہ اور شمال وجنوب کا گوشہ گوشہ دیکھا، بڑے بڑے حُسن و جمال والوں کی شان جمالی کے جلوے دیکھے مگر حضور آپ کے مرتبہ کا نہیں پایا۔

صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کو کتنے انوکھے اور دلکش انداز میں نظم فرمایا ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَ قَطُّ عَيۡنِىۡ   وَاَكۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَاءِ

خُلِقۡتَ مُبَـرَّءً مِّـنۡ كُلِّ عَيۡبٍ   كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی اے حُسن و جمال کے تاجدار، احمد مختار، آپ سے بڑھ کر کوئی حُسن و جمال والا میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا، آپ سے بڑا صاحبِ کمال تمام جہاں کی عورتوں کی آغوش میں کبھی کوئی نہیں پیدا ہوا۔ خالقِ حُسن و جمال نے آپ کو ہر عیب سے بَری اور پاک پیدا فرمایا ہے گویا آپ جس طرح چاہتے تھے خلّاق عالم نے آپ کی تخلیق فرمائی۔

درحقیقت بڑے بڑے بادشاہانِ زبان وقلم بھی آپ کی شانِ جمالی و بے مثالی کی منظر کشی نہیں کر سکے۔ حضرت بلبلِ شیراز سعدی علیہ الرحمہ نے میدانِ نعت میں طبع آزمائی کی تو یہ کہہ کے خاموش ہو گئے

يَا صَاحبَ الجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الۡبَشَرۡ   مِنۡ وَّجۡهِكَ الۡمُنِيرِ لَقَـــدۡ نُوِّرَ الۡقَمَرۡ

لَايُمۡكِنُ الثَّنـــاءُ كَمَـــا كَانَ حَقَّـــهٗ   بعد از خُدا بزرگ توئی قصه مختصر

یعنی اے حُسن و جمال کے مالک، اور اے نوعِ انسانی کے سردار! آپ کے روئے مُنیر سے چاند بھی نور کی بھیک مانگتا ہے اور بلاشبہہ چاند کو بھی آپ ہی کے نور سے روشنی ملی ہے ورنہ چاند کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اور نورِ جمال محمدی سے چاند کو کیا نسبت؟

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کیا انصاف ہے　　چاند میں تو داغ ہیں اور اُن کا چہرہ صاف ہے
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّہٗ　　بعد از خُدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی آپ کی مدح وثنا کما حقہٗ، تو ممکن ہی نہیں ہے۔ بس مختصر بات یہ ہے کہ خُدا کے بعد سب سے زیادہ عزت وعظمت والے، بزرگی اور تقدس والے، اعزاز واکرام والے، یارسول اللہ ﷺ آپ ہی ہیں۔

حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ شریف میں فرمایا:

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم
والحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

یعنی اے مسلمان! تو اپنے نبی کے بارے میں وہ بات تو مت کہنا جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہی۔ باقی اس کے سوا تو اپنے نبی کی مدح وثناء میں جو کچھ بھی چاہے کہہ ڈال اور نہایت عزم اور یقین کامل کے ساتھ کہتا چلا جا۔ مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا یا خُدا کا بیٹا کہا۔ مسلمان کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نبی کو خُدا یا خُدا کا بیٹا کہے، لیکن اس کے سوا بڑی سے بڑی تعریف وتوصیف اور اونچی سے اونچی مدح وثناء جو کچھ کرسکتا ہے وہ سب کچھ اپنے نبی ﷺ کی شان میں بے دھڑک کرسکتا ہے۔ انھیں خلیفۃ اللہ الاعظم کہو، مالکِ رقاب الاُمم کہو، ساقی کوثر، شافع محشر، مالک کونین، سلطانِ دارین، قاسم نعمت، مختارِ جنت، جو کچھ بھی کہا جائے سب جائز ودرست ہے۔ بلکہ اُن کے درجات رفیعہ ومراتب جلیلہ کے لحاظ سے یہ سب کچھ کم ہی ہے۔

درحقیقت سچی بات تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مدح وثنا کسی بشر سے کما حقہٗ ممکن ہی نہیں ہے اور یہ حق الیقین رکھیے کہ رحمۃ للعالمین کی مدح وثنا سوائے رب العالمین کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ بڑے بڑے عارفین وبزرگانِ دین نے نعت میں

سخن گستری اور طبع آزمائی کی لیکن اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرتے ہوئے قلم رکھ دیا اور دم بخود ہوگئے۔ سلطنت شاعری کے مسلم الثبوت بادشاہ حضرت جامی علیہ الرحمہ جو عشقِ رسول کی ایسی بلند منزل پر ہیں کہ اس منزلِ رفیع کا نظّارہ کرنے میں بڑے بڑے صاحبانِ رفعت کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی ہیں۔ بارگاہِ رسول کی پُرعظمت جناب میں مدح وثنا کا ہدیہ پیش کرنے کے لئے ہمت کی تو اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے کہ

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یعنی میں اگر ہزاروں مرتبہ مشک وگلاب سے کُلّیاں کرکے اپنا مُنھ صاف کرلوں پھر بھی میرا یہ مُنھ اس قابل نہیں ہوسکتا کہ تعریف تو کُجا؟ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کا نام مبارک بھی اپنی زبان پر لاسکوں۔ اسی طرح ایک دوسرے عاشقِ رسول نے کتنے والہانہ انداز میں عرض کیا ہے کہ :

مَا اِنْ مَدَحتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ لٰکِنْ مَدَحتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

یعنی میں نے بہت کچھ حضور سرور عالم ﷺ کی مدح سرائی اور تعریف وتوصیف میں لکھا اور کہا، لیکن میرا یہ اعتقاد ویقین ہے کہ میں نے اپنے ان کلمات سے حضور ﷺ کی ذرّہ برابر بھی نہ مدح کی ہے نہ کرسکتا ہوں بلکہ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نامِ نامی واسم گرامی لے لے کر میں اپنے کلام کو اس قابل بنالوں کہ وہ لائقِ تعریف وتحسین بن جائے۔ مظہر امام اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: اے رضؔا خود صاحبِ قرآں ہے مدّاح حضور

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

گل سخن کے لاکھ کھل جائیں مرے اشعار میں نعتِ احمد کے بِنا باغِ سخن ویران ہے (قیسؔ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو بھیجا ہے یعنی آپ مخلوق کی طرف ہمارا عزیز ہدیہ ہیں اور جو شخص کہ شاہی ہدیہ کی قدر نہ کرے وہ یقیناً بادشاہ کے

عتاب میں آتا ہے۔ نیز آپ پہلے ہی سے ہماری بارگاہ میں حاضر تھے آپ کی تکمیل کر کے اور نبوت کا تاج آپ کے سر پر رکھ کر بھیجا' اب جو آپ میں عیب نکالے وہ درحقیقت ہم میں عیب نکالتا ہے کیونکہ سند یافتہ شاگرد میں عیب نکالنا درحقیقت سند دینے والے کا انکار ہے۔ ہم نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے تم کو بھیجا ہے یعنی دیگر لوگ اپنا کام کرنے اپنی ذمہ داری پر دُنیا میں گئے اور تم ہمارا کام کرنے ہماری ذمہ داری پر گئے۔ ہم نے آپ کو بہ تقاضائے حکمت' صداقت وحقانیت دے کر' دلائل ومعجزات سے مضبوط کر کے' سچا دین اور قرآن عطا فرما کر بھیجا۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے۔ تمام نعمت الٰہیہ میں یہ نعمت سب سے افضل ہے۔ وہ چیز بھیجی جاتی ہے جو پہلے سے اپنے پاس ہو' معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دُنیا میں تشریف آوری سے قبل اپنے رب کے حضور بارگاہِ خاص میں رہے۔ کس قدر حاضر رہے؟ اس کے متعلق ایک روایت تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ تمہاری عمر کس قدر ہے؟ عرض کیا کہ یہ تو میں نہیں بتا سکتا' ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارا ستر ہزار سال کے بعد چمکتا تھا' وہ تارا میں نے ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا وہ ستارہ ہم ہی تھے ـ ـ ـ جو ذات' بارگاہِ خاص میں اس قدر حاضر ہو' اُس کے مراتب کا کیا پوچھنا؟ تِل بھی پُھول کے پاس صرف ایک رات رہ کر بس جاتے ہیں اور پُھول کی سی خوشبو حاصل کر لیتے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ کیوں نہ صفات الٰہیہ سے موصوف ہو جائیں؟ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج کے خطبہ میں فرمایا کہ حضور ﷺ' اللہ تعالیٰ کے صفات سے موصُوف ہیں۔

تذکرہ اولادِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا قبطیہ مصریہ کے بطن سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر تیرہ سال بعد آپ کی بیوی (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھی) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے یقطن کنعانیہ کی بیٹی قنطورسے شادی کی۔ اُن سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چھ بچے پیدا ہوئے۔ مدین' زمران' سرج' بقشان' نشق اور چھٹے کا نام معروف نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حجون بنت امین سے شادی فرمائی اور اُن سے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ کیسان' سورج' امیم' لوطان' نافس۔

علامہ سہیلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب التعریف والاعلام میں انہیں ذکر کیا ہے۔ (قصص الانبیاء)

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی عمر :

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال ہوئی' آپ اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا دونوں خانہ کعبہ میں (میزاب رحمت کے نیچے) احاطہ حطیم میں مدفون ہیں۔ (سیرتِ رسولِ پاک بروایت ابن اسحاق)

قربانی اور اہلحدیث

احکامِ قربانی وعیدالاضحیٰ

نام نہاد اہلحدیث (غیرمقلدین) : Ahle-Hadith (Ghair Muqalladeen)

نام نہاد اہلحدیث ایک شہرت پسند اور رِیا کار فرقہ ہے جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لئے قرآن وَ حدیث کے علم اور ان پر عامل ہونے کا دعویدار ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں موجود گمراہ فرقوں میں نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) ایک نہایت ہی پُرفتن، بدعقیدہ، دہشت گرد، وحشت ناک اور بدعتی فرقہ ہے۔ یہ فرقہ، اہلِ قرآن کی طرح فقہ اور تقلید کا منکر ہے اور اتباعِ سُنّت کا مدعی۔

ہندوپاک میں ان کے بہت سے مدارس، مراکز اور مساجد (مسجد محمدی۔ اہلحدیث) قائم ہیں جن کی کثیر تعداد کو حکومتِ سعودی عرب مدد فراہم کرتی ہے۔

یہ لوگ خود کو اہلحدیث اور عامل بالحدیث کہہ کر پس پردہ اپنا مشن پورا کرنے میں مصروف ہیں۔ غیر مقلدین خود کو اہلحدیث کہہ کر مسلم عوام کے دینی جذبات کا استحصال اور قرآن وسُنّت کے ساتھ بھیانک مذاق کرتے ہیں۔

یہ فرقہ اتباعِ حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباعِ حدیث سے کنارے ہیں۔ یہ لوگ محض الفاظِ حدیث کی نقل پر اکتفاء کرتے ہیں اور حدیث شریف کی فہم اور اُس کے معانی ومفاہیم میں غور وغوص کی طرف توجہ نہیں کرتے، ان لوگوں کا گمان ہے کہ محض الفاظ کا نقل کر لینا ہی کافی ہے حالانکہ یہ خیال حقیقت سے دور ہے کیونکہ حدیث سے مقصود تو حدیث کی فہم اور اس کے معانی میں غور وفکر کرنا ہے نہ کہ صرف الفاظِ حدیث کی نقل پر اکتفاء کرنا۔ یہ لوگ اپنی غفلتوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں

نام نہاد اہلحدیث کو اُن کے مزاج وعقیدہ کے خلاف کوئی حدیث شریف دکھائی دے تو ضعیف یا موضوع یا باطل قرار دیتے ہوئے احادیث کا انکار کردیتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین، محدثین اُمت اوراسلاف صالحین سے مروی معتبر ومستند ہزار ہا احادیث کو ضعیف، موضوع، من گھڑت اور باطل قرار دیتے ہیں لہذا یہی اولین درجہ کے 'منکرینِ حدیث' ہیں۔

- یہ ایک نو پید، غیر مانوس فرقہ شاذہ ہے۔
- یہ فرقہ تمام (۷۲) گمراہ فرقوں کا ملغوبہ ہے۔
- یہ فرقہ اپنے آپ کو اہلِ حدیث بتاتا ہے جب کہ تمام مسلمان اُسے غیر مقلد، وہابی اور لامذہب کہتے ہیں۔
- یہ فرقہ اپنے ماسویٰ سارے مسلمانوں کو مخالف سُنّت وشریعت سمجھتا ہے۔
- یہ فرقہ اتباعِ سُنّت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ سلف وخلف کے بیان معمول بہ حدیثوں کو بھی بلا وجہ رَد کردیتا ہے۔
- آثارِ صحابہ اس فرقہ کے نزدیک قانون کی طاقت سے عاری بےنور اقوال ہیں۔
- یہ فرقہ اجماعی مسائل کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔
- یہ فرقہ سلف صالحین اوراحادیث مرفوعہ وغیرہ سے ثابت قرآنی تفسیروں کے مقابلہ میں اپنی من مانی تفسیروں کو ترجیح دیتا ہے۔
- بس رفع یدین، قراءت خلف امام، آمین بالجہر ...... وغیرہ مختلف فیہ حدیثوں پر عمل تک اہلِ حدیث ہے آداب وسُنن اوراخلاقِ نبوی سے متعلق احادیث سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔
- یہ فرقہ ائمہ مجتہدین اوراولیاء اللہ کی شان میں بےادبی وگستاخی کرتا ہے۔
- یہ فرقہ اپنے علاوہ دیگر تمام طبقات مسلمہ کو بدعتی، مشرک اورکافر سمجھتا ہے

حالانکہ یہ بذاتِ خود بدعتی ہیں۔ یہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کوئی بھی اپنے کو اہلحدیث نہیں کہا کرتا تھا اُس دور میں صرف اہل اسلام تھے اب بتائیں کہ اُن کی بدعت کہاں گئی؟

نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین کی حالت یہ ہے کہ جاہل سے جاہل غیر مقلد اپنے کو مجتہد مطلق سمجھ کر بڑے بڑے علماء' صوفیاء' ائمہ دین سے الجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ غیر مقلدیت شر وفساد' ہٹ دھرمی اور فریب کاری کی جنم داتا ہے۔ اسلام کے چشمۂ صافی میں غیر مقلدیت کی کدورت وگندگی شامل کر دینے سے ذہن وگمان فاسد اور بدبودار ہوجاتے ہیں۔ اس لئے یہ فسادی اور فتنہ پَرور لوگ ذہنی مریض بن کر مسلمانوں کو بلاجھجک اور بلاتکلف مشرک و بدعتی کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح بعض لاشعور ماں باپ' دین سے غفلت اور جہالت کے سبب اپنی شریر اولاد کو ڈانٹتے ہوئے غصہ میں 'حرام زادہ' سُوّر کی نسل' کُتّے کا بچہ کہہ کر اپنے آپ کو آخری گالی دے دیتے ہیں' اور 'ماٹھی ملا' (مٹی میں ملے...... مرجائے) کہہ کر اولاد کو سب سے خطرناک بددُعا کہہ دیتے ہیں' اس بات پر انہیں نہ ہی افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی احساس ہوتا ہے' ان الفاظ کو بہت ہی ہلکے اور معمولی تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح بدمذہب و بدعقیدہ افراد مسلمانوں کو چلتے پھرتے ہلکے اور معمولی الفاظ تصور کرتے ہوئے 'مشرک و بدعتی' کہہ دیتے ہیں۔ بدعت......' ضلالت وگمراہی کو کہتے ہیں اور بدعتی کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ مسلمان کو مشرک و بدعتی کہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسلمان کو بُت پرست' دین کی بنیادوں کو ڈھانے والا' گمراہ اور جہنمی کہا جائے۔ یرقان کے مریض کو ہر چیز اصفر (زرد) نظر آتی ہے اور بدعقیدہ مقلد و غیر مقلد وہابی کو مسلمانوں کے سارے اعمال وعبادات بدعت نظر آتے ہیں۔ صحیح العقیدہ سُنّی مسلمانوں بلخصوص صوفیائے کرام کو یہ بدبخت لوگ پجاریوں اور پادریوں کے

برابر قرار دیتے ہیں ...... اولیاء اللہ کے مزارات (درگاہوں) کو نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) مندروں اور گردواروں کے مثل قرار دیتے ہیں۔

احکام قربانی اور اہلحدیث :

نام نہاد اہلحدیث بیباک، بے لگام، بے ٹوک اور بے امام ہوتے ہیں اُن کی زبان کی زد سے ائمہ تو درکنار بہت سے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ائمہ و محدثین پر بھی انھیں اعتماد نہیں ہوتا، اسی لئے اُن کی روایات و اسناد کو ضعیف قرار دے کرر د کر دیتے ہیں ......لیکن ...... یہ کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے :

> 'واضح رہے کہ احادیث کی تصحیح و تضعیف میں زیادہ تر اعتماد رئیس المحدثین والحفاظ بخاری زماں علامہ دوراں امام محمد ناصر الدین البانی کے اقوال پر کیا گیا ہے'
>
> (قربانی کے احکام/۲ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

غیر مقلد کہنا یہ چاہتا ہے کہ احادیث کی صحت وضعف کا معیار ناصر البانی ہے۔ اگر ناصر البانی کسی حدیث کو صحیح قرار دے دیں تو اہلحدیث بھی اُس کو صحیح حدیث مان لیں گے اور اگر ناصر البانی کسی حدیث کو ضعیف، موضوع اور باطل قرار دے دیں تو اہلحدیث بھی اُس حدیث کو ضعیف، موضوع اور باطل قرار دیں گے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

کیا یہ ناصر البانی کی تقلید نہیں ہے؟ کیا یہ ناصر البانی کو درجہ نبوت پر پہونچانا نہیں ہے؟

یوم عرفہ کا روزہ : ذوالحجہ کی ۹/ تاریخ جسے یوم عرفہ (یوم حج) کہتے ہیں اس دن تمام حجاج میدان عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔ یوم عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

عرفہ کے دن روزہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

دُنیا کا کوئی بھی ملک ہو (اسٹریلیا، ہندوستان، امریکا)، وہاں کے اعتبار سے عرفہ ۹/ ذوالحجہ کو کہا جائے گا خواہ سعودی عرب میں ٦ یا ۷ یا ۸ ذوالحجہ ہو۔

نام نہاد اہلحدیث کہتے ہیں کہ عرفہ میں تاریخ کا اعتبار نہیں بلکہ دن کا لحاظ رکھا جائے:

> 'عرفہ کا صوم رکھنے میں تاریخ کا نہیں بلکہ دن کا اعتبار ہوگا یعنی جس دن عرفہ ہوگا اسی دن صوم رکھا جائے گا خواہ وہ کوئی بھی تاریخ ہو، اس لحاظ سے برصغیر والوں کو اپنے یہاں کے کیلنڈر کے مطابق ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ کی بجائے عرفہ کے دن جس دن کہ حجاج کرام عرفہ میں وقوف کرتے ہیں صوم رکھنا چاہئے، جو ہمارے یہاں کی تاریخ کے حساب سے ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ ہوتی ہے' (قربانی کے احکام/٦ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوة وتوعية الجاليات بالجبيل)

غیر مقلدین فہم وفراست اور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔ مقلدین کو **تفقه فی الدین** اپنے اپنے امام کے فیض سے حاصل ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کی جغرافیائی معلومات کا دائرہ بھی بہت محدود ہوتا ہے۔ وہ اپنے کنوئیں میں بیٹھ کر ہی سوچتے ہیں۔

صومِ عاشورہ ہو یا صوم عرفہ ہو، جس ملک میں رہ رہے ہیں وہاں کی تاریخ کا اعتبار ہوگا۔ غیر مقلدین صرف ہندوستان کی حد تک ہی سوچ رہے ہیں کہ جس دن سعودی عرب میں ۹/ ذی الحجہ ہوگی اُس دن ہندوستان میں ۸/ ذی الحجہ ہوگی۔ عموماً دو دن کا بھی فرق ہوتا ہے یعنی ۷/ ذی الحجہ بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہو اُس دن امریکہ اور اسٹریلیا میں (٦) ذی الحجہ ہو، لیبیاء میں کبھی ۱۰/ ذی الحجہ بھی ہوتی ہے۔ ۱۰/ ذی الحجہ (یوم النحر ۔ عیدالاضحیٰ) کو روزہ حرام ہوتا ہے۔

وقت کے اعتبار سے سعودی عرب کے مقابلے میں ہندوستان ڈھائی گھنٹے اور بنگلہ دیش تین گھنٹے آگے ہے۔ اسٹریلیا میں جب سورج غروب ہوتا ہے اس وقت سعودی عرب میں سورج طلوع ہوتا ہے اور جب سعودی عرب میں سورج غروب ہوتا ہے اُس وقت امریکہ میں سویرا ہوتا ہے یعنی دُنیا میں کہیں دن ہوتا ہے تو کہیں رات ہوتی ہے اور کہیں سویرا ہوتا ہے اور کہیں دوپہر ہوتی ہے۔ اب بتائیں' کونسا ملک کس اعتبار سے عرفہ کا روزہ رکھے؟

یوم عرفہ (جس دن کہ حجاج کرام عرفہ میں وقوف کرتے ہیں) ملحوظ رکھ کر اگر ہندوستانی روزہ رکھیں تو ڈھائی گھنٹے پہلے ہی افطار ہوجائے گا' بنگلہ دیشیوں کا تین گھنٹے پہلے افطار ہوجائے گا' لندن میں آٹھ گھنٹے پہلے اور کینڈا میں دس گھنٹے پہلے افطار ہوجائے گا۔ اسٹریلیا اور امریکہ بلکہ آدھی دُنیا میں رات ہوگی۔ روزہ تو دن میں رکھا جاتا ہے' وقت کی مطابقت ممکن ہی نہیں ہوگی۔

میری رائے یہ ہے کہ چونکہ ۷ ۔ ۸ ۔ ۹ ذوالحجہ کو حجاج کرام مکہ معظّمہ' منٰی اور عرفات میں ہوتے ہیں اور یہ سارے ایام بہت ہی فضیلت اور بڑی شان وعظمت والے ہیں' ان دنوں میں روزہ رکھنا بہت ہی زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے اس لئے ان دنوں میں روزہ رکھ لیا جائے اور راتیں اذکار وعبادات میں گذاریں۔ ان شآء اللہ عرفہ کے روزہ کی فضیلت ضرور مل جائے گی اور اس سے محرومی کا احتمال نہیں رہے گا اور ایک سے زائد روزے رکھنا نہ ممنوع ہے اور نہ ہی وہ ضائع ہوں گے کیونکہ عشرہ ذوالحجہ کے روزوں کی بھی فضیلت ثابت ہے اور اس سے ثواب بھی مل جائے گا۔

عید کے دن معانقہ (گلے ملنا) :

خوشیوں کے موقعہ پر معانقہ (گلے ملنا) ساری دُنیا کے انسانوں کی فطرت ہے۔ سفر سے واپسی پر معانقہ کیا جاتا ہے، فوز و کامیابی کے بعد معانقہ کیا جاتا ہے، اظہار مسرت کے لئے معانقہ کیا جاتا ہے، عیدوں کے موقعہ پر معانقہ کیا جاتا ہے۔

معانقہ حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الادب، باب المصافحہ والمعانقہ میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔

نام نہاد اہلحدیث، مسلمانوں کے درمیان خلوص ومحبت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لئے وہ معانقہ کو بھی بدعت (ضلالت وگمراہی) قرار دیتے ہیں۔

> '(عید کے دن ملاقات پر) معانقہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ بدعت ہے اس سے احتراز کیا جائے'
> (قربانی کے احکام/۲۰ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

عید کے دن ملاقات پر (مسلمانوں کا خوشیوں سے آپس میں گلے ملنا) معانقہ سے اخوت پیدا ہوتی ہے، اختلافات ختم ہوتے ہیں، فخر وغرور دُور ہوتا ہے نفس کشی ہوتی ہے عاجزی وانکساری پیدا ہوتی ہے امن وشانتی کا ماحول بنتا ہے۔ معانقہ کو بدعت (ضلالت وگمراہی) کہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ جو مسلمان خوشیوں سے آپس میں گلے لگتے ہیں وہ سب جہنمی ہیں، یہ سزا انھیں معانقہ کی وجہ سے دی جائے گی۔ (معاذ اللہ)

عیدین میں ایک خطبہ :

مذہب اہلحدیث میں عیدین میں ایک ہی خطبہ ہوتا ہے:

'واضح رہے کہ عیدین میں ایک ہی خطبہ ہے جمعہ کی طرح دو خطبے نہیں ہیں۔ جو علماء دو خطبہ کے قائل ہیں اُن کے پاس جمعہ پر قیاس کے علاوہ کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔'
(قربانی کے احکام/ ۲۷ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

عیدین اور جمعہ کے دوسرے خطبہ میں چونکہ خلفائے راشدین' عشرۂ مبشرہ اور اہلبیت اطہار کا نام لیا جاتا ہے اس لئے نام نہاد اہلحدیث' دوسرے خطبہ کو ترک کرنا چاہتے ہیں۔ نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ خطبہ جمعہ میں التزاماً خلفاء کرام کا نام لینا بدعت ہے۔ غیر مقلدین کو معلوم ہونا چاہئیے کہ خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر مبارک اہلِ سُنّت و جماعت کا شعار ہے۔ خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر مبارک وہی شخص چھوڑ سکتا ہے جس کا دل مریض ہو اور باطن خبیث۔

ابن ماجہ کی روایت میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن دو خطبے کا ذکر ہے لیکن اس روایت کے بارے میں غیر مقلدین کے امام ناصر البانی کہتے ہیں:

'**منكر سندا ومتناً والمحفوظ ان ذالك فى خطبة الجمعة**' (یعنی یہ روایت سندا و متناً دونوں لحاظ سے منکر ہے محفوظ یہ ہے کہ یہ خطبہ جمعہ سے متعلق ہے)
(قربانی کے احکام/ ۲۷ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

مذہب اہلحدیث میں عید کے دن جمعہ کی نماز ترک کرنے کا اختیار :

نمازِ جمعہ ہر مسلمان عاقل بالغ تندرست' مقیم پر فرض ہے اور نمازِ عید واجب ہے۔

اگر جمعہ کے دن عید ہو جائے تو نماز جمعہ جو کہ فرض ہے ہرگز ساقط نہیں ہوگا۔ امام اور مقتدیوں سب کو نمازِ جمعہ ادا کرنا ہوگا۔ فرض کو ترک کرنا کسی کا اختیاری عمل نہیں ہے۔

مذہب اہلحدیث میں عید اگر جمعہ کے دن ہو تو جمعہ کی نماز ترک کرنے کی اجازت ہے :

' اگر عید جمعہ کے دن پڑ جائے تو امام کے علاوہ صلاۃ عید ادا کرنے والوں کو جمعہ اور ظہر کی صلاۃ میں اختیار ہے' (قربانی کے احکام/۳۰ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)
' صلاۃ جمعہ اور صلاۃ ظہر میں اختیار صرف مقتدیوں یعنی عوام الناس کو ہے جہاں تک امام کی بات ہے تو اس سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا' (قربانی کے احکام/۳۰ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلد) کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر عید جمعہ کے دن پڑ جائے تو چونکہ عید کی نماز خطبہ کے ساتھ پڑھی جاچکی ہے اس لئے اب (امام کے علاوہ) عام لوگوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جمعہ کی بجائے گھر پر نماز ظہر ادا کرے' باجماعت نمازِ جمعہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے گھر پر نمازِ ظہر ادا کرے۔ امام سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا...... عام مسلمان نمازِ ظہر ادا کرلیں تو جمعہ ساقط ہو جائے گا۔

مذہب اہلحدیث میں قربانی واجب نہیں ہے :

قربانی کی مشروعیت کی اصل کتاب وسُنّت اور اجماع اُمت ہے۔ارشادربّانی ہے:

﴿**فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ**﴾ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

﴿**قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**﴾ (الانعام/۱۶۴) کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور (زندگی اور موت کے معمولات) میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

قربانی‘ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور اُس کے تقرب کا اہم ذریعہ ہے۔ صاحبِ استطاعت پر قربانی واجب ہے۔ حج قران اور حج تمتع کرنے والے پر بھی قربانی واجب ہے۔

نام نہاد اہلحدیث قربانی کو کہیں سُنّت قرار دیتے ہیں اور کہیں مستحب بتاتے ہوئے قربانی کے وجوب کا انکار کرتے ہیں:

’اکثر علماء کے نزدیک قربانی سُنّت موکدہ ہے‘
(قربانی کے احکام/۳۳ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

’قربانی کے وجوب واستحباب کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے اکثر فقہاء ومحدثین اور علماء کرام استحباب کے قائل ہیں‘
(قربانی کے احکام/۴۴ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)۔

نام نہاد اہلحدیث کے یہاں ’اکثر فقہاء ومحدثین اور علماء کرام‘ سے صحابہ کرام‘ تابعین عظام‘ سلف صالحین‘ ائمہ مجتہدین ومحدثین‘ علمائے متقدمین یا اجماع اُمت ...... مُراد نہیں ہے بلکہ یہ غیر مقلدین ہوتے ہیں جن کے اقوال کو وہ حجت تسلیم کرتے ہیں:
ابن تیمیہ‘ ابن قیم‘ ابن جوزی‘ قاضی شوکانی‘ ابن عبدالوہاب نجدی‘ عبدالعزیز بن باز‘ عبدالحق بنارسی‘ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی‘ عبداللہ روپڑی‘ محمد بن صالح العثیمین‘ محمد بن صالح المنجد‘ نواب وحیدالزماں‘ نورالحسن‘ نذیر حسین‘ ثناءاللہ امرتسری‘ رئیس احمد ندوی سلفی‘ شمس الحق عظیم آبادی‘ عبدالملک الکلیب‘ عبیداللہ مبارکپوری‘ ابوعبدالرحمٰن شبیر‘ صفی الرحمٰن مبارکپوری‘ جونا گڈھی‘ حکیم فیض عالم‘ ناصرالدین البانی‘ یوسف القرضاوی‘ عبداللہ غازی پوری‘ عبدالجلیل سامرودی‘ محمد صادق سیالکوٹی ....

’ قربانی سُنّت ہے واجب نہیں ہے‘ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے‘ البتہ احناف نے جمہور علماء کی مخالفت کرتے ہوئے قربانی کو واجب قرار دیا ہے‘
(قربانی کے احکام/ ۴۸ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں **من ذبح قبل ان یصلی فلیعد مکانھا أخری ومن لم یذبح فلیذبح** جو عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کردے وہ اس کے بدلہ دوسری قربانی دے اور جس نے پہلے ذبح نہ کیا ہو اُسے چاہیئے کہ ذبح کرے۔ (بخاری، مسلم)

اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو دوبارہ ذبح کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا جاتا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں: (۱) کانا، جس کا کانا پن ظاہر ہو (۲) بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو (۳) لنگڑا، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو (۴) بہت زیادہ دُبلا پتلا، جس کے گودا نہ ہو۔ (نسائی، ابوداؤد، ترمذی)

حضور ﷺ کا یہ فرمانا ’چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں‘ قربانی کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے کہ نفلی وتطوع کاموں میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ عیوب سے سلامتی کا خیال ان گردنوں (غلاموں) کے آزاد کرنے میں رکھا جاتا ہے جو واجب ہوتے ہیں، رہا تطوع ونفلی عمل تو اس میں عیب دار اور کانا وغیرہ سے بھی اللہ کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے یہی مثال قربانی کی بھی ہے کہ اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو ہر قسم کے جانور کی قربانی جائز ہوتی۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان: **من کان لہ سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا** جو وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلی (عیدگاہ) کے قریب نہ آئے۔ (ابن ماجہ، مسند امام احمد، مستدرک حاکم)

اس حدیث سے بھی قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قربانی اورضعیف روایات :

نام نہاد اہلحدیث چونکہ قربانی کے واجب ہونے کے منکر ہیں اور قربانی کومحض مستحب کا درجہ دیتے ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان قربانی کومستحب کہہ کر ترک کرتے رہیں۔ مسلمانوں کے ذہنوں سے قربانی کی اہمیت کوختم کرنے کے لئے قربانی کی فضیلت میں بیان کی جانے والی ساری حدیثوں کو نام نہاد اہلحدیث ضعیف، موضوع، من گھڑت اور باطل قرار دیتے ہیں حالانکہ اصول حدیث کے مطابق فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی :

> 'جب ذی الحجہ کا مہینہ آتا ہےتو برصغیر میں قربانی کی فضیلت میں بہت ساری حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اہل قلم صفحات کے صفحات سیاہ کر دیتے ہیں اور خطباء ومقررین فضائل کے انبار لگا دیتے ہیں جب کہ محققین اہل علم ومحدثین کے نزدیک قربانی کی فضیلت میں بیان کی جانے والی کوئی بھی حدیث معیار صحت پر پوری نہیں اُترتی'
>
> (قربانی کے احکام/ ۳۵ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

منکرینِ حدیث کی جرأت دیکھئے کہ قربانی کی فضیلت میں بیان کی جانے والی ساری احادیث کوضعیف، نا قابل حجت، من گھڑت قرار دے رہے ہیں گویا ساری احادیث کا انکار کیا جا رہا ہے۔

’ قربانی کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے لوگوں نے اس کی فضیلت میں عجیب وغریب روایتیں بیان کر رکھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں‘ انہی روایتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ’ قربانی جنّت کی سواری ہے‘
(قربانی کے احکام/ ۳۵ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

نام نہاد اہلحدیث‘ یہاں لوگوں سے مُراد ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام لے رہے ہیں۔
اب کتب صحاح ستہ میں سے ترمذی شریف وابن ماجہ شریف کی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

’ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان قربانی کے دن کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کے نزدیک خون بہانے (قربانی) سے زیادہ محبوب ہو‘ قربانی کا جانور بروز قیامت اپنی سینگوں‘ کھروں اور بالوں سمیت آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ کے یہاں قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے لہذا تم خوش دلی سے قربانی کرو‘ (سنن ترمذی‘ سنن ابن ماجہ)

ترمذی وابن ماجہ کی اس حدیث شریف پر نام نہاد اہلحدیث کا تبصرہ دیکھئے:

’اس حدیث کی سند ضعیف وکمزور ہے‘
’اس حدیث کو ابن جوزی نے العلل المتناہیۃ میں اور ناصر البانی نے ضعیف ترمذی وضعیف ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے‘ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ)
’یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے‘ (سند میں ایک راوی متروک ہے)
(قربانی کے احکام/ ۳۵ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

اب مسند احمد وابن ماجہ کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں :

’زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سُنّت ہے' صحابہ نے پوچھا' ہمیں اس میں کیا ملے گا؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ لوگوں نے کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ اون (میں کتنا ثواب ہے؟) فرمایا: اون کے ہر بال میں ایک نیکی۔

(مسند احمد' ابن ماجہ)

نام نہاد اہلحدیث کو یا تو اللہ تعالیٰ کی عطا اور شانِ مغفرت میں شک ہو رہا ہے یا قدرتِ الٰہی تسلیم کرنے میں تذبذب ہو رہا ہے یا فرمان رسالت ﷺ میں مبالغہ نظر آ رہا ہے یا ائمہ ومحدثین میں کذب دِکھائی دے رہا ہے' ملاحظہ فرمایئے :

’یہ حدیث ہمارے یہاں بڑے زور وشور سے بیان کی جاتی ہے ’ بڑے بڑے علماء کرام کی زبانوں اور اُن کی کتابوں میں یہ حدیث سننے اور پڑھنے کو ملتی ہے حالانکہ یہ موضوع حدیث ہے'

’ناصر البانی نے ضعیف ابن ماجہ میں ضعیف جداً' جب کہ سلسلہ ضعیفہ میں موضوع قرار دیا ہے'

(قربانی کے احکام/ ۳۸ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

نام نہاد اہلحدیث مسند احمد وابن ماجہ کی حدیث کو محض اس لئے ضعیف اور موضوع قرار دے رہے ہیں کیونکہ اُن کے غیر مقلد امام ناصر البانی نے اس حدیث کو ضعیف وموضوع قرار دیا ہے۔ ناصر البانی کے کہنے پر فرمان نبوی ﷺ کو بھی وہ جھٹلا سکتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء کرام سے مُراد ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام ہیں' گویا ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام کی روایات بھی نام نہاد اہلحدیث کے لئے نا قابل حجت ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قادرمطلق ہے وہ اپنے فضل سے بہت آسان عمل پر بھی بھاری اجرعطافرماتا ہے' کسی کومجالِ اعتراض نہیں ۔

حضورنبی کریمﷺ نے فرمایا: دو کلمے زبان پر ہلکے اورترازو میں بھاری' رحمٰن کو پیارے ہیں **سبحان الله وبحمده' سبحان الله العظيم** (مسلم' بخاری)

سبحان الله وبحمد' سبحان الله العظيم یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں اُن کا وزن بہت زیادہ ہوگا کیونکہ ہمارے کام سے اللہ تعالیٰ کا نام وزنی ہے پھرخوبی یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں لہذا جوان کلمات کا وِرد کرے گا وہ بھی پیارا ہوگا اوراس کی زبان بھی پیاری ہوگی ۔

یہ دو کلمے رب تعالیٰ کی دونوں قسم کی حمدوں کوعلیٰ وجہ الکمال جامع ہے عیوب سے پا کی کامکمل بیان **سبحان الله** میں ہےاورصفاتِ کمالیہ سےموصوف ہونے کا کامل بیان **وبحمده** میں ہےاسی لئے یہ کلمات بہت جامع ہیں اوررب تعالیٰ کو پیارے ہیں ۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کوان ہی دوکلموں پرختم فرمایا اوریہی حدیث کتاب کےختم پرذکرفرمائی ہے۔

نام نہاداہلحدیث' اب مستدرک حاکم کی اس حدیث کوبھی ضعیف قراردے رہے ہیں :

'ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ زہراءرضی اللہ عنہا سےفرمایا: چلواپنی قربانی دیکھوجس کےخون کے پہلے قطرہ کے ساتھ ہی سابقہ گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ فاطمہ زہراء نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ! کیا یہ ہم اہل بیت کے ساتھ خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے' (مستدرک حاکم' مسندالبزار)

قربانی کی فضیلت میں بیان کردہ اس حدیث شریف پر نام نہاد اہلحدیث کا تبصرہ دیکھئے:

'یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں'
(قربانی کے احکام/ ۳۹ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

ضعیف حدیث، جھوٹی یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے جیسا کہ نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین نے عوام کے ذہن نشین کرا دیا ہے بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بناء پر اس حدیث کا درجہ (حدیث صحیح اور حسن سے) کچھ کم رکھا ہے۔

(☆) ضعیف حدیث وہ ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہو، راویان کا تسلسل نہ ہو (درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا ہو)، احادیث مشہورہ کے خلاف ہو یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں اُن میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔ ضعیف حدیث بھی فضائل میں معتبر ہے۔

اب سنن بیہقی کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں :

'حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ ! تم اپنی قربانی کو دیکھو جس کے پہلے قطرہ کے ساتھ ہر گناہ کی بخشش ہو جاتی ہے قیامت کے دن اسے گوشت اور خون سمیت ستر گنا زیادہ کر کے لایا جائے گا پھر تمہارے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا' (سنن بیہقی)

غیر مقلدین کا تبصرہ دیکھئے :

’ یہ موضوع حدیث ہے۔ اس جیسی حدیث مصنف عبدالرزاق میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے اس میں ایک راوی حد درجہ ضعیف ہے‘
(قربانی کے احکام/۴۰ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

جس روایت میں ایک فاسق راوی آ جائے وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے۔ ہمیں بتائیں کہ فاسق راوی کون ہے؟ ائمہ محدثین کے اصول کے خلاف کسی بھی حدیث کو ضعیف یا موضوع یا باطل قرار دینا ’احادیث‘ کا انکار کہلائے گا۔

ضعیف حدیث دو یا زیادہ سندوں سے روایت کی جائے اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں (چند ضعیف روایتوں سے مروی ہوجائے) تو اب وہ ضعیف نہ رہی حَسن بن گئی۔ اس سے احکام وفضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

کمزور تنکے مل کر مضبوط رسّی بن جاتے ہیں تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ اب طبرانی کی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

’حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو خوش دلی اور اجر کی نیّت سے قربانی کرتا ہے وہ اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جاتی ہے‘ (المعجم للطبرانی)

غیر مقلدین کا تبصرہ دیکھئے :

’ یہ موضوع روایت ہے اس حدیث کو ناصر البانی نے موضوع قرار دیا ہے‘
ملاحظہ ہو: سلسلۃ ضعیفۃ (ح/۵۲۹)
(قربانی کے احکام/۴۰ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

طبرانی اور سنن دارقطنی کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

'حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک بقرعید کے دن سب سے محبوب عمل جس میں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے قربانی ہے' (طبرانی، دارقطنی)

غیر مقلدین کا تبصرہ دیکھئے:

'یہ بہت ہی ضعیف حدیث ہے اس حدیث کو ابن جوزی اپنی کتاب '**العلل المتناهية** میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ البانی نے اس حدیث کو سلسلة ضعیفة میں ضعیف جداً کہا ہے'

(قربانی کے احکام/۴۱ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

ابن جوزی اور ناصر البانی کے اقوال چونکہ غیر مقلدین کے لئے حجت ہیں اسی لئے اُن پر اعتماد کرتے ہوئے ساری احادیث کو ضعیف، موضوع، من گھڑت اور باطل مانا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

'حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا: آج کے دن ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جوڑنے کے سوا قربانی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے' (طبرانی فی الکبیر)

غیر مقلدین کا تبصرہ دیکھئے:

'اس کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں۔ ناصر البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (سلسلة ضعیفہ)'

(قربانی کے احکام/۴۲ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

مسند دیلمی کی اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں :

’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم فربہ جانوروں کی قربانی کرو وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں‘ (مسند دیلمی)

غیر مقلدین کا تبصرہ دیکھئے :

’اس حدیث کا بھی ہمارے یہاں بڑا شور سنائی دیتا ہے جب کہ یہ بہت ہی ضعیف حدیث ہے۔ البانی نے ضعیف الجامع (ح/۹۲۴) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جب کہ سلسلۃ ضعیفہ میں ضعیف جداً کہا ہے‘

(قربانی کے احکام/۴۲ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

تقلید کو شرک قرار دینے والے‘ ناصر البانی کی تقلید کے نشہ میں بدمست نظر آتے ہیں۔ ساری احادیث کی صحت وضعف کا اعتبار ناصر البانی پر موقوف ہے۔ (معاذ اللہ)

اب قربانی کی فضیلت میں بیان کردہ ساری حدیثوں کو ضعیف قرار دیا جارہا ہے:

’خلاصہ کلام یہ کہ قربانی کی فضیلت میں بیان کی جانے والی ساری حدیثیں ضعیف ہیں ان میں سے کوئی بھی حدیث کی صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی‘

(قربانی کے احکام/۴۲ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری کے حفید‘ شیخ غازی عزیز‘ محدثین کرام کے منہج واصول پر فضائل قربانی میں بیان کی جانے والی حدیثوں کا مفصل جائزہ لینے کے بعد رقمطراز ہیں:

’قربانی کی تاکید واہمیت ومسنونیت اپنی جگہ مسلم‘ مگر افسوس کہ اس کی فضیلت میں بیان کی جانے والی کوئی ایک حدیث بھی صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی‘ جو بھی روایات اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے کچھ تو بہت

ضعیف ہیں کچھ منکر، کچھ بے اصل، کچھ موضوع۔اس باب کی اصح یعنی بہتر سے بہتر روایت بھی ضعیف راویوں سے خالی نہیں ہے'

(قربانی کے احکام/۴۴ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

مذہب اہلحدیث میں بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے:

ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، افغانستان ...... ہر سال قربانی کے موقع پر کروڑوں کی تعداد میں بھینس کی قربانی ہوتی ہے۔ بھینس، گائے کی جنس سے ہے اس کا دودھ بھی گائے کے دودھ کی طرح حلال ہوتا ہے۔ بھینس کو بہیمۃ الانعام میں شمار کیا جاتا ہے لہذا اس کی قربانی جائز ہوتی ہے۔

'اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر مادہ خصی غیر خصی سب کی قربانی ہوسکتی ہے'

(عالمگیری، قانون شریعت)

'وحشی جانور جیسے ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھا وغیرہ کی قربانی نہیں ہوسکتی'

(عالمگیری، قانون شریعت)

نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) بھینس کی قربانی کو ناجائز قرار دیتے ہیں:

'بھیڑ (نر اور مادہ بھیڑ میں دنبہ، چھترا)

بکرے (نر اور مادہ)

اونٹ (نر اور مادہ)

گائے (نر اور مادہ)

مذکورہ آٹھ جانوروں کے علاوہ کسی دوسرے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے'

(قربانی کے احکام/ ۵۹ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

'بھینس برصغیر کا ایسا جانور ہے جو حجاز میں نہیں پایا جاتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں کتاب وسُنّت میں نصوص نہیں ملتے'

(قربانی کے احکام/٦٢ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

'بھینس کی جنس کیا ہے؟ اس میں اختلاف کی وجہ سے علماء کے مابین اس کی قربانی کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے'

(قربانی کے احکام/٦٢ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

'جو علماء بھینس کو الگ اور مستقل جنس کہتے ہیں وہ اس کی قربانی کے قائل نہیں ہیں' ملاحظہ ہو: مختصر مسائل واحکام عیدین وقربانی۔ شیخ محمد منیر قمر
حضور ﷺ سے بھینس کی قربانی ثابت نہیں ہے'

(قربانی کے احکام/٦٢ ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

مذہب اہلحدیث میں ایک بکرا پورے خاندان (سو افراد) کی طرف سے کافی ہے :

برصغیر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش ...... میں مشترکہ خاندان (جوائنٹ فیملی سسٹم) کا رواج ہے جس میں ایک خاندان کے افراد کی تعداد (١٠٠) بھی ہوسکتی ہے۔ نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) مشترکہ خاندان کو ایک گھر تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قربانی میں ایک بکری پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے یعنی صدرِ خاندان کی حیثیت سے اگر پَر دادا (گریٹ گرانڈ فادر) قربانی میں ایک بکری ذبح کردیں تو خاندان کے سارے افراد کی جانب سے قربانی ادا ہوجائے گی :

ابن قیم اپنی کتاب زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

'ایک بکری مالک اور پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوتی ہے اگر چہ گھر والوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو' (قربانی کے احکام /۸۹۔ مختار احمد)

غیر مقلد شمس الحق عظیم آبادی 'عون المعبود' میں لکھتے ہیں:

'حج کے سوا قربانی میں ایک بکری پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے اگر چہ گھر والوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو'
'صحیح یہی ہے کہ ایک بکرا پورے گھر والوں کی طرف سے جائز و درست ہے'
(قربانی کے احکام /۹۰۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

غیر مقلد صدیق حسن خان 'بدور الاہلہ' میں لکھتے ہیں :

' ایک ہی بکری کی قربانی بہت سے گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اگر چہ سو آدمی ہی ایک مکان میں کیوں نہ ہوں' (بدور الاہلہ ۳۴۱)

اگر سو کی جگہ پر ایک مکان میں ہزار آدمی ہوں تو ایک بکری قربانی میں اُن کی طرف سے کافی ہوگی یا نہیں؟ مکان کے سو یا ہزار آدمی ایک بکری میں شریک ہوکر قربانی کرنا چاہیں تو سب کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ نفی و اثبات دونوں کے لئے نص صریح صحیح ہونا چاہئیے ۔

مذہب اہلحدیث میں ایک اونٹ میں (۱۰۰۰) ہزار افراد اور ایک گائے میں (۷۰۰) سات سو افراد کی قربانی جائز ہے:

حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے گائے اور اونٹ میں ایک سے زیادہ افراد کی شرکت ثابت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونٹ اور گائے میں سات سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی۔ (صحیح مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کا تلبیہ پُکارتے ہوئے روانہ ہوئے تو حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات' سات آدمی شریک ہو جائیں۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ بالا احادیث سے گائے اور اونٹ میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ جمہور اہل علم (اجماعِ مِلّت) کا یہی قول ہے یعنی گائے اور اونٹ میں سات افراد کی شرکت۔

نام نہاد اہلحدیث کی عبارات' ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں کہ مذہب اہلحدیث میں 'ایک ہی بکری کی قربانی بہت سے گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اگر چہ سو آدمی ہی ایک مکان میں کیوں نہ ہوں'۔ ایک آدمی پورے گھر کے سو افراد کا نمائندہ ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھتے ہوئے پڑھتے جائیں کہ اُن کے بقول 'ایک آدمی سے مراد' گھر اور خاندان کے پورے (۱۰۰) سو افراد کا نمائندہ۔

شوکانی کہتے ہیں :

> 'حج میں ایک اونٹ میں سات جب کہ عیدالاضحیٰ میں دس آدمیوں کی شرکت جائز ہے'
>
> (قربانی کے احکام / ۸۷۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

یہاں ’سات‘ سے مُراد (۷۰۰) سات سو افراد ہوں گے اور ’دس‘ سے مراد (۱۰۰۰) ہزار افراد مراد ہوں گے کیونکہ ایک آدمی‘ پورے گھر کے سو (۱۰۰) افراد کا نمائندہ ہوکر قربانی ادا کرے گا‘ گویا ایک گائے یا ایک اونٹ کی قربانی پورے محلے بلکہ گاؤں کی جانب سے ادا ہوسکتی ہے۔ دراصل یہ اُمت میں انتشار اور فتنہ کی سازش ہے۔ ہر سال لاکھوں حجاج کرام منٰی میں اپنی واجب قربانی کرتے ہیں۔اگر ایک گھر سے دس افراد حج کر رہے ہوں اور حجاج کرام کے افراد گھر سے کوئی فرد اپنے ملک میں قربانی کرلے تو کیا سب کی جانب سے قربانی ادا ہو جائے گی؟ غور کیجئے کہ غیر مقلدین کے غلط اور مضحکہ خیز مسائل کیوجہ سے کتنے لوگوں کا حج متاثر ہو رہا ہے۔ (لاحول ولا قوۃ)

> ’شمس الحق عظیم آبادی اور محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے‘ ملاحظہ ہو (نیل الاوطار ۵/۲۱۱‘ عون المعبود ۷/۳۶۱‘ تحفہ الاحوذی ۵/۷۳) جب جانوروں کی قلت ہو اور قربانی کرنے والے زیادہ ہوں تو ایسی صورت میں اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور جب قربانی کے جانوروں کی فراوانی ہو تو ایک اونٹ میں سات آدمی شریک ہوں‘
>
> (قربانی کے احکام /۸۸۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

نام نہاد اہلحدیث‘ تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ عامل بالحدیث ہونے کا جھوٹا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال واقوال کو حجت نہیں مانتے لیکن عامل بالحدیث کا دعویٰ بھول کر شمس الحق عظیم آبادی اور محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری کے رجحان کو حجت تسلیم کر لیتے ہیں اور ان بد باطن عناصر کے غیر شرعی رجحان کی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔

قربانی کا وقت : دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن اور دو راتیں لیکن دسویں سب میں افضل ہے پھر گیارہویں پھر بارہویں۔ (قانون شریعت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قربانی یوم الضحیٰ یعنی ۱۰/ ذوالحجہ کے بعد دو دن ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن تین ہیں، پہلا دن افضل ہے۔ (بحوالہ موطا امام مالک)

پوری دُنیا (حرمین شریفین [سعودی عرب]، ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، عراق، مصر، یمن، سوریا، عرب امارات، سوڈان، اردن وغیرہ تمام عالم اسلام) میں صرف تین دن (۱۰، ۱۱، ۱۲) ذوالحجہ کو قربانی ہوتی ہے۔ حج کا فرض طواف جسے طواف افاضہ اور طواف زیارہ کہتے ہیں اُس کا وقت بھی ایام حج کے تین دن (۱۰، ۱۱، ۱۲) ذوالحجہ تک ہے۔ نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین، مسلمانوں میں انتشار اور فتنہ پھیلانے کے لئے چوتھے دن یعنی ۱۳/ ذوالحجہ کو قربانی کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو گمراہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدعقیدہ اور گمراہ لوگوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مسئلہ : شہر میں قربانی کی جائے تو شرط یہ ہے کہ نماز عید کے بعد ہو اور دیہات میں چونکہ نماز عید نہیں اس لئے صبح صادق سے ہوسکتی ہے۔ (قانون شریعت)

مسئلہ : قربانی کے وقت میں قربانی ہی کرنی لازم ہے اتنی قیمت یا اتنی قیمت کا جانور صدقہ کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ (عالمگیری، قانون شریعت)

مسئلہ : قربانی کے دن گزر جانے کے بعد قربانی فوت ہوگئی، اب نہیں ہوسکتی، لہذا اگر کوئی جانور قربانی کے لئے خرید رکھا ہے تو اس کو صدقہ کرے ورنہ ایک بکری کی قیمت صدقہ کرے۔ (ردالمحتار، عالمگیری، قانون شریعت)

حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حدیث شریف مروی ہے انہوں نے فرمایا: **ایام النحر ثلاثة افضلها اولها** قربانی کے تین دن ہیں اُن میں کا افضل پہلا دن ہے۔ (ہدایہ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **الاضحی یومان بعد یوم الاضحی** عیدالاضحیٰ کے بعد قربانی دو دن ہے۔ (موطاامام مالک)

مسلمانوں نے ان حدیثوں کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا۔ اس طرح سے وہ تین ہی دن قربانی کرتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں بھی تین ہی دن قربانی ہوتی ہے لیکن نام نہاد اہلحدیث کے نزدیک یہ حدیثیں غلط، ساری دُنیا کے مسلمانوں کا تین ہی دن قربانی جائز سمجھنا غلط۔

مذہب اہلحدیث میں قربانی کے چار دن ہیں:

نام نہاد اہلحدیث کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں۔ اہلحدیث چاہتے ہیں کہ دین میں آسانی اور چھوٹ دے کر سب کو اہلحدیث (غیر مقلد) بنایا جائے۔ چوتھے دن بھی گوشت کی فراوانی دیکھ کر لوگ ہمارا نیا مذہب قبول کرلیں گے۔ اہلحدیث دراصل سہولت اور آسانی کے نام پر دِین اسلام کے عقائد، نظریات، عبادات واعمال سب کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ نام نہاد اہلحدیث کا حدیث پر عمل فقط ایک دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ! نام نہاد اہلحدیث دراصل اپنی خواہشِ نفس کے مقلد ہیں اس لئے انھیں اہلِ ہوا (ہوا پرست، نفس پرست) کہا جاتا ہے۔ جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی اُن کا مذہب ہے۔

’قربانی کے چار دن ہیں عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد تین دنوں تک‘
(قربانی کے احکام /۹۶۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

’قربانی کے چار دن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو پہلے دن قربانی میسر نہ ہو تو بعد تین ایام میں جب اللہ رب العالمین توفیق سے نوازے قربانی کرلے گویا اُس نے قربانی کرلی اور قربانی کا حکم ادا ہوگیا‘
(قربانی کے احکام /۹۹۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

نام نہاد اہلحدیث چونکہ قربانی کے واجب ہونے کے منکر ہیں اور قربانی کو محض مستحب کا درجہ دیتے ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان قربانی کو مستحب کہہ کر ترک کرتے رہیں۔ مسلمانوں کے ذہنوں سے قربانی کی اہمیت کو ختم کرنے کے لئے اس طرح کی بکواس کرتے رہتے ہیں۔

مذہب اہلحدیث میں کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے :

’کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔اس کا کھانا جائز ہے‘
(دلیل الطالب ص۴۱۳ مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں
عرف الجاوی صفحہ ۲۴۷ مؤلفہ نذیر حسین خاں)

مذہب اہلحدیث میں قربانی کے لئے وضو کرنا بدعت ہے :

نام نہاد اہلحدیث چونکہ فطرۃ گندے اور نجس ہوتے ہیں‘ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے بھی ناپاک ہوتے ہیں اسی لئے انہیں پاکی وصفائی کے خیال سے وضو کرنا بھی بدعت (ضلالت وگمراہی) نظر آتا ہے:

’قربانی کے لئے وضو کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔جن عبادات کے لئے آپ ﷺ نے وضو کا حکم دیا ہے ان میں سے قربانی نہیں ہے لہذا ایسا کرنا دین میں بدعت ہے‘
(قربانی کے احکام ۔ مختار احمد ۔ مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالجبیل)

یقیناً قربانی کے لئے وضو شرط نہیں ہے لیکن کیا نام نہاد اہلحدیث یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بغیر وضو قربانی ادا فرمائی؟ عام پرہیزگار مسلمان بھی اکثر باوضو ہوتے ہیں۔ وضو سے گناہ دُھلتے ہیں لیکن بد باطن نام نہاد اہلحدیث کہتے ہیں کہ وضو ’بدعت‘ ہے۔ بدعت......’ضلالت وگمراہی کو کہتے ہیں اور بدعتی کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے گویا قربانی کے لئے وضو کرنے کی سزاء اپنے آپ کو جہنم میں جھونکنا ہے۔ (معاذ اللہ)

جانور کو ذبح کرتے وقت مسنون اور قرآنی دُعائیں پڑھی جاتی ہیں:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (الانعام/۱۶۴)

کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور (زندگی اور موت کے معمولات) میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا، نہیں کوئی شریک اس کا، اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

مسنون وقرآنی دُعاؤں کے پڑھنے اور اللہ اکبر کہنے کے لئے وضو کرنا بہت اچھی عادت ہے پاکی تو مومن کی فطرت ہے۔ اذان اور سعی کے لئے بھی وضو شرط نہیں ہے ممکن ہے نام نہاد اہلحدیث بغیر وضو کے اذان کہتے ہیں اور صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے سورۂ احزاب ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی کے غلام ایاز کے لڑکے کا نام محمد تھا۔ سلطان محمود غزنوی اُس کا نام ادب سے لے کر پُکارتے تھے۔ ایک بار کہا کہ اے ایاز کے لڑکے استنجے کے لئے پانی لاؤ۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور آج کیا قصور ہوا کہ آپ نے اُس کا نام نہ لیا' فرمایا کہ میں اُس وقت بے وضو تھا اور یہ نام پاک میں بغیر وضو نہیں لیتا۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کرنے (اسوۂ ابراہیمی پر کاربند ہونے) صدائے ابراہیمی پر لبیک کہنے اور مِلّتِ ابراہیمی پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِیْن
وَصَل اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمّدٍ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْن

ہماری جدید مطبوعات

تذکرۂ سیدنا ابراہیم علیہ السلام	عقیدۂ علمِ غیب
بیعت اور صحبت صالحین	تفسیر آیہ رحمۃ للعالمین
اہل سُنّت کی پہچان	اسلام اور امن وَ سلامتی
مقامِ انسانیت	اسکول اور دینی تعلیم
اتباع نبوی ﷺ	اہلحدیث اور قادیانی
سُنّتِ مسواک	قربانی اور اہلحدیث
حَیاء اور پردہ	شانِ صوفیاء میں اہلحدیث کی گستاخیاں

منقبت

بحضورغوث العالم مخدوم سید اشرف جہانگیرسمنانی قدس سرہ ٗ (کچھوچھہ شریف)

جہاں میں ہے بڑا شہرہ وِلایت ہو تو ایسی ہو ملایا حق سے لاکھوں کو ہدایت ہوتو ایسی ہو
شہِ سمناں تھے پہلے پھر ہوئے کونین کے سَر ور ہدایت ہوتو ایسی ہونہایت ہوتو ایسی ہو
جہاں جس نے مدد چاہی وہیں مشکل ہوئی آسان غلاموں پر جو آقا کی عنایت ہوتو ایسی ہو
مُریدوں کی قیامت میں رہائی نارِ دُوزخ سے کریں گے اشرف سمناں حمایت ہوتوایسی ہو
تمہارے حُسن کا قصّہ کوئی عشاق سے پوچھے تڑپ جاتا ہے دِل سُن کر حکایت ہوتوایسی ہو
شہِ سمناں کی مدحت سے نویدِ مغفرت پائی سخن کی اشرؔفی خستہ جو غایت ہوتو ایسی ہو

شجرہ خوانی

الغیاث الغیاث یا غیاث العالمین غوث اعظم بندۂ قدرت نما کے واسطے
دونوں عالم کی شرافت بخش دے مولیٰ مجھے اشرف سمناں مرے غوث الوریٰ کے واسطے
آنکھ میں دے نور، میرے رزق میں دے برکتیں عبدالرزاق نورعین اولیاء کے واسطے
جس طرف دیکھوں نظر آئے مجھے اشرف کا نور حضرت اشرف حسین اشرف نما کے واسطے
ہم پہ احمد کا ہو سایہ ہم پہ اشرف کا کرم سیدی مختار اشرف باصفا کے واسطے
ایک اخترؔ کیا ہے سارے سُنّیوں کو بخش دے یاالٰہی شافعِ روزِ جزا کے واسطے

(اخترؔ : حضور شیخ الاسلام کا تخلص ہے)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں :

- رسول اللہ ﷺ تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ
- صالحین کا ذکر کہ موجب نزول رحمت ہے
- نام بنام اپنے آقایانِ نعمت کوایصال ثواب کہ اُن کی بارگاہ سے موجب نظرعنایت ہے
- جب یہ اوقات سلامت میں اُن کا نام لیوا رہے گا وہ (بزرگان سلسلہ) اوقات مصیبت میں اُس کے دستگیر ہوں گے ۔ (احکام شریعت)

شجرۂ نسب حضور شیخ الاسلام

(بزبان اُردو منظوم)

بخش دے یا رب شفیعِ دوسرا کے واسطے   **سَرور وسیّد محمد مصطفٰی** کے واسطے
یا الٰہ العالمین نارِ جہنم سے بچا   فاطمہ کے واسطے مشکل کُشا کے واسطے
برگزیدہ کر عمل کو اور ایماں کو حسن   سبط اکبر اس حَسن کے اجتبا کے واسطے
دیدے تو بزم حسیناں میں مجھے دوہرا مقام   اس مثنائے حَسن کی ارتقا کے واسطے
میں رہوں اللہ کا بندہ کھرا بے ریب وعیب   سیّد عبداللہ محض الاولیاء کے واسطے
یاالٰہی دیکھ لوں مَیں بھی تو جلوہ طور کا   شاہ موسیٰ الجون نور الاصفیا کے واسطے
یا الٰہی بندگی کا تاج زیبِ سَر رہے   سیّد عبداللہ عبد بے ریا کے واسطے
جلوۂ وحدت رہے سرمایہء قلب ونظر   شاہ موسیٰ پیکرِ صدق وصفا کے واسطے
یاالٰہی مجھ کو دیدے نغمۂ داؤد بھی   سیّدی داؤد خوشخو خوش نوا کے واسطے
یاالٰہی مرتے دَم تک رکھ محمد کا غلام   حضرت سیّد محمد کی ولا کے واسطے
زندگی وہ دے کہ جس پر کہہ پڑیں سب زندہ باد   سیّدی یحییٰ کی شانِ جانفزا کے واسطے
اپنی ہر ہر سانس میں اللہ کا بندہ رہوں   سیّد عبداللہ جیلی کی ادا کے واسطے
نفسِ بَد کو مار کر پاجاؤں مَیں پوری صلاح   میر ابوصالح بڑے جنگ آزما کے واسطے
الغیاث الغیاث یا غیاثَ العالمین   **غوث اعظم** بندۂ قدرت نما کے واسطے
دِین کا ہو تاج سَر پر رزق میں ہوں برکتیں   تاج دین اس عبدالرزاق اولیاء کے واسطے
دِین کا ناصر بنا اور دِین کا کردے عمود   اس عماد الدین نصر الاتقیا کے واسطے
نصرتِ دینِ محمد میں رہوں مَیں عمر بَھر   شاہ بونصر اس محمد کی ضیاء کے واسطے
دِین کی تلوار دیدے زندگی بھر ہاتھ میں   سیف دین یحییٰ کے زہد واتقا کے واسطے
آفتاب دینداری ہو جبین میں جلوہ گر   شمس دین جیلی کی تنویر وضیا کے واسطے
ہو بلندی دِین وایمان کو مرے پوری نصیب   اس علاؤ الدین علی کی ارتقاء کے واسطے

ماہ کامل دین کا کردے بہ اندازِ حَسن　　بدر دین شاہ حسن کی ہر ضیاء کے واسطے
نام احمد ہو زباں پر شانِ عباسی کیساتھ　　سید ابوالعبّاس احمد بے ریا کے واسطے
مَرتے دم بس یاغفورُ یا غفورُ کا ہو ذکر　　سیّد عبدالغفور حق آشنا کے واسطے
آنکھ میں دے نور میرے رزق میں دے وسعتیں　　**نورِ عین عبدِ رزاق** اولیاء کے واسطے
میری دُنیا ہو حَسیں اور میرا عقبیٰ ہو حَسیں　　شہ حسن سردار بزم اتقیا کے واسطے
دِل میں عشقِ محمد لب پہ ہو حمدِ خدا　　شہ محمد اشرفِ شاہ ہدیٰ کے واسطے
میرا سَر ہو اور سودائے محمد مصطفےٰ　　حضرت سیّد محمد اولیاء کے واسطے
یاالٰہی نفسِ بَد پر مجھکو دے فتح مبین　　سیّد بوالفتح جیسے بے ریا کے واسطے
دونوں عالم سے غنی کردے مجھے بندہ نواز　　شاہ عثمان صاحب ملک غنا کے واسطے
اے مرے رحمٰن ہر دل میں بنا مجھکو عزیز　　اس عزیز ذات رحمٰن کے علا کے واسطے
یاالٰہی مجھ میں بھر دے دِین کا حُسن وجمال　　شہ جمال الدین کے صدق وصفا کے واسطے
دِل محمد پر فدا ہو سَر میں ہو سَودائے غوث　　اس محمد غوث کے حُبِّ و ولا کے واسطے
اے خدا تیری نوازش ہر گھڑی مجھ پر رہے　　شہ نواز اس صاحب جود وسخا کے واسطے
یاالٰہی عمر بھر خاکِ دَرِ اشرف رہوں　　اس تراب اشرف کے زہد بے ریا کے واسطے
مست کردے مست رکھ اور اپنے مستوں میں اُٹھا　　حضرت سیّد قلندر کی ولا کے واسطے
یا اللہ العالمین منصب مرا کردے بلند　　سیّد منصب علی کی ارتقاء کے واسطے
ہر گھڑی مجھ پر الٰہی تیرا ہو فضل وکرم　　سیّد فضل حسین بے ریا کے واسطے
نذر کردوں اشرف سمناں کو اپنی جان ودِل　　نذر اشرف کی حکیمانہ ادا کے واسطے
وہ محدث وہ فقیہ عصر وبحرالعلوم　　ہاں اسی شمس ہُدیٰ کی ہر ضیاء کے واسطے
ایک اخترؔ ہی کیا سب مومنوں کو بخشدے　　مصطفےٰ اور مرتضیٰ اور مجتبیٰ کے واسطے

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن